جدید ایڈیشن

سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

از افادات

حضرت علامہ

مولانا محمد ادریس صاحب

کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

کتب خانہ مظہری

گلشن اقبال کراچی پاکستان
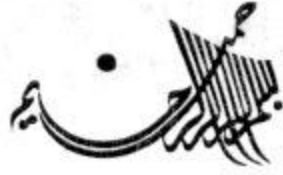
جدید کمپیوٹرائزڈ تصحیح شدہ ایڈیشن
سیرت رسول ﷺ پر قابل قدر اور عظیم تالیف
امت کے اکابر مورخین اور ارباب سیر کے علوم کا جوہر
سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
حصہ اول
www.ahlehaq.org
افادات
حضرت علامہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
ناشر
کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال کراچی پاکستان
فون:۴۹۹۲۱۷۶

نام کتاب : ـــــــ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ (حصہ اول)

مصنف : ـــــــ حضرت علامہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

باہتمام : ـــــــ ابراہیم برادران سلمہم الرحمٰن

ناشر : ـــــــ کتب خانہ مظہری

ملنے کے پتے
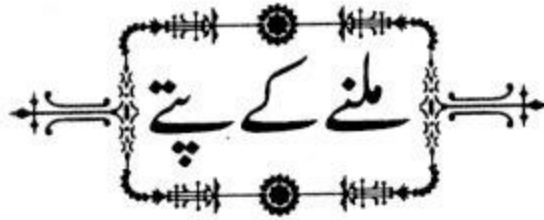
- قدیمی کتب خانہ.... (کراچی)
- زمزم پبلشرز...... (اردو بازار کراچی)
- علمی کتاب گھر..... (کراچی)
- بک لینڈ......... (لاہور)
- مکتبہ رحمانیہ....... (لاہور)
- مکتبہ رشیدیہ...... (کوئٹہ)
- مکتبہ عمر فاروق.... (شاہ فیصل کالونی کراچی)
- دارالاشاعت..... (اردو بازار کراچی)

فہرست مضامین سیرۃ المصطفےٰ (حصہ اول)

کلماتِ بابرکات

حکیم الامت مجدد الملت قطب الارشاد حضرت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد للہ العلی الحکیم والصلوٰۃ علیٰ نبیہ ذی الخلق العظیم احقر اشرف علی تھانوی عفی عنہ عرض رسا ہے کہ میں نے کتاب ''سیرۃ المصطفیٰ'' کے مقامات ذیل خود فاضل مؤلف یعنی جامع کمالات علمیہ وعملیہ مولوی حافظ محمد ادریس کاندھلوی سلمہ اللہ تعالیٰ کی زبان سے سنے جس کے سننے کے وقت بالکل یہ منظر سامنے تھا۔

یزیدک وجھہ حسناً
اذا ما زدتہ نظراً

وہ مقامات یہ ہیں۔اوّل دیباچہ کتاب۔ثانی، بدء الوحی کا بیان جس میں رؤیا صالحہ کے جزو نبوت ہونے پر کلام کیا ہے اور اس کے اسرار وحکم، ثالث دربار نجاشی میں حضرت جعفرؓ کی تقریر، رابع اصحاب صفہ کا بیان خامس، حضرات انبیاء علیہم السّلام کی نزاہت قبل نبوت بھی۔ سیر کے جتنے ضروری حقوق ولوازم ہیں ماشاء اللہ ان کو خاص طور پر پورا کیا گیا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

کسی کسی جگہ احقر نے خفیف خفیف مشورے بھی دیئے ہیں جن کو فاضل مؤلف نے بشاشت سے قبول کیا جو ان کے انصاف اور اخلاص کی واضح دلیل ہے۔اللّٰھم زد فزد.
کتاب کا عنوان ومعنون ایسا دلکش اور اس کا مصداق ہے۔

زِفرق تابہ قدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

کہ اگر میرے پاس وقت اور قوّت ہوتی تو اس کو اوّل سے آخر تک سنتا مگر ضعف وضیق دقت سے یہ آرزو پوری نہ کر سکا۔ اُمید ہے کہ بقیہ کتاب بھی ان شاء اللہ تعالیٰ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلیٰ کی مظہر ہوگی۔

اب میں اس توثیق کو ایک خاص مشورہ اور ایک عام مشورہ اور ایک دعا پر ختم کرتا ہوں۔ خاص مشورہ جس کے مخاطب فاضل مؤلف ہیں یہ ہے کہ مقامات مذکور بالا میں سے مقام خامس پر میرے رسالہ ''احسن التفہیم ''لمقولۃ سیدنا ابراہیم کا (جو امداد الفتاویٰ کا جزو ہو کر اس کے حصّہ خامسہ کے صفحہ ۴۰۸ تا صفحہ ۴۱۲ پر اشرف المطابع میں شائع ہوا ہے) بعینہٖ یا بملخصہٖ اضافہ کر دیا جاوے کہ اس کی ایک مفید تائید ہے۔

عام مشورہ جس کے مخاطب عام ناظرین ہیں یہ ہے کہ کوئی شخص جو اُردو کی بھی ضروری استعداد رکھتا ہو کتاب مذکور کے درس یا مطالعہ سے محروم نہ رہے جس کا ایک اجمل اور اسہل فائدہ یہ ہے کہ اس سے اپنے آقا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروری معرفت ہوگی اور اس معرفت سے بہ لزوم عادی آپ کی محبت اور اس محبت سے حسب وعدۂ صادقہ جنت میں آپ کی معیت نصیب ہوگی اور اس کے نعمت عظمیٰ ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

اور دعاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کو ظاہری و باطنی دنیوی واخروی برکات عطا فرماوے اور کتاب کو مقبول ونافع فرماوے۔ فقط آمین ثم آمین۔

اشرف علی
از تھانہ بھون ۹ شوال ۱۳۵۰ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ و الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَا نَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحٰبِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّاتِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّـا بَـعْدُ بندۂ گنہگار محمد ادریس کاندھلوی کان اللہ لہٗ وکان ہو للہ اہل اسلام کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ ایک مسلمان اور مومن کے لئے اپنا جاننا اتنا ضروری نہیں جتنا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا جاننا ضروری ہے جو شخص محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں جانتا وہ اپنے ایمان اور اسلام کو کیسے جان سکتا ہے۔ مومن اپنے وجود ایمانی میں سراسر وجود پیغمبر کا محتاج ہے۔ عیاذاً باللہ اگر وجودِ پیغمبر سے قطع نظر کر لی جائے تو ایک لحہ کے لئے بھی مومن کا وجودِ ایمان باقی نہیں رہ سکتا۔ اسی وجہ سے ارشاد ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ [1] — نبی، مومنین کے حق میں ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔

کیونکہ مومن کا وجودِ ایمانی آفتابِ نبوت کا ایک معمولی سا عکس اور پرتوہ ہے اور ظاہر ہے کہ پرتوہ کو جو قرب اور تعلق اپنے اصل منبع یعنی آفتاب سے ہو سکتا ہے وہ آئینہ سے نہیں ہو سکتا۔ مومن کو جو ایمان پہنچتا ہے وہ نبی کے واسطہ سے پہونچتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان نبی سے قریب ہے اور مومن سے بعید ہے۔ اس لیے کہ نبی ایمان کے ساتھ متصف بالذات ہے اور مومن ایمان کے ساتھ متصف بالعرض ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ مومن اپنے اور اپنے ایمان کے جاننے سے پہلے اپنے نبی کی سیرت کو جانے تا کہ اسی راستے پر چلے اور دوسروں کو بھی اس پر چلنے کی دعوت دے حق جل وعلا نے سورۂ ہود میں ابتدا سے انتہا تک انبیاء و مرسلین کے حالات اور واقعات ذکر فرمائے۔ اخیر میں اس کی حکمت بیان فرمائی کہ ہم نے انبیاء و مرسلین کے حالات کیوں بیان کیے۔

---

[1] الاحزاب، آیۃ: ۶

وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِىْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۱	اور ہم آپ کے سامنے انبیاء کے واقعات بیان کرتے ہیں جس سے آپ کے قلب کو قوت اور سکون عطا کریں اور ان واقعات کے ضمن میں اہل ایمان کے لیے حق اور حقیقت اور موعظت اور نصیحت اور تذکیر اور یاددہانی سامنے آجائے۔

یعنی تاکہ ان واقعات سے تمہارے قلوب کو سکون اور اطمینان کا درجہ حاصل ہو اور تمہارے دل ایمان پر قائم اور ثابت ہو جائیں اور حق تم پر واضح ہو جائے اور ان کو سن کر عبرت اور نصیحت حاصل کرو بلکہ قرآن کریم کی بہت سی سورتیں انہیں انبیاء کے نام سے موسوم ہیں جن کی سیرت اُس سورت میں بیان کی گئی ہے۔ جیسے سورۂ یونس اور سورۂ ہود اور سورۂ یوسف اور سورۂ ابراہیم وغیر ذلک اور سورۂ لقمان اور سوۂ کہف حضرت لقمان اور اصحاب کہف کے نام سے موسوم ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء اور علماء وصلحاء کی سیرت اور تاریخ لکھنا کس درجہ اہم اور ضروری ہے سیرت سے آں حضرت ﷺ کے فضائل وکمالات کا علم ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ حضورؐ کے صحابہؓ کے فضائل وکمالات معلوم ہوں گے جس سے ایمان میں زیادتی اور قوت پیدا ہوگی اور بہت سی آیات اور احادیث کے معانی معلوم ہوں گے اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے وہ اگر سیرت کو پڑھیں گے تو ان کے حق میں سیرت کا علم دعوتِ ایمان اور دعوت الی الحق کا ذریعہ ہوگا۔ امتوں نے اپنے انبیاء کی اور قوموں نے اپنے سادات اور کبراء کی سیرتیں اور تاریخیں لکھیں مگر سب ناتمام۔ جن قوموں کا یہ حال ہو کہ جس کو وہ صحیفۂ آسمانی اور کتابِ ربانی سمجھتے ہوں۔ وہی ان کے پاس محفوظ نہ ہو اور یہ تک معلوم نہ ہو کہ کس پر اترا اور کب اترا اور کہاں اترا اور کس طرح اترا اور جس کو وہ اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھتے ہوں اُس کی قبر تک کا نشان بھی ان کو معلوم نہ ہو وہ اپنے اس مقتدا کی مکمل سیرت اور سوانح حیات کہاں پیش کر سکتے ہیں۔ پوری زندگی کے حالات اور واقعات تو بڑی چیز ہیں وہ اپنے پیشوا کا ایک کلمہ بھی ایسا نہیں پیش کر سکتے جس کی سند اُن کے پیشوا تک متصل اور مسلسل ہو۔

۱ ہود: آیۃ: ۱۲۴

بحمد اللہ یہ شرف صرف امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ والف الف تحیۃ) کو حاصل ہے۔ کہ وہ اپنے پیغمبرؐ کے ہر قول اور ہر فعل کو متصل اور مسلسل سند کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ یہی اور صرف یہی ایک امت ہے کہ اپنے نبیؐ سے متصل ہے۔ عہدِ نبوت سے لے کر اس وقت تک کوئی لمحہ اور کوئی لحظہ ایسا نہیں گذرا کہ جس میں یہ امت اپنے نبیؐ سے منقطع ہوئی ہو۔ آں حضرت ﷺ کی اصل سیرت تو پوری حدیث ہے لیکن متقدمین کی اصطلاح میں فقط غزوات اور سرایا کے حالات اور واقعات کے مجموعہ کو سیرت کہتے تھے۔ حدیث آٹھ علوم کے مجموعہ کا نام ہے اور سیرت اُس کا ایک جز ہے۔

سیر و آداب و تفسیر و عقائد
فتن و اشراط و احکام و مناقب

لیکن اس زمانہ میں سیرت کا اطلاق سوانح عمری پر کیا جاتا ہے۔

محدثین نے جرح وتعدیل کے جو قواعد مقرر کیے اور صحیح و سقیم کے پہچاننے کا جو معیار قائم کیا وہ بلا کسی تفریق اور تخصیص کے سب جگہ ملحوظ رکھا گیا اور تمام حدیثیں خواہ احکام سے متعلق ہوں یا مغازی اور مناقب سے سب اُسی معیار سے جانچی گئیں۔ البتہ جن حدیثوں پر دین کا دار و مدار تھا جیسے عقائد اور حلال وحرام محدثین نے اُن کے قبول کرنے میں زیادہ تشدد سے کام لیا اور جن حدیثوں پر دین کا دار و مدار نہ تھا جیسے فضائل اور مناقب وہاں کسی قدر وسعت اور سہولت سے کام لیا گیا اس لئے کہ وہاں کوئی عمل مقصود نہیں محض علم مقصود ہے۔ اس لئے ایسے مقام پر توسیع ہی مناسب ہے چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ سے مروی ہے:۔

اِذا رَوَیْنَا فِی الحَلالِ وَ الحرام تشدّدنَا وَ اِذَا رَوَیْنَا فی الفَضَائِلِ تسَاهَلْنَا۔	جب ہم حلال وحرام کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو تشدد کرتے ہیں اور جب فضائل و مناقب کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو نرمی کرتے ہیں۔

الحاصل صحت اور ضعف کا جو معیار اور جو ضابطہ احادیثِ احکام میں ہے وہی مغازی اور

سیر میں ہے۔ اسی ضابطہ سے سب احادیث کو جانچا جاتا ہے اور اسی کے مطابق بلا تفریق صحیح اور ضعیف کا حکم لگایا جاتا ہے۔

جن محدثین نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام کیا انہوں نے ہر قسم کی حدیثوں کو خواہ احکام کی ہوں یا مغازی اور مناقب کی، سب کو صحیح طور پر جمع کیا جیسے صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور صحیح ابن خزیمہ اور منتقی ابن جارود اور صحیح ابن حبان، ان کتابوں میں سیرت اور مناقب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے اور سب صحیح ہے۔

اور جن محدثین نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام نہیں کیا اُن کا مقصد یہ تھا کہ حدیث کا ذخیرہ جمع ہو جائے اور آں حضرت ﷺ سے جو بھی منقول ہوا ہے وہ سب ایک بار محفوظ ہو جائے بعد میں اس کی تنقیح کر لی جائے گی اس لیے کہ جب سند موجود ہے تو پھر اُس کو جرح و تعدیل کی کسوٹی پر، پرکھنا کیا مشکل ہے۔ الغرض ان حضرات نے حدیث کے جمع کرنے کا پورا اہتمام کیا اور اس کی کوشش کی کہ کوئی حدیث جمع ہونے سے رہ نہ جائے۔

حضرات محدثین نے جہاں ایک طرف جرح و تعدیل کے اصول مقرر فرمائے تا کہ کوئی غلط بات ذاتِ نبوی ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔ کِذب علی النبی اگر چہ متعمد أنہ ہو تب بھی کذب اور خطا ضرور ہے اسی طرح محدثین نے دوسری طرف یہ احتیاط کی کہ جو روایت اُن کو ملی بلا کم و کاست سند کے ساتھ اُس کو درجِ کتاب کر دیا تا کہ ذاتِ نبوی ؐ کے متعلق کوئی علم مخفی نہ رہ جائے اور کوئی کلمہ جو آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلا ہو وہ گم نہ ہونے پائے اور یہ سند اگر چہ مستند نہ ہو لیکن ممکن ہے کہ یہ روایت کسی دوسری سند سے منقول ہو جائے تو تعدد سند اور اختلافِ طرق کو دیکھ کر آئندہ کے اہلِ علم اس کا خود فیصلہ کر لیں گے کہ یہ روایت کس درجہ مستند ہے۔ بہت سی صحیح روایتیں متعدد طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے حدِ تواتر اور شہرت کو پہنچ گئیں جن محدثین نے رطب و یابس روایات کو جمع کیا وہ بے احتیاطی نہیں بلکہ:۔

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً (یعنی مجھ سے جو سنو وہ پہونچاؤ اگر چہ وہ ایک کلمہ ہی ہو) کے اعتبار سے غایت درجہ کی احتیاط ہے۔ نیز بسا اوقات ضعیف روایتوں میں کوئی لفظ ایسا نکل آتا ہے

جس سے صحیح حدیث کی مراد واضح ہو جاتی ہے اور حدیث صحیح میں جو متعدد معانی کا احتمال تھا۔ وہ اس لفظ کی زیادتی سے زائل ہو جاتا ہے اور مرادِ نبوی متعین ہو جاتی ہے۔ پھر یہ کہ حضراتِ محدثین نے اُن روایات کے درج کتاب کرنے میں اپنی عقل اور درایت کو دخل نہیں دیا اگر متعارض روایتیں ملیں تو اسی تعارض کے ساتھ اُن کو درج فرما دیا۔ اس لیے کہ بسا اوقات ظاہر نظر میں دو آیتیں یا دو روایتیں متعارض معلوم ہوتی ہیں مگر جس شخص کو اللہ نے دین کی سمجھ دی ہو اُس کی نظر میں تعارض نہیں ہوتا۔ وہ اُن دونوں روایتوں کو خداداد نور فہم اور فراست سے علیحدہ علیحدہ دیکھتا ہے۔ بلکہ وہی شخص جو ایک زمانہ تک ان دونوں روایتوں کو متعارض سمجھتا تھا جب اس کے قلب پر من جانب اللہ کسی نور کا پرتوہ پڑتا ہے تو اسی وقت آنکھیں کھل جاتی ہیں اور دونوں روایتوں کا فرق نظر آ جاتا ہے اور سمجھ میں آ جاتا ہے کہ یہ تمام اختلاف اور تعارض میرے فہم میں تھا۔ حدیثوں میں کوئی تعارض اور اختلاف نہ تھا۔

حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ ''الاجوبۃ الکاملہ'' میں فرماتے ہیں کہ:۔

''حدیث کی کتابیں تین قسم کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مصنف اپنی کتاب میں یہ التزام کرے کہ صحیح حدیث کے سوا اور کسی قسم کی حدیث بیان نہ کرے جیسے بخاری شریف اور صحیح مسلم وغیرہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے نسخۂ طبیب کہ اس میں جو ہے وہ بیمار کیلئے مفید ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ صحیح اور ضعیف ہر قسم کی حدیثیں لاتے ہیں، پر صحیح کو جدا بتلا دیتے ہیں اور ضعیف کو جدا ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ جیسے ترمذی شریف کہ اس میں کسی حدیث کو لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کسی کو ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے اکثر کتبِ طب میں ادویہ مفردہ، مرکبہ، نافع، مضر سب لکھتے ہیں، پر اس کے ساتھ یہ لکھ دیتے ہیں کہ یہ دوا نافع ہے اور یہ مضر سو کتاب طب میں دیکھ کر، کوئی نادان بھی دوا استعمال نہیں کرتا۔ ایسے ہی احادیث ضعیفہ کو کتب احادیث میں دیکھ کر استدلال کرنا عاقل[1] کا کام نہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب میں موضوعات یا احادیث ضعیفہ کو جمع کر دے اور غرض اس التزام سے یہ ہو کہ دین داران سادہ لوح ان احادیث کو غیر معتبر سمجھ کر عمل کرنے سے باز رہیں۔ یہ

[1] الا یہ کہ وہ طبیب ہو اور ادویہ کے خواص اور آثار سے باخبر ہو ۱۲ منہ

کتاب ایسی ہے جسے طبیب پرہیز کی چیزوں کی تفصیل لکھ کر حوالہ کردے تاکہ کل کے دن کوئی دھوکا نہ کھاوے۔ موضوعات ابن جوزی وغیرہ سب اسی قسم کی ہیں''۔ انتہیٰ کلامہ رحمہ اللہ تعالیٰ ۱؎

غزوات اور سرایا کے اسباب وعلل کے متعلق اگر کوئی روایت ملی تو اس کو بھی ضرور لے لیا مگر اپنی رائے اور قیاس کو اس میں داخل نہیں کیا تاکہ روایت کے ساتھ رائے مخلوط نہ ہو جائے۔ اگر خدانخواستہ یہ حضرات بھی یورپین مورخوں کی طرح اسباب وعلل سے بحث کرتے تو وہ روایت، روایت نہ رہتی بلکہ اُن کی خیالی اور قیاسی تحقیقوں کا مجموعہ ہوجاتا۔ علماء متاخرین نے اس جمع شدہ ذخیرہ کی تحقیق اور تنقیح کر کے یہ بتلا دیا کہ فلاں روایت صحیح ہے اور فلاں موضوع۔ جو شخص عیون الاثر اور زاد المعاد اور زرقانی شرح مواہب کا مطالعہ کرے گا۔ اُس کو بخوبی یہ معلوم ہوجائے گا کہ محدثین نے اپنی تحقیق اور تنقیح کو سب جگہ یکساں طور پر جاری رکھا۔ اپنی تحقیق اور تنقیح کو احادیثِ احکام کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔ آج کل ایک بدعت، درایت کی نمودار ہوئی ہے۔ اس سے اصل روایت گم ہوجاتی ہے۔ مصنف جو اپنی مزعوم درایت سے رائے قائم کرتا ہے اُس کو بشکل روایت پیش کرتا ہے حالانکہ وہ روایت اور واقعہ نہیں بلکہ محض اُس کی رائے اور تخیّل ہے۔ علامہ سہیلی اور حافظ ابن قیم اور علامہ زرقانی نے واقعات اور حالات کے علاوہ موقعہ بموقعہ اسرار وحکم لطائف اور معارف بھی بیان کیے ہیں جس سے سیرت کا لطف دوبالا ہوگیا۔

اس ناچیز نے بھی جو انہیں حضرات کے علوم کا ترجمان اور خادم ہے اپنی اس مختصر سیرت میں جہاں صحتِ ماخذ اور روایات کے معتبر اور مستند ہونے کا التزام کیا ہے۔ وہاں اسرار وحکم کا بھی کچھ اہتمام کیا ہے جو ان شاء اللہ العزیز نافع اور مفید ہوگا۔

اس سیرت میں جتنا بھی علمی سرمایہ اور ذخیرہ آپ دیکھیں گے وہ سب حضرات محدثین کا ہے اور وہی اس کے مالک ہیں۔ یہ ناچیز اُن کا ایک ادنیٰ غلام اور کمترین خادم ہے۔ جس کا کام صرف اتنا ہے کہ اُن کے جواہرات اور موتیوں کو سلیقہ سے ترتیب دے کر علم کے شائق

۱؎ الاجوبۃ الکاملہ۔ ص:

اور خریداروں کے سامنے پیش کر دے اور جس مخزن سے وہ موتی لائے گئے ہیں ساتھ ساتھ اُن کا پتہ بتلا دے۔ جوہری کا کام تو یہ ہے کہ جواہرات کے صندوق کے صندوق لا کر سامنے رکھ دے۔ اب ان جواہرات کے انواع واقسام اور اصناف والوان کو علیحدہ علیحدہ کر کے ترتیب سے رکھنا یہ غلاموں اور خادموں کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ اور سلف کے علوم میں ترتیب نہیں ہوتی۔ جواہر کی طرح منتشر اور بے ترتیب ہوتے ہیں اور متاخرین کے کلام میں تبویب اور ترتیب ہوتی ہے۔ چونکہ اس علم میں حضرات محدثین ہمارے استاذ ہیں اور ہمارے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وہی واسطہ ہیں۔ اس لیے محدثین کے اصول وقواعد کا اتباع ضروری اور لازم سمجھا۔ کما قال تعالیٰ:۔

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا [۱]

اس لیے آپ ان شاء اللہ العزیز اس کتاب میں کسی جگہ حضرات محدثین کے اصول سے عدول اور سرتابی نہ پائیں گے۔ ایسے آباء واجداد کا اتباع جو:۔

لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ [۲] نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں کے مصداق ہوں بے شک مذموم ہے لیکن اگر کسی کے روحانی یا جسمانی آباء واجداد صاحبِ عقل اور صاحبِ ہدایت ہوں تو پھر ان کی اتباع کے مستحسن بلکہ ضروری ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

اس دور میں اگرچہ سیرت نبویؐ پر چھوٹی اور بڑی بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں لیکن اُن کے مؤلفین اور مصنفین زیادہ تر فلسفۂ جدیدہ اور یورپ کے فلاسفروں سے اس قدر مرعوب اور خوف زدہ ہیں کہ یہ چاہتے ہیں کہ آیات واحادیث کو توڑ موڑ کر کسی طرح فلسفہ اور سائنس کے مطابق کر دیں اور انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو یہ باور کرا دیں کہ عیاذاً باللہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول اور کوئی فعل مغربی تہذیب وتمدن اور موجودہ فلسفہ اور سائنس کے خلاف نہ تھا۔

---

[۱] الکہف، آیۃ: ۶۶ [۲] البقرۃ: آیۃ: ۱۷۰

یہی وجہ ہے کہ جب معجزات اور کرامات کا ذکر آتا ہے تو جس قدر ممکن ہوتا ہے اُس کو ہلکا کر کے بیان کیا جاتا ہے اگر کہیں راویوں پر بس چلتا ہے تو جرح وتعدیل کے ذریعہ سے محدثانہ رنگ میں ان روایات کو ناقابلِ اعتبار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اسماء الرجال کی کتابوں سے جرح کے اقوال تو نقل کر دیتے ہیں اور توثیق وتعدیل کے اقوال نقل نہیں کرتے جو سراسر امانت اور دیانت کے خلاف ہے اور قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا کا مصداق ہے اور جہاں راویوں پر بس نہیں چلتا وہاں صوفیانہ اور محققانہ رنگ میں آ کر تاویل کی راہ اختیار کی جاتی ہے جس سے آیت اور حدیث کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے۔

اور جب خداوند ذوالجلال کے باغیوں سے جہاد وقتال کا ذکر آتا ہے تو بہت پیچ وتاب کھاتے ہیں اور اس کو اسلام کے چہرہ پر ایک بدنما داغ سمجھ کر دھونے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ تو ممکن نہ ہوا کہ اعداء اللہ سے جہاد وقتال کی آیات واحادیث کا انکار کر سکیں۔ اس لئے تاویل کی راہ اختیار کی کہ یہ غزوات وسرایا اعلاء کلمۃ اللہ یعنی اللہ کا بول بالا کرنے اور آسمانی بادشاہت قائم کرنے اور قانون خداوندی کو علی الاعلان جاری کرنے کے لئے نہ تھے بلکہ محض اپنی حفاظت اور جان بچانے اور دشمنوں کی مدافعت کے لیے تھے۔ قرآن کریم میں ہے کہ مسلمان منافقین سے یہ کہتے تھے۔

تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِادْفَعُوْا [1]	آؤ خدا کی راہ میں جہاد وقتال کرو یا فقط دشمنوں کی مدافعت کے لیے لڑو۔

معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ اور شئ ہے اور اپنے دشمنوں کی مدافعت کے لیے جنگ کرنا اور شئ ہے اس میں مؤمن اور منافق سب برابر ہیں۔ مؤمن اللہ کے لیے لڑتا ہے اور منافق محض اپنی حفاظت اور دشمن کی مدافعت کی خاطر لڑتا ہے۔ اگر جہاد کی حقیقت فقط مدافعت ہوتی تو قرآن وحدیث میں اس کی ترغیب کی حاجت نہ تھی۔ دشمن کی مدافعت کا لزوم اور وجوب عقلی اور فطری ہے۔ کسی عاقل کا اس میں اختلاف نہیں۔ کیا خلفاء راشدین

[1] آل عمران، آیۃ: ١٦٧۔

کے تمام جہادات دفاعی تھے؟ کوئی جہاد ان میں اقدامی نہ تھا اور کیا سلاطین اسلام کے ہندوستان پر حملے بھی اقدامی نہ تھے؟ ایک ہزار سال قبل کیا کسی لالہ اور دھوتی پرشاد کی مجال تھی کہ وہ کسی اسلامی حکومت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کا تصور بھی کر سکے اور شاہانِ اسلام اُن کی مدافعت کے لیے اٹھیں۔

اس لیے اس ناچیز نے یہ ارادہ کیا کہ سیرت میں ایک ایسی کتاب لکھی جائے کہ جس میں اگر ایک طرف غیر مستند اور معتبر روایات سے پرہیز کیا جائے تو دوسری طرف کسی ڈاکٹر یا فلاسفر سے گھبرا کر نہ کسی روایت کو چھپایا جائے اور نہ کسی حدیث میں اُن کی خاطر سے کوئی تاویل کی جائے اور نہ راویوں پر جرح کر کے اُس حدیث کو غیر معتبر بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس ناچیز کا مسلک یہ ہے جو آپ کے سامنے پیش کر دیا۔

فاش می گویم واز گفتۂ خود دل شادم
بندۂ عشقم وازہر دو جہاں آزادم

مسئلہ جہاد اور غلامی اور جزیہ پر مثلاً خدا کے باغیوں کا شور وغوغا اور مسئلہ حجاب پر مثلاً شہوت پرستوں کا ہنگامہ میرے نزدیک یہی اُن کے حق اور عین حق ہونے کی دلیل ہے

وَاذَا اَتَتْكَ مَذَمَّتِيْ مِنْ نَاقِصٍ فَهِيَ الشَّهَادَةُ لِيْ بِاَنِّيْ كَامِلٌ

(اور جب تیرے پاس کسی ناقص العقل کی جانب سے میری مذمت پہونچے تو یہی میرے کامل ہونے کی شہادت ہے۔) جس طرح بیوقوفوں کا اعتراض کسی شئے کے معقول ہونے کی دلیل ہے اسی طرح اہل باطل کا اعتراض حقانیت کی دلیل ہے۔

جب تم اسی نبی امی فداہ نفسی وابی وامی کو خدا کا بھیجا ہوا رسول مانتے ہو اور تمام اقوال و افعال اور تمام حرکات وسکنات میں اُس کو معصوم اور مؤید من اللہ مانتے ہو تو پھر اس کی حدیث سننے کے بعد کسی ڈاکٹر یا فلاسفر کی طرف کیوں جھانکتے ہو اور آیات اور احادیث میں اُن کو دیکھ دیکھ کر کیوں تاویل کرتے ہو۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ○ فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ○

نخواہم جز تو یک ساعت تفکر در دگر کردن ! کہ در ہر دو جہاں جاناں ندارم جز تو دلدارے

ہاں یہ حق تم کو ضرور ہے کہ عمل سے پہلے اس روایت کی خوب چھان بین کرلو کہ صحیح ہے یا غیر صحیح لیکن شرط یہ ہے کہ مقصود حق کا اتباع ہو۔ گریز اور پہلو تہی مقصود نہ ہو وَ اللّٰـهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ۔

میں اب تمہید ختم کرتا ہوں تا کہ اصل مقصد شروع کروں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اے پروردگارِ عالم تو اس ناچیز خدمت کو قبول فرما اور میرے حق میں اس کو خیر جاری اور توشۂ آخرت بنا۔

گرچہ یہ ہدیہ نہ میرا قابلِ منظور ہے
پر جو ہو مقبول کیا رحمت سے تیری دور ہے

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ اٰمين يارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ

اور اے پروردگارِ عالم اس پر بھی رحم فرما جو اس دُعا پر آمین کہے۔ خواہ آہستہ کہے یا آواز سے کہے اور اُس کی مغفرت فرما جو ہاتھ اُٹھا کر اس ناچیز کو دعاءِ مغفرت سے یاد کرے اور سورۂ فاتحہ اور کم از کم دو تین آیتیں اور مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ پڑھ کر ثواب پہنچائے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ○ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَالصَّلٰوة والسَّلام عَلٰى سيدنا و مولانا محمَّد خاتم الانبياءِ وَالمرسَلين و على اٰله و اصحابه وَازواجه و ذرياته اجمعين

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نسب مطہر

قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ

لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِکُمْ

عَنْ انسؓ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِکُمْ بِفَتْحِ الفاءِ وَقَالَ اَنَا اَنْفَسُکُمْ نَسَباً وَصِھْراً وَحَسَباً لَیْسَ فِی آبَائِیْ مِنْ لَدُن آدم سَفَاحٌ کُلُّنَا نِکَاحٌ (رواہ ابن مردویہ)[1]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو یعنی لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِکُمْ بفتح الفاء پڑھا جس کے معنی یہ ہیں کہ بے شک آئے تمہارے پاس اللہ کے رسول تمہارے اشرف اور افضل اور سب سے زیادہ نفیس خاندان سے اس آیت کی تلاوت کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں باعتبار حسب نسب کے تم سب سے افضل اور بہتر ہوں میرے آباء اجداد میں حضرت آدم سے لیکر اب تک کہیں زنا نہیں، سب نکاح ہے۔ اس حدیث کو ابن مردویہ نے روایت کیا۔

ابن عباس اور زہری مِنْ اَنْفَسِکُم بفتح الفاء پڑھا کرتے تھے اور مِنْ افضلکم و اشرفکم کے ساتھ اس کی تفسیر فرمایا کرتے تھے۔ جس کی طرف ہم نے اپنے ترجمہ میں اشارہ کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آپؐ کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ

[1] زرقانی شرح مواہب لدنیہ، ج:۱ص:۶۷

تک جس قدر آباء واجداد اور امہات وجدّات سلسلۂ نسب میں واقع ہیں وہ سب کے سب محصنین اور محصنات یعنی سب عفیف اور پاک دامن تھے۔ کوئی فرد اُن میں زنا کے ساتھ کبھی ملوّث نہیں ہوا۔[1]

عبادِ مخلصین کہ جن کو حق جل شانہٗ نے اپنی نبوت ورسالت کے لئے منتخب فرمایا ہو اُن کا سلسلۂ نسب ایسا ہی پاک اور مطہر ہوتا ہے۔ اللہ اُن کو ہمیشہ اصلابِ طیبین سے اَرحامِ طاہرات کی طرف پاک وصاف منتقل فرماتا رہا۔ حق جل وعلا نے جس کو اپنا مصطفےٰ اور مجتبیٰ بنایا اُس کے مصطفےٰ بنانے سے پہلے اُس کے نسب کو ضرور مصطفےٰ اور مجتبےٰ، مہذب اور مصفّٰی بنایا۔ مصطفین الاخیار خدا کے برگزیدہ اور پسندیدہ بندوں کا جس چیز سے جس حد تک تعلق ہوتا ہے اسی حد تک اس میں بھی اصطفاء اور اجتباء برگزیدگی اور پسندیدگی سرایت کر جاتی ہے۔

جب منافقین نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی تو حضرت حق جل شانہٗ نے صدیقہ بنت الصدیق کی براءت میں سورۂ نور کی دس آیتیں نازل فرمائیں۔ ان میں ایک آیت یہ بھی ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ [2]	سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ سبحان اللہ یہ بہتان عظیم ہے۔ ہم اس میں لب کشائی نہیں کر سکتے۔

یعنی اے مسلمانو! تم کو واقعۂ افک سنتے ہی فوراً یہ کہہ دینا لازمی تھا کہ سبحان اللہ یہ بہتان عظیم ہے۔ معاذ اللہ! پیغمبر کی بیوی کہیں فاجرہ ہو سکتی ہے؟ پیغمبر کی بیوی تو عفیفہ اور طاہرہ ہی ہوگی۔

[1] یہ ایک حدیث کا مضمون ہے جس کو طبرانی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ حافظ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس سند کے رجال کل ثقات ہیں صرف ایک راوی متکلم فیہ ہے جس کی حاکم نے توثیق کی ہے ۱۲ زرقانی ص ۶۷ ج ۱

[2] النور، آیۃ: ۱۶۔

ابن منذر نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

مَا بَغَتْ اِمْرأَةُ نَبِيٍّ قَطُّ ! کسی پیغمبر کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا۔

ابن جریج فرماتے ہیں کہ منصب نبوت کے مناسب اور شایاں نہیں کہ پیغمبر کی بیوی فجور میں مبتلا ہو ابن عساکر نے اشرس خراسانی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی پیغمبر کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا[1] حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں اثر ابن عباسؓ مَا بَغَتْ اِمْرأَة نَبِيٍّ قطّ کو نقل کر کے فرماتے ہیں ایسا ہی عکرمہ اور سعید بن جبیر اور ضحاک وغیرہم سے منقول ہے۔[2]

جب پیغمبروں کی ازواج کا فاجرہ ہونا منصب نبوت کے منافی ہے تو انبیاء ورُسل کی امہات اور جدّات کا غیر عفیف ہونا بدرجۂ اولیٰ منصب نبوت ورسالت کے منافی اور مباین ہوگا۔ اس لئے کہ مادری علاقہ علاقۂ زوجیت سے بہت زیادہ قوی ہوتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ پیغمبر کی تکوین وتخلیق اور اُس کی تولید وتصویر ہی معاذ اللہ فسق اور فجور (زنا) سے ہو اسی وجہ سے حدیث میں ولد الزنا کو شر الثلٰثہ فرمایا ہے اس لیے کہ اُس کا نفس وجود ہی معصیت اور فسق وفجور سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ یہ قطعاً ناممکن اور محال ہے کہ خداوند ذوالجلال کا فرستادہ ابن الحلال نہ ہو۔

حضرت آدمؑ سے لے کر نبی اکرم ﷺ تک جس قدر انبیاء ومرسلین گذرے کسی طاعن نے اُن کے نسب مطہر میں کبھی کلام نہیں کیا۔ صرف یہود (لَعَنَهُمُ اللّٰهُ تَعَالىٰ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ) نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مادرِ عفیفہ مریم صدیقہ پر تہمت لگائی۔ حق جل شانہٗ نے اپنی کتاب میں نہایت تفصیل کے ساتھ حضرت مریم کی براءت اور حضرت مسیح کی ولادتِ باسعادت کی کیفیت کو بیان فرمایا اور جا بجا یہود پر لعنت فرمائی۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ اُس غیورِ مطلق کی بے چون وچگون غیرت ایک لمحہ کے لئے یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ کوئی خبیث اُس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کے پاک نسب میں کسی قسم کا کوئی شک اور تردد کرے۔

---

[1] در منثور، ج:۶، ص:۱۴۵ [2] تفسیر ابن کثیر: ج ۸: ص ۴۱۹

قیصر روم نے جب ابوسفیان سے نبی اکرم ﷺ کے نسب کے متعلق یہ سوال کیا۔

کیفَ نَسَبُه فیکُم | اُن کا نسب کیسا ہے؟

صحیح بخاری کے یہ لفظ ہیں کہ ابوسفیان نے یہ جواب دیا کہ:۔

هو فیْنَا ذُو نَسَب | وہ ہم میں بڑے نسب والا ہے۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ بزار کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

هُو فی حَسَب مَالاَ یَفْضُلُ عَلیه احدٌ قال هذه اٰیةٌ (فتح الباری[۱] کتاب التفسیر)[۲] | یعنی حسب ونسب اور خاندانی شرف میں کوئی اُن سے بڑھ کر نہیں۔ قیصر روم نے کہا کہ یہ بھی ایک علامت ہے۔

یعنی نبی ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ آپؐ کا خاندان سب سے اعلیٰ اور اشرف ہے۔

صحیح بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ قیصر روم نے ابوسفیان کا جواب سُن کر یہ کہا:۔

وَ کَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِی اَحْسابِ قَومِهَا[۳] | پیغمبر ہمیشہ شریف ہی خاندان سے ہوتے ہیں۔

ہمارے نبی اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ کا سلسلۂ نسب جو عالم کے تمام سلاسل انساب سے اعلیٰ اور برتر اور سب سے افضل اور بہتر ہے وہ سلسلۃ الذہب اور شجرۃ النسب یہ ہے۔

سیدنا و مولانا محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوَیّ بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمۃ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ (بخاری شریف باب مبعث النبی ﷺ)

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں نسب شریف کے سلسلہ کو فقط عدنان تک ذکر فرمایا۔ مگر اپنی تاریخ میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تک سلسلۂ نسب کو ذکر فرمایا وہ یہ ہے۔

۱؎ کتاب التفسیر کا حوالہ اس لیے دیا گیا کہ حافظ عسقلانی نے مسند بزار کی یہ روایت صرف اسی مقام پر ذکر کیا ہے۔ بدء الوحی کتاب الجہاد مغازی وغیرہ میں اس کا ذکر نہیں فرمایا ۱۲　۲؎ فتح الباری طبع مصر ۱۳۰۱ھ: ج:۸، ص:۱۶۳۔　۳؎ بخاری شریف، ج:۱، ص:

عدنان بن اُدد بن المقوّم بن تارح بن یشجب بن یعرب بن ثابت بن اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسلام[1]

عدنان تک سلسلۂ نسب تمام نسابین (نسب دانوں) کے نزدیک مسلم ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں اور علیٰ ہذا عدنان کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے[2]

اختلاف اس میں ہے کہ عدنان سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک کیے پشتیں ہیں۔ بعض تیس بتلاتے ہیں اور بعض چالیس۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نسب شریف کو بیان فرماتے تھے تو عدنان سے تجاوز نہ فرماتے۔ عدنان تک پہنچ کر رُک جاتے اور یہ فرماتے۔

كَذَبَ النَّسَّابُونَ[3] | نسب والوں نے غلط کہا۔

یعنی اُن کو سلاسل انساب کی تحقیق نہیں جو کچھ کہتے ہیں وہ بے تحقیق کہتے ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول اس آیت کو تلاوت فرماتے۔

لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ[4] | اُن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

اور پھر یہ فرماتے۔

كَذَبَ النَّسَّابُون | نسب دان غلط کہتے ہیں۔

یعنی نسّابین کا یہ دعویٰ کہ ہم کو تمام انساب کا علم ہے بالکل غلط ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں۔ (طبقات ابن سعد ص ۲۸ ج ۱۔)

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا گیا کہ کسی شخص کا اپنے سلسلۂ نسب کو حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچانا کیسا ہے؟ تو ناپسند فرمایا۔ سائل نے پھر حضرت

---

[1] فتح الباری: ج:۷، ص:۱۲۵ [2] زاد المعاد، ج:۱، ص:۱۵۔ [3] الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۱، ص:۲۸۔
[4] غافر، آیۃ:۳۱

اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تک سلسلۂ نسب پہنچانے کے متعلق دریافت کیا تو اس کو بھی ناپسند فرمایا اور یہ کہا:۔

مَنۡ یخبرُہٗ بہٖ ! کس نے اس کو خبر دی ہے۔

مادری سلسلۂ نسب

اُوپر جو سلسلۂ نسب بیان کیا گیا وہ پدری اور جدّی سلسلہ تھا۔ مادری سلسلۂ نسب یہ ہے۔ ''محمد ابن آمنۃ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرۃ بن کلاب بن مرۃ''[۲] کلاب پر مادری اور پدری دونوں سلسلۂ نسب جمع ہو جاتے ہیں۔

اگر اس مقام پر سلسلۂ نسب کے کچھ آباء واجداد کا مختصر حال ذکر کر دیا جائے تو غالباً غیر مناسب نہ ہوگا۔

عَدْنان۔ عدنان، قیدار بن اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے ہیں۔

ابو جعفر بن حبیب اپنی تاریخ میں روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ یہ فرماتے تھے کہ عدنان اور معد اور ربیعہ اور خزیمہ اور اسد یہ سب ملت ابراہیمی پر تھے۔ ان کا ذکر خیر اور بھلائی کے ساتھ کرو اور زبیر بن بکار مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مضر اور ربیعہ کو بُرا مت کہو، وہ اسلام پر تھے اور سعید بن میسّب کی ایک مرسل روایت بھی اسی کی مؤید ہے[۳]

مَعَدّ میم کا فتح اور دال کی تشدید ہے۔ عدد سے مشتق ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ معد بمعنی افساد سے مشتق ہے بڑے بہادر اور جنگ جُو تھے۔ ساری عمر بنی اسرائیل سے جنگ اور مقابلہ میں گذری اور ہر لڑائی میں مظفر اور منصور رہے۔ ابو نزار ان کی کنیت تھی[۴]

---

[۱] روض الانف۔ ج۱، ص:۱۱، طبع مصر ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۴ء [۲] الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۱، ص:۳۱ [۳] فتح الباری، ج:۷، ص:۱۲۵ [۴] زرقانی، ج:۱، ص:۷۹

امام طبری فرماتے ہیں کہ معد بن عدنان بخت نصر کے زمانہ میں بارہ سال کے تھے۔ اُس زمانہ کے پیغمبر ارمیاء بن حلقیاء پر اللہ کی طرف سے یہ وحی نازل ہوئی کہ بخت نصر کو اطلاع کردو کہ ہم نے اس کو عرب پر مسلط کیا اور آپ معد بن عدنان کو اپنے براق پر سوار فرما لیں تا کہ معد کو کوئی صدمہ نہ پہونچے۔

فانی مُسۡتَخرِجٌ مِن صُلبِهٖ نَبِیّاً کریماً اَخۡتِمُ به الرُسُل	اس لیے کہ میں معد کی صلب سے ایک محترم نبی پیدا کرنے والا ہوں جس سے پیغمبروں کا سلسلہ ختم کروں گا۔

اس لیے حضرت ارمیاء معد بن عدنان کو اپنے ہمراہ براق پر سوار کر کے ملک شام لے گئے۔ وہاں پہنچ کر معد نے بنی اسرائیل میں رہ کر نشو ونما پایا۔ (کذا فی الروض للسہیلی ص ۸ ج ۱) اسی وجہ سے علماء اہل کتاب کے نزدیک معد بن عدنان کا نسب معروف ہے۔

ابن سعد نے طبقات میں ابو یعقوب تدمُری سے نقل کیا ہے کہ بورخ بن ناریّا نے جو ارمیاء علیہ السلام کے کاتب اور منشی تھے۔ معد بن عدنان کا جو نسب بیان کیا ہے وہ میرے پاس محفوظ ہے۔ طبقات ص ۲۸ ج ۱)

نِزار: نزار، نزر سے مشتق ہے جس کے معنی قلیل کے ہیں۔ ابو الفرج اصبہانی فرماتے ہیں۔ نزار چونکہ اپنے زمانہ کے یکتا تھے یعنی ان کی مثال کم تھی اس لیے نزار اُن کا نام ہو گیا۔ (فتح الباری ص ۱۲۵ ج)

علامہ سہیلی فرماتے ہیں جب نزار پیدا ہوئے تو اُن کی پیشانی نورِ محمدی سے چمک رہی تھی۔ باپ یہ دیکھ کر بے حد مسرور ہوئے اور اس خوشی میں دعوت کی اور یہ کہا:۔

هذا كلّه نزر لحق هذا المولود فسُمّي نزار لذلك[1]	یہ سب کچھ اس مولود کے حق کے مقابلہ میں بہت قلیل ہے۔ اس لیے نزار نام رکھا گیا۔

---

[1] الروض الانف، ج:۱، ص:۸

اور تاریخ الخمیس میں ہے:۔

انه خرج اجمل اهل زمانه و اکبر هم عقلاً	نزار اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ حسین و جمیل اور سب سے زیادہ عاقل اور دانشمند نکلے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ نزار کے معنی نحیف اور دُبلے پتلے کے ہیں۔ چونکہ نزار نحیف البدن اور لاغر تھے اس لئے اُن کا نام نزار ہو گیا۔

مدینہ منورہ کے قریب مقامِ ذات الجیش میں اُن کی قبر ہے[1]

مُضَرْ: مضر کا اصل نام عمرو تھا ابوالیاس کنیت تھی مضر اُن کا لقب تھا۔ مضر ماضر سے مشتق ہے جس کے معنی ترش کے ہیں۔ ترشی اور دہی آپ کو بہت مرغوب تھی اس لیے مضر کے نام سے مشہور ہو گئے۔[2]

بڑے حکیم و دانا تھے۔ مضر کے کلماتِ حکمت میں ہے:۔

من یزرع شرا یحصد ندامة و خیر الخیر اعجله	جو شر کو بوئے گا وہ شرمندگی کو کاٹے گے اور بہترین خیر وہ ہے جو جلد ہو۔
فاحملوا انفسکم علی مکروهها و اصرفوها عن هواها فلیس بین الصلاح والفساد الا الصبر[3]	پس اپنے نفسوں کو ناگوار خاطر چیزوں پر آمادہ کرو اور خواہشات سے نفسوں کو بچاؤ صلاح اور فساد کے مابین سوائے صبر کے کوئی حد فاصل نہیں۔

نہایت خوش الحان تھے۔ چلتے وقت اونٹوں پر حدی پڑھنا انہیں کی ایجاد ہے (روض الانف ص ۸ ج ۱) ابن سعد نے طبقات میں عبداللہ بن خالد سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مضر کو بُرا مت کہو وہ مسلمان تھا۔[4]

---

[1] زرقانی، ج:۱، ص:۷۹ [2] ایضاً فتح الباری، ج:۷، ص:۱۲۵ [3] زرقانی۔ ج:۱، ص:۷۹ [4] ابن عباس کے اس اثر کو حافظ عسقلانی نے اس تفصیل کے ساتھ باب المناقب میں ذکر فرمایا ہے اور باب مبعث النبی ﷺ میں اجمالاً اور اختصاراً ذکر کیا ہے جیسا کہ ہم قریب میں نقل کر چکے ہیں ۱۲

ابن حبیب نے اپنی تاریخ میں ابن عباس[۱] سے روایت کیا ہے کہ عدنان اور اُن کے باپ اور اُن کے بیٹے سعد اور ربیعہ اور مضر اور قیس اور تمیم اور اسد اور ضبّہ ملّت ابراہیمی پر مسلمان مرے۔[۲]

اِلیَـاسْ: حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہم نام بیت اللہ کی طرف ہدی بھیجنے کی سنت سب سے پہلے الیاس بن مضر ہی نے جاری کی۔ کہا جاتا ہے کہ الیاس بن مضر اپنی صُلب (پشت) سے نبی اکرم ﷺ کا تلبیۂ حج سنا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ الیاس کو بُرا مت کہو وہ مومن تھا۔[۳]

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ مجھ کو اس حدیث کا حال معلوم نہیں یہ حدیث کس پایہ کی ہے۔[۴]

مُـدْرِکَة: جمہور علما کا قول یہ ہے کہ مدرکہ کا نام عمرو تھا۔ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان کا نام عامر تھا[۵] اور مدرکہ اُن کا لقب تھا جو ادراک سے مشتق ہے۔ چونکہ انہوں نے ہر قسم کی عزت اور رفعت کو پایا اس لیے مدرکہ اُن کا لقب ہو گیا۔[۶]

خُزَیْمَة: ابن عباس فرماتے ہیں کہ خزیمہ ملتِ ابراہیمی پر مرے۔[۷]

کِنَانَة: عرب میں بڑے جلیل القدر سمجھے جاتے تھے۔ اُن کے علم و فضل کی وجہ سے دُور دراز سے لوگ مستقل اُن کی زیارت کے لیے سفر کر کے آتے تھے۔[۸]

نَضْر: نضر نضارۃ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی رونق اور تر و تازگی کے ہیں حسن و جمال کی وجہ سے اُن کو نضر کہنے لگے تھے۔ اصل نام قیس تھا۔[۹]

مَالِكْ: مالک نام تھا۔ ابوالحارث کنیت تھی۔ عرب کے بڑے سرداروں میں تھے۔[۱۰]

فِهْـــر: فہر نام ہے۔ قریش لقب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش نام ہے اور فہر لقب ہے۔ انہیں کی اولاد کو قریشی کہتے ہیں اور جو شخص فہر کی اولاد سے نہ ہو اس کو کنانی کہتے ہیں اور بعض علما کہتے ہیں کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کا نام ہے۔

---

۱ الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج:۱، ص:۳۰ ۲ فتح الباری، ج:۶، ص:۳۸۴ ۳ روض الانف، ج:۱، ص:۸ ۴ زرقانی، ج:۱، ص:۷۹ ۵ فتح الباری، ج:۷، ص:۱۲۵ ۶ زرقانی، ج:۱، ص:۷۸ ۷ ایضاً ۸ فتح الباری، ج:۱، ص:۱۲۴ ۹ زرقانی، ج:۱، ص:۷۷ ۱۰ ایضاً ص:۷۶۔

حافظ عراقی اپنی الفیۂ سیرت میں فرماتے ہیں۔

اما قریش فالاصح فھر

جماعھا والا کثرون النضر

حافظ علائی فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے اور محققین کا قول ہے کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں اور بعض احادیث مرفوعہ بھی اسی کی مؤید ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی یہی منقول ہے کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کا نام ہے۔

بعض حفاظ حدیث فرماتے ہیں کہ فہر کے باپ مالک نے سوائے فہر کے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ اس لیے جو شخص فہر کی اولاد سے ہے وہ نضر کی اولاد سے بھی ہے۔ لہٰذا قریش کی تعیین میں جو اقوال مختلف تھے وہ سب بحمد اللہ متفق ہوگئے۔

قریش کی وجہ تسمیہ

قریش ایک بحری جانور کا نام ہے جو اپنی قوت کی وجہ سے سب جانوروں پر غالب رہتا ہے۔ وہ جس جانور کو چاہتا ہے کھالیتا ہے۔ مگر اُس کو کوئی نہیں کھا سکتا۔ اسی طرح قریش بھی اپنی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے سب پر غالب رہتے ہیں کسی سے مغلوب نہیں ہوتے اس لئے قریش کے نام سے موسوم ہوئے۔ ابن نجار نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر کہا کہ قریش کا گمان یہ ہے کہ قریش میں تم ہی سب سے بڑے عالم ہو۔ بھلا قریش کی وجہ تسمیہ تو بیان کرو کہ قریش کو قریش کیوں کہتے ہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے قریش کی وجہ تسمیہ بیان فرمائی، جو ابھی نقل کی گئی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا اچھا اگر اس بارے میں کوئی شعر یاد ہو تو سناؤ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شمرخ بن عمرو حمیری کہتا ہے۔

وَقُرَيْشٌ هِيَ الَّتي تسكن الْبَحْرَ بِهَا سُمِّيَتْ قُرَيشٌ قريشاً

قریش ایک جانور ہے جو دریا میں رہتا ہے۔ اسی کے نام پر قبیلہ قریش کا نام قریش رکھ دیا گیا۔

تَاْكُلُ الْغَثَّ وَالسَّمِيْنَ وَلَا تَتْرُكُ لِذِى الْجَنَاحَيْنِ رِيشًا

وہ جانور جو پتلے دُبلے اور موٹے جانور کو کھا جاتا ہے پر تک نہیں چھوڑتا۔

هكذا فى البلادِ حى قُرَيشٍ يَاْكُلُوْنَ الْبلَادَ اَكْلاً كَمِيْشًا

اسی طرح قبیلۂ قریش شہروں کو سرعت کے ساتھ کھا جاتا ہے۔

وَلَهُمْ اٰخِرَ الزمانِ نَبِیٌّ يُكْثِرُ الْقَتْلَ فيهِمُو وَالْخَمُوْشَا

اور اسی قبیلۂ قریش میں سے اخیر زمانہ میں ایک نبی ظاہر ہوگا جو خدا کے نافرمانوں کو کثرت سے قتل کرے گا اور زخمی کرے گا[1]

حافظ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو قریش کہنے کی پندرہ وجہ تسمیہ بیان کی ہیں۔ اگر اُن کی تفصیل درکار ہو تو عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص ۴۸۶ ج ۷ باب مناقب قریش کی مراجعت فرمائیں۔

کعب: سب سے پہلے جمعہ کے دن جمع ہونے کا طریقہ کعب بن لوی نے جاری کیا۔ کعب بن لوی جمعہ کے روز لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھتے اول خدا کی حمد وثنا بیان کرتے کہ آسمان اور زمین اور چاند اور سورج یہ سب چیزیں خدا ہی کی بنائی ہوئی ہیں اور پھر پند ونصائح کرتے، صلہ رحمی کی ترغیب دیتے اور یہ فرماتے کہ میری اولاد میں ایک نبی ہونے والے ہیں اگر تم اُن کا زمانہ پاؤ تو ضرور اُن کا اتباع کرنا اور یہ شعر پڑھتے ؎

يَا لَيْتَنِى شَاهِدٌ فَحْوَاءَ دَعْوَتِه
اِذَا قُرَيْشٌ تَبْغِى الْحَقَّ خُذْلَانًا

[1] زرقانی، ج:۱، ص:۷۵ اور یہ اشعار فتح الباری ج:۶، ص ۳۸۸ مناقب قریش میں بھی مذکور ہیں۔

کاش میں اُن کے اعلان دعوت کے وقت حاضر ہوتا جس وقت قریش اُن کی اعانت سے دست کش ہوں گے۔۔

فراء اور ثعلب کہتے ہیں کہ اس سے پیشتر یوم جمعہ کو یوم العروبہ کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلے کعب بن لوی نے اس دن کا نام جمعہ رکھا، حافظ ابن کثیر نے بھی اپنی تاریخ میں کعب بن لوی کے خطبہ کا ذکر فرمایا ہے[۱] (ذکر کعب بن لوی۔)

مُرَّۃ۔ مرّ ۃ، مرارت سے مشتق ہے، جس کے معنی تلخی کے ہیں جو شخص شجاع اور بہادر ہوتا تھا۔ عرب اُس کو مرّ ہ کہا کرتے تھے کہ یہ شخص اپنے دشمنوں کے لیے بہت تلخ ہے اور مرۃ میں تا۔ تانیث کے لیے نہیں بلکہ مبالغہ کے لیے ہے بمعنی بہت تلخ۔

صدیق اکبرؓ اور حضرت طلحہؓ انہیں کی اولاد سے ہیں[۲]

کِلاب: کلاب، کلب کی جمع ہے۔ ابوالرقیش اعرابی سے کسی نے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تم لوگ اپنی اولاد کے لیے کلب (کتا) ذِئب (بھیڑیا) اس قسم کے بُرے نام اور اپنے غلاموں کے لیے مرزوق (رزق دیا ہوا) رَباح (نفع پانے والا) اس قسم کے عمدہ نام تجویز کرتے ہو؟ ابوالرقیش اعرابی نے یہ جواب دیا کہ بیٹوں کے نام دشمنوں کے لیے اور غلاموں کے نام اپنے لیے رکھتے ہیں۔ یعنی غلام تو اپنی خدمت کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ بخلاف اولاد کے کہ وہ دشمنوں سے سینہ سپر ہوکر جنگ کرتی ہے۔ اس لیے ان کے نام یہ تجویز کیے گئے تاکہ دشمن اس قسم کے نام سنتے ہی مرعوب ہوجائے۔ کلاب کا نام حکیم یا عروہ یا مہذب تھا۔ علیٰ اختلاف الاقوال۔ کلاب شکار کے بہت شائق تھے۔ شکاری کتے جمع رکھتے تھے۔ اس لیے اُن کا نام ہی کلاب پڑ گیا۔[۳]

قُصَیْ: قصی کا نام مجمع تھا۔ جو جمع سے مشتق ہے۔ قصی نے چونکہ قریش کے متفرق اور منتشت قبائل کو جمع کیا تھا اس لیے ان کو مجمع کہتے تھے۔ قریش ابتداء میں متفرق تھے اور

---

[۱] زرقانی ج:۱،ص:۷۴۔ نیز البدایۃ والنہایۃ، ج:۲،ص:۲۴۴ [۲] زرقانی ج:۱،ص:۷۴۔ [۳] فتح الباری، ج:۷، ص:۱۲۴

ایک جگہ آباد نہ تھے۔کوئی پہاڑ میں رہتا تھا،کوئی صحرا میں،کوئی وادی میں اور کوئی گھاٹی میں کوئی غار میں، قصی نے سب کو مکہ کے دامن میں جمع کیا اور سب کے رہنے کے لیے الگ الگ مکان کے لیے جگہ دی اور سب کو ایک جگہ آباد کیا اس وقت سے اُن کو مجمع پکارا جانے لگا۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

اَبُوْکُمْ قُصَیٌّ کَانَ یُدْعیٰ مُجَمّعًا
بِہٖ جَمَّعَ اللّٰہُ الْقَبَائِلَ مِنْ فِھْرِ

امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ سے راوی ہیں کہ قصی کا نام زید تھا[۱]

قصی بڑے حکیم اور دانا تھے۔اُن کے کلماتِ حکمت میں نقل کیا گیا ہے جو لئیم اور کمینہ کا اکرام کرے وہ بھی اُسکے لوم یعنی کمینہ پن میں شریک ہے جو اپنے مرتبہ سے زیادہ طلب کرے وہ مستحق محرومی ہے اور حاسد دشمن خفی ہے اور مرتے وقت اپنے بیٹوں کو یہ نصیحت کی۔

اجتنبوا الخمر فانها تصلح الا بدان و تفسد الاذهان

شراب سے پرہیز کرنا وہ بدن کو درست کرتی ہے اور ذہن کو خراب کرتی ہے۔ (کذافی السیرۃ النبویۃ لزینی ذحلان مفتی مکۃ المکرّمۃ ص۸ ج۱)

عرب میں قصی کو خاص اقتدار حاصل تھا۔تمام لوگ ان کے مطیع اور فرماں بردار تھے۔ قصی نے دارالندوہ کے نام سے مجلس مشاورت قائم کی جس میں تمام اہم امور کے مشورے ہوتے تھے۔ نکاح اور ازدواج اور جنگی مہمات کے متعلق بھی اسی مجلس میں مشورہ ہوتا تھا تجارت کے لیے جو قافلہ روانہ ہوتا وہ بھی اسی مقام سے روانہ ہوتا۔سفر سے جب واپس آتے تو اول دارالندوہ میں آکر اُترتے گویا کہ دارالندوہ عرب کا باب حکومت اور پرلیمان تھا۔ حجابت اور سقایت اور رفادۃ اور ندوہ اور لواء صرف قصی ان تمام مناصب کے منتہیٰ اور تنہا علم

---

[۱] زرقانی، ج:۱،ص:۷۳

برداراوران تمام مہم خدمتوں کے ذمہ دار تھے۔ان کے بعد یہ منصب اور عہدے مختلف قبائل پر منقسم ہوئے۔[1]

ان کے علاوہ قریش کے اور بھی منصب تھے۔جیسا کہ حافظ عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری باب مناقب قریش ص ۴۸۶ ج ۷ میں اجمالاً اُن کو شمار فرمایا ہے جن کو ہم مختصر تشریح کے ساتھ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:۔

(۱) حَجابتُ: بیت اللہ کی دربانی اور مسجد حرام کی خدمت، یہ خدمت بنی عبدالدار کے سپرد تھی جس کو حضرت عثمان بن طلحہ انجام دیتے تھے۔

(۲) سِقایتُ: حُجّاج کو زمزم کا پانی پلانا۔ یہ خدمت بنو ہاشم کے سپرد تھی۔ بنی ہاشم کی جانب سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ خدمت انجام دیتے تھے۔

(۳) رَفادت: فقراء اور مساکین، حجاج اور مسافرین کی اعانت اور امداد کرنا۔اس محکمہ میں محتاجین کی امداد کے لیے کچھ رقم جو چندہ سے حاصل کی جاتی تھی جمع رہتی تھی اس منصب پر وارث بن عامر بنی نوفل کی جانب سے مامور تھے۔

(۴) عمارت: مسجد حرام اور بیت اللہ کی حفاظت تعمیر اور مرمت۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بنی ہاشم کی جانب سے اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔

(۵) سَفارت: دو فریق کا کسی معاملہ میں مراسلت کرنا۔ یہ خدمت بنی عدی میں سے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔

(۶) ندوہ: مشورہ۔ بنی اسد میں سے یزید بن زمعۃ بن الاسود مجلس شوریٰ کے امیر تھے۔

(۷) قبّہ: بوقتِ جنگ فوج کے لیے خیموں کا انتظام کرنا۔ یہ خدمت بنی مخزوم کے سپرد تھی۔ بنی مخزوم کی جانب سے خالد بن الولید رضی اللہ عنہ اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔

(۸) لواء: علَم برداری اس کو عُقاب بھی کہتے تھے۔علم برداری بنی امیہ کے سُپرد تھی جس کو ابو سفیان اموی (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد پورا) کرتے تھے۔

---

[1] الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۱،ص:۳۹۔

(۹) اَعِنَّہ : زمانۂ جنگ یا زمانۂ گھوڑ دوڑ میں گھوڑوں اور سواروں کا انتظام کرنا۔ اس خدمت کو بھی بنی مخزوم کی جانب سے خالد بن الولید انجام دیتے تھے۔ غرض یہ کہ خالد بن الولید زمانۂ جاہلیت میں بھی امیر الحرب تھے اور خیار کم فی الجاھلیة خیار کم فی الاسلام کے پورے پورے مصداق تھے۔

(۱۰) اِشناق: قبائل کے باہمی مناقشات رفع کرنے کے لیے دیت اور تاوان کا ادا کرنا اور جس شخص میں دیت اور تاوان دینے کی مقدرت نہ ہو اس کی اعانت اور امداد کرنا۔ یہ خدمت بنی تیم میں سے ابوبکر صدیق کے سپرد تھی۔ ابوبکر جس کام کے لیے کھڑے ہو جاتے تو قریش ابوبکر کی تصدیق کرتے اور دل و جان سے اس میں اعانت اور امداد کرتے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا اگر اور کوئی کھڑا ہوتا تو پھر قریش اُس کی تصدیق نہیں کرتے تھے۔

(۱۱) اموال مُحجرہ: اموال موقوفہ جو بتوں کی نذر و نیاز کے لیے وقف کیے گئے تھے۔ بنی سہم میں سے حارث بن قیس ان اوقاف کے متولی تھے۔

(۱۲) ایسار و ازلام: تیروں سے فال نکالنا کہ اس وقت سفر کرنا مبارک ہے یا منحوس۔ بنی خزرج میں سے صفوان بن امیہ محکمۂ فال کے مہتمم تھے۔

عبد مناف: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عبد مناف کا نام مغیرہ تھا۔ بہت حسین و جمیل تھے۔ اسی وجہ سے ان کو قمر البطحا بھی کہتے تھے۔[۱]

موسیٰ بن عقبہ روایت کرتے ہیں کہ بعض پتھروں پر یہ لکھا ہوا پایا گیا۔

انا المغیرة بنُ قصی آمر بتقوی الله وصلة الرحم[۲]	میں مغیرہ قصی کا بیٹا اللہ کے تقویٰ اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہوں۔

ھَاشِمْ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہاشم کا نام عمرو تھا۔ مکہ میں قحط تھا۔ ہاشم نے شوربہ میں روٹیاں چور کر اہل مکہ کو کھلائیں۔ اس لیے ان کا نام ہاشم ہو گیا۔ ہشم کے معنی چُورہ کرنے کے ہیں ہاشم اسی کا اسم فاعل ہے۔

---

[۱] زرقانی، ج:۱، ص:۷۷، روض الانف، ج:۱، ص:۶ [۲] زرقانی، ج:۱، ص:۷۷

عمر والعلا ھشم الثرید لقومہٖ
ورجال مکۃ مُسْنتون عجاف

''عمرو بلند مرتبہ نے اپنی قوم اور تمام اہل مکہ کو ثرید بنا کر کھلایا اور مکہ کے لوگ قحط کی وجہ سے لاغر اور ناتواں تھے'' ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار اہل مکہ کو اس طرح سے کھلایا نہایت سخی تھے۔ دستر خوان بہت وسیع تھا۔ ہر وارد و صادر کے لیے ان کا دستر خوان حاضر تھا۔ غریب مسافروں کو سفر کرنے کے لیے اونٹ عطا فرماتے تھے۔ نہایت حسین و جمیل تھے۔ نورِ نبوت آپ کی پیشانی پر چمکتا تھا۔ علماء بنی اسرائیل جب آپ کو دیکھتے تو سجدہ کرتے اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔

قبائل عرب اور علماء بنی اسرائیل نکاح کے لیے اپنی لڑکیاں ہاشم پر پیش کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ ہرقل شاہ روم نے ہاشم کو خط لکھا کہ مجھ کو آپ کے جود و کرم کی اطلاع پہنچی ہے۔ میں اپنی شہزادی کو، جو حسن و جمال میں یگانہ روزگار ہے۔ آپ کی زوجیت میں دینا چاہتا ہوں۔ آپ یہاں آجائیں تاکہ آپ سے شہزادی کا نکاح کردوں۔ ہاشم نے شہزادی کے نکاح سے انکار کر دیا۔ شاہ روم کا مقصدِ اصلی یہ تھا کہ وہ نورِ نبوت جو ہاشم کی پیشانی پر چمک رہا ہے اس کو اپنے گھرانے میں منتقل کرلے کہا جاتا ہے کہ وفات کے وقت ہاشم کا سن ۲۵ سال کا تھا۔[1]

ہاشم ہی نے سب سے پہلے قریش میں دستور جاری کیا کہ سال میں دو مرتبہ تجارت کے لیے قافلہ روانہ ہوا کرے۔ موسم گرما میں شام کی طرف اور موسم سرما میں یمن کی طرف۔ اسی دستور کے مطابق ہر موسم میں قافلہ روانہ ہوتا۔ لق و دق بیابانوں اور خشک ریگستانوں اور بر و بحر کو قطع کرتا ہوا موسم سرما میں یمن اور حبشہ تک پہنچتا۔ نجاشی شاہ حبشہ ہاشم کی بہت مدارات کرتا اور ہدایا پیش کرتا اور موسم گرما میں شام اور غزہ اور انقرہ (انگورہ جو اُس وقت قیصرِ روم کا پایۂ تخت تھا) تک پہنچتا۔ قیصر روم بھی ہاشم کے ساتھ نہایت احترام کے ساتھ پیش آتا اور نذرانہ بھی پیش کرتا۔ (طبقات ابن سعد ص ۴۳ ج:۱) ایک شاعر کہتا ہے۔

---

[1] زرقانی ج:۱، ص:۷۲

سَفَرَیْنِ سَنَّهَالَهٗ وَ لِقَوْمِهٖ
سَفَرَ الشِّتَآءِ وَرِحْلَةَ الاَصْيَافِ

(ہاشم نے اپنی قوم کے لیے دوسفروں کا طریقہ جاری کیا ایک سفر سردی کا اور دوسرا گرمی کا (معالم التنزیل) اور ہاشم نے حکومتِ یمن اور حکومت روم سے قریش کے کاروان تجارت کی حمایت اور حفاظت کا حکم حاصل کیا۔ عرب کے راستے عموماً چونکہ لوٹ اور غارت سے مامون نہ تھے۔ اس لیے ہاشم نے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ ہم تمہاری ضرورتیں بہم پہنچایا کریں گے اور تم ہمارے قافلہ کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچانا۔ (طبقات ابن سعد ص۴۵ ج۱) ہاشم کی اس حُسن تدبیر کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام راستے مامون ہو گئے۔ حق جل شانہ نے اپنے کلام میں قریش کو یہ انعام یاد دلایا ہے۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ○ اِلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ○ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ○ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ○ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ○[1]	چونکہ قریش اللہ کی رحمت سے موسمِ سرما و گرما کے سفر کے عادی ہو گئے اس لیے اُن کو نعمت کے شکریہ میں اس خدا کی عبادت کرنی چاہئے جو اس گھر کا مالک ہے اور اس نے ان کو بھوک سے کھانے کو دیا اور خوف سے امن دیا۔

جب ایامِ حج آتے تو ہاشم تمام حجاج کو گوشت اور روٹی اور ستو اور کھجور یہ چیزیں کھلاتے اور زمزم کا پانی پلاتے منیٰ اور مزدلفہ اور عرفات میں بھی اسی طرح کھانے اور پینے کا انتظام فرماتے۔

امیہ بن عبد شمس کو ہاشم کا یہ جود و کرم اور تمام عرب میں ان کا یہ اقتدار بہت شاق اور گراں تھا۔ امیہ نے بھی اس کی کوشش کی کہ ہاشم کی طرح لوگوں کو کھلائے۔ مگر امیہ باوجود ثروت اور دولت کے ہاشم کا مقابلہ نہ کر سکا۔

بنی ہاشم[2] سے بنی امیہ کی عداوت کا سلسلہ اول یہیں سے شروع ہوا۔

ایک بار ہاشم قافلۂ تجارت کے ساتھ سفر کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں مدینہ منورہ

---

[1] القریش آیۃ: ۱-۴۔ [2] فی ہذہ الترجمۃ اشارۃ الی ان ابتداء العداوۃ من بنی امیۃ لا من بنی ہاشم۔

ٹھہرے۔ وہاں بازار میں ایک عورت پر نظر پڑی۔ حسین وجمیل ہونے کے علاوہ شرافت ونجابت، فہم اور فراست اس کے چہرہ سے نمایاں تھی۔ ہاشم نے دریافت کیا یہ عورت کسی کی منکوحہ ہے یا نا کتخدا ہے۔ معلوم ہوا کہ اصیحہ بن جلاح کی منکوحہ تھی جس سے عمر اور معبد یہ دو لڑکے پیدا ہوئے۔ بعد میں اصیحہ نے اس کو طلاق دے دی۔

ہاشم نے اس سے نکاح کا پیام دیا۔ ہاشم کی نسبی اور ذاتی مکارم کی وجہ سے اس نے اس پیام کو قبول کیا اور نکاح ہوگیا۔ اُس عورت کا نام سلمیٰ بنت عمرو تھا جو قبیلہ بنی النجار سے تھی۔ نکاح کے بعد ہاشم نے ایک دعوت دی جس میں تمام قافلہ والے شریک تھے اور کچھ لوگ قبیلہ خزرج کے بھی مدعو تھے۔

ہاشم نے نکاح کے بعد کچھ روز مدینہ میں قیام کیا۔ سلمیٰ کو حمل ہوگیا جس سے عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ جس وقت پیدا ہوئے تو سر میں ایک بال سفید تھا۔ اس لیے شیبہ نام رکھا گیا۔ ہاشم قافلہ کے ساتھ غزہ کی جانب روانہ ہوئے۔ غزہ پہنچ کر ہاشم کا انتقال ہوگیا۔ وہیں مدفون ہوئے۔[1]

عبدالمطلب: عبدالمطلب کا نام شیبۃ الحمد تھا۔ نہایت حسین وجمیل تھے شاعر کہتا ہے۔

عَلےٰ شَیْبَۃ الْحَمد الذیْ کان وجھُہٗ
یُضِیْئُ ظِلام اللّیْل کالقَمر البدری

(چودھویں رات کے چاند کی طرف شیبۃ الحمد کا چہرہ رات کی تاریکی کو روشن کرتا تھا) (زرقانی ص ۷۱ ج ۱)

عبدالمطلب کے لفظی معنی ''مطلب کا غلام'' ہیں۔ ہاشم کے انتقال کے بعد عبدالمطلب کی والدہ ایک عرصہ تک مدینہ منورہ میں اپنے میکہ بنی خزرج ہی میں مقیم رہیں۔ جب عبدالمطلب ذرا بڑے ہوگئے تو ان کے چچا مطلب ان کے لینے کے لیے مکہ سے مدینہ آئے۔ جب اُن کو لے کر واپس ہوئے تو مکہ میں داخل ہوتے وقت عبدالمطلب اپنے چچا مطلب کے پیچھے اونٹ پر سوار تھے۔ شیبہ کے کپڑے میلے کچیلے اور گرد آلود تھے چہرہ سے یتیمی

[1] الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۱، ص:۴۵، ۴۶۔

ٹپکتی تھی۔ لوگوں نے مطلب سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے۔ مطلب نے حیا کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ یہ میرا غلام ہے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ بھتیجا ایسے میلے کپڑوں میں کیوں ہے۔ اس لیے عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہو گئے۔ مطلب نے مکہ پہنچ کر بھتیجے کو عمدہ لباس پہنایا اور اس وقت ظاہر کیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔[1]

ابن سعد، طبقات میں روایت کرتے ہیں کہ عبدالمطلب تمام قریش میں سب سے زیادہ حسین و جمیل اور سب سے زیادہ قوی اور جسیم اور سب سے زیادہ بُردبار اور حلیم اور سب سے زیادہ سخی اور کریم اور سب سے زیادہ شر اور فتنہ سے دُور بھاگنے والے تھے اور قریش کے مسلم سردار تھے۔[2]

عبدالمطلب کا جود و کرم اپنے باپ ہاشم سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ عبدالمطلب کی مہمان نوازی انسانوں سے گذر کر چرند اور پرند تک پہنچ گئی تھی۔ اسی وجہ سے عرب کے لوگ اُن کو فیاض اور مطعم طیر السماء (آسمان کے پرندوں کو کھانا کھلانے والا) کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ شراب کو اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا۔ جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو خاص طور سے فقراء اور مساکین کو کھانا کھلاتے۔ غارِ حرا میں سب سے پہلے خلوت و عزلت عبدالمطلب ہی نے کی۔[3]

چاہِ زم زم اور عبدالمطلب کا خواب

قبیلۂ جرہم کا اصلی وطن یمن تھا۔ مشیتِ ایزدی سے یمن میں قحط پڑا۔ اس وجہ سے بنی جرہم معاش کی تلاش میں نکلے۔ اتفاق سے اثناء راہ میں اسمٰعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ سے چاہِ زم زم کے قریب ملاقات ہوگئی۔ بنو جرہم کو یہ جگہ پسند آئی اور اسی جگہ قیام پذیر ہو گئے اور پھر بعد چندے اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی اسی قبیلہ میں ہوئی اور نبی ہونے کے بعد عمالقہ اور جرہم اور اہلِ یمن کی طرف مبعوث ہوئے۔ ایک سو سینتیس سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ حطیم میں اپنی ماجدہ کے قریب مدفون ہوئے اسمٰعیل علیہ السلام کے وصال کے بعد حسبِ وصیت اُن کے بیٹے قیدار، خانہ کعبہ کے متولی ہوئے۔ اسی طرح بنو

---

[1] فتح الباری، ج ۷ ص: ۱۲۴ [2] الطبقات الکبریٰ، ج: ۱ ص: ۵۱ [3] زرقانی، ج: ۱ ص: ۷۱

اسمٰعیل خانہ کعبہ کے متولی ہوتے رہے۔ مرورِ زمانہ کے بعد اسمٰعیل اور بنو جرہم میں منازعت اور مخاصمت کی نوبت آئی۔ بالآخر بنی جرہم غالب آ گئے اور مکہ میں جرہم کی حکومت قائم ہو گئی۔ چندروز کے بعد جرہم کے حکام لوگوں پر ظلم وستم ڈھانے لگے۔ یہاں تک ظلم کیا کہ اولادِ اسمٰعیل مکہ کے اطراف و جوانب میں آباد ہو گئی۔ جرہم کا جب ظلم وستم وفسق و فجور اور بیت اللہ کی بے حرمتی حد سے گذر گئی تو ہر طرف سے قبائل عرب مقابلہ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ مجبوراً قبیلۂ جرہم کو مکہ سے نکلنا اور بھاگنا پڑا لیکن جس وقت مکہ سے نکلنے لگے تو خانہ کعبہ کی چیزوں کو بیئرِ زم زم میں دفن کر گئے اور بیئر زمزم کو اس طرح بند کر گئے کہ زمین کے ہموار ہو گیا اور زمزم کا نشان بھی نہ رہا۔ بنی جرہم کے چلے جانے کے بعد بنی اسمٰعیل مکہ میں واپس آ گئے اور آباد ہو گئے۔ مگر بیئر زمزم کی طرف کسی نے کوئی توجہ نہ کی۔ مرورِ زمانہ سے اس کا نام ونشان بھی نہ رہا۔ یہاں تک کہ جب مکہ کی حکومت اور سرداری عبدالمطلب کے قبضہ میں آئی اور ارادۂ خداوندی اس جانب متوجہ ہوا کہ چاہ زمزم جو عرصہ سے بند اور بے نام ونشان پڑا ہے۔ اس کو ظاہر کیا جائے تو رؤیائے صالحہ یعنی سچے خواب کے ذریعہ سے عبدالمطلب کو اس جگہ کے کھودنے کا حکم دیا گیا اور اس جگہ کے نشانات اور علامات خواب میں بتلائے گئے۔ چنانچہ عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں حطیم میں سو رہا تھا کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا اور مجھ سے خواب میں یہ کہا اِحْفِرْ بَرَّۃَ برہ کو کھودو۔ میں نے دریافت کیا وَمَا بَرَّۃ برہ کیا ہے؟ تو وہ شخص چلا گیا۔ اگلے روز پھر اسی جگہ سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ وہ شخص یہ کہہ رہا ہے اِحفر المَضْنُونَۃَ مضنونہ کو کھودو۔ میں نے دریافت کیا وما المضنونۃ مضنونہ کیا ہے؟ تو وہ شخص چلا گیا۔ تیسرے روز پھر اسی جگہ خواب میں دیکھا کہ وہ شخص یہ کہہ رہا ہے اِحْفِرْ طیبۃ طیبہ کو کھودو۔ میں نے کہا وما طیبۃ طیبہ کیا ہے؟ تو وہ شخص چلا گیا۔ چوتھے روز پھر اسی جگہ یہ خواب دیکھا کہ وہ شخص یہ کہتا ہے اِحْفِرْ زمزم [1] زمزم کو کھودو۔ میں نے کہا وما زمزم زمزم کیا ہے؟ اس نے جواب دیا:۔

---

[1] طیبہ اور مضنونہ اور برہ یہ سب زمزم کے القاب اور اوصاف ہیں۔ طیبہ کے معنی پاکیزہ اور برہ کے معنی وسیع اور کشادہ کے ہیں اور مضنونہ کے معنی قابل بخل کے ہیں۔ نفیس چیز میں انسان بخل سے کام لیتا ہے۔ سو زمزم کا پانی نہایت پاکیزہ اور کثیر اور وسیع بھی ہے اور نہایت نفیس ہے۔ کافر اور منافق کو دینے میں بخل چاہئے۔ یہ پانی مومن کے مناسب ہے، کافر اور منافق کے مناسب نہیں۔

لا تَنْزِفُ اَبَدًا ولا تُذَمّ تسقی الحجیج الاعظم	وہ پانی کا ایک کنواں ہے کہ جس کا پانی نہ کبھی ٹوٹتا ہے اور نہ کبھی کم ہوتا ہے بے شمار حجاج کو سیراب کرتا ہے۔

اور پھر اُس جگہ کے کچھ نشانات اور علامات بتلائے کہ اس جگہ کو کھودو۔ اس طرح بار بار دیکھنے اور نشانات کے بتلانے سے عبدالمطلب کو یقین ہوگیا کہ یہ سچا خواب ہے یعنی رؤیائے صادقہ ہے۔

عبدالمطلب نے قریش سے اپنا خواب ذکر کیا اور کہا کہ میرا ارادہ اس جگہ کو کھودنے کا ہے۔ قریش نے کھودنے کی مخالفت کی مگر عبدالمطلب نے مخالفت کی کوئی پروا نہیں کی اور کدال اور پھاوڑہ لے کر اپنے بیٹے حارث کے ساتھ اس جگہ پہنچ گئے اور نشان کے مطابق کھودنا شروع کر دیا۔ عبدالمطلب کھودتے جاتے تھے اور حارث مٹی اُٹھا اُٹھا کر پھینکتے جاتے تھے۔ تین روز کے بعد ایک من ظاہر ہوئی۔ عبدالمطلب نے فرطِ مسرت سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور یہ کہا:۔

هذا طوی اسمٰعیل	یہی اسمٰعیل علیہ السلام کا کنواں ہے

اس کے بعد عبدالمطلب نے چاہ زمزم کے قریب کچھ حوض تیار کرائے جن میں آبِ زمزم بھر کر حاجیوں کو پلاتے چند حاسدوں نے یہ شرارت شروع کی کہ شب میں اُن حوضوں کو خراب کر جاتے۔ جب صبح ہوتی تو عبدالمطلب اُن کو درست کرتے۔ بالآخر گھبرا کر اس بارے میں اللہ سے دُعا مانگی۔ اُس وقت اُن کو خواب میں یہ بتلایا گیا کہ تم یہ دعا مانگو۔

اللّٰهُمّ انی لا اُحلّها لمغتسِل ولکن هی لشارب حِلّ	اے اللہ میں اس زمزم سے لوگوں کو غسل کرنے کی اجازت نہیں دیتا صرف پینے کی اجازت ہے۔

صبح اُٹھتے ہی عبدالمطلب نے اس کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد جس کسی نے حوض کے خراب کرنے کا ارادہ کیا وہ ضرور کسی بیماری میں مبتلا ہوا۔ جب بار بار اس قسم کے واقعات ظہور پذیر ہوئے تو حاسدوں نے عبدالمطلب کے حوضوں سے تعرض کرنا چھوڑ دیا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل طبقات ابن سعد ص ۴۹، ۵۰ اور خصائص کبری ص ۴۳ و ص ۴۴ ج ۱۔ اور زرقانی ص ۹۴ ج ۱ اور البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ص ۲۴۴ ج ۲ پر مذکور ہے۔

عبدالمطلب کی نذر

چاہ زمزم کے کھودتے وقت عبدالمطلب کا سوائے اکلوتے بیٹے حارث کے اور کوئی یارو مددگار نہ تھا۔ اس لیے منت مانی کہ اگر حق تعالیٰ مجھ کو دس بیٹے عطا فرمائے جو جوان ہو کر میرے دست و بازو بنیں تو ایک فرزند کو اللہ کے نام پر ذبح کروں گا۔

جب اللہ نے اُن کی یہ تمنا اور آرزو پوری کی اور دس بیٹے پورے ہو گئے تو ایک رات خانہ کعبہ کے سامنے سو رہے تھے تو خواب میں یہ دیکھا کہ ایک شخص یہ کہہ رہا ہے:۔

یا عبدالمطلب اوف بنذرك لرب هذا البيت ۔ اے عبدالمطلب اس نذر کو پورا کیجیے جو آپ نے اس گھر کے مالک کے لیے مانی تھی۔

عبدالمطلب خواب سے بیدار ہوئے اور سب بیٹوں کو جمع کیا اور اپنی نذر اور خواب کی خبر دی سب نے ایک زبان ہو کر یہ کہا:۔

اوف بنذرك و افعل ما شئت ۔ آپ اپنی نذر پوری کریں اور جو چاہیں کریں۔

عبدالمطلب نے سب بیٹوں کے نام پر قرعہ ڈالا۔ حسنِ اتفاق سے قرعہ حضرت عبداللہ کے نام پر نکلا جن کو عبدالمطلب سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر مذبح یعنی قربان گاہ کی طرف چلے اور چھری ساتھ تھی۔ حضرت عبداللہ کی بہنیں یہ دیکھ کر رونے لگیں اور ان میں سے ایک بہن نے یہ کہا کہ اے باپ آپ دس اونٹوں اور عبداللہ میں قرعہ ڈال کر دیکھئے اگر قرعہ اونٹوں کے نام پر نکل آئے تو دس اونٹوں کی قربانی کر دیجیے اور ہمارے بھائی عبداللہ کو چھوڑ دیجیے اور اُس وقت دس اونٹ ایک آدمی کی دیت اور خون بہا ہوتے تھے۔ قرعہ جو ڈالا گیا تو اتفاق سے حضرت عبداللہ کے ہی نام پر نکلا۔ عبدالمطلب دس دس اُونٹ زیادہ کر کے قرعہ ڈالتے جاتے تھے مگر قرعہ عبداللہ ہی کے نام پر نکلتا تھا۔

یہاں تک کہ سو اونٹ پورے کر کے قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلا۔ اس وقت عبدالمطلب اور تمام حاضرین نے اللہ اکبر کہا۔ بہنیں اپنے بھائی عبداللہ کو اُٹھا لائیں اور عبدالمطلب نے وہ سو اونٹ صفا اور مروہ کے مابین نحر کیے۔[1]

---

[1] البدایہ والنہایہ، ج:۲، ص:۲۴۴

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اول دیت کی مقدار دس اُونٹ تھی۔ سب سے پہلے عبدالمطلب نے قریش اور تمام عرب میں یہ سنّت جاری کی کہ ایک آدمی کی دیت سو اُونٹ ہیں اور نبی کریم ﷺ نے بھی اسی کو برقرار رکھا۔ اسی واقعہ کے بعد سے حضرت عبداللہ ذبیح کے لقب سے موسوم ہوئے اور اسی وجہ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ابن الذبیحین کہتے ہیں یعنی دو ذبیح کے فرزند۔

حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بار آں حضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا اور آپ کو ان لفظوں سے خطاب کیا ''یا ابن الذبیحین'' آپؐ نے تبسم فرمایا۔ حضرت معاویہؓ جب اس حدیث کی روایت سے فارغ ہوئے تو حاضرین میں سے کسی نے دریافت کیا کہ وہ دو ذبیح کون ہیں؟ تو حضرت معاویہؓ نے حضرت عبداللہ کا یہ واقعہ بیان کر کے کہا کہ ایک عبداللہ اور دوسرے حضرت اسمٰعیل (رواہ الحاکم وابن جریر)[1]

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ قریش جب قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو عبدالمطلب کو ثبیر پہاڑ پر لے جاتے اُن کی برکت سے بارانِ رحمت کی دُعا کرتے اور بارہا ایسا ہوا کہ قریش کی مشکلات عبدالمطلب کی برکت سے حل ہوئیں۔

ان کی شان عام اہلِ عرب سے بالکل جدا تھی۔ اپنی اولاد کو ظلم اور فساد سے منع کرتے اور مکارم اخلاق کی ترغیب دیتے۔ حقیر اور دنی امور سے روکتے۔

عبدالمطلب نذر کے پورا کرنے کی تاکید فرماتے اور محارم (مثلاً بہن اور پھوپھی اور خالہ وغیرہ) سے نکاح کرنے کو منع کرتے۔ شراب اور زنا اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے اور بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنے سے لوگوں کو روکتے۔ چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتے (زرقانی ص ۸۲ ج ۱) اور یہ وہ امور ہیں کہ قرآن وحدیث میں جن کی تصدیق اور تاکید اور تاکید مذکور ہے چنانچہ سیرت حلبیہ میں ابن جوزی سے منقول ہے کہ عبدالمطلب سے جو امور منقول ہیں ان میں سے اکثر کا قرآن وحدیث میں حکم آیا ہے۔ مثلاً نذر کا پورا کرنا۔ نکاح محارم کی حرمت، چور کا ہاتھ کاٹنا، لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کی ممانعت، شراب اور زنا کی حرمت۔ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنے کی ممانعت۔ انتہیٰ۔ ان واقعات اور حالات کے پڑھنے کے بعد

---

[1] الخصائص الکبریٰ ج:۱، ص:۴۵۔

یہ بات بخوبی منکشف ہو جاتی ہے کہ جس قدر زمانۂ نبوت قریب ہوتا جاتا ہے اسی قدر مکارم اخلاق اور محاسن آداب، انوار و برکات اور خوارق عادات کا ظہور بڑھتا جاتا ہے۔ خصوصاً عبدالمطلب کے سوانح زندگی میں جابجا رویائے صالحہ (سچا خواب) جو کہ نبوّت کا مبدأ اور آغاز ہے نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ عبدالمطلب کو جب کبھی کوئی واقعہ پیش آتا تو رؤیائے صالحہ اور الہامات سے ان کی رہبری اور رہنمائی کی جاتی۔

صحیح مسلم میں واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کو منتخب فرمایا اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو منتخب اور برگزیدہ فرمایا۔ ابن سعد کی ایک مرسل روایت میں اس قدر اور اضافہ ہے کہ بنی ہاشم میں سے عبدالمطلب کو پسند فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ کو حاشا اس بیان سے کسی قسم کا تفاخر مقصود نہیں بلکہ حقیقتِ حال کو واضح کرنا مقصود ہے تا کہ لوگ ان کی منزلت اور مرتبہ سے واقف ہوں اور حق جل شانہ کی ایک نعمت کی تحدیث اور اس کا اظہار مطلوب ہے کہ اس رب العالمین کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھ کو ایک برگزیدہ اور پسندیدہ خاندان سے مبعوث فرمایا۔

تفاخر اس کا نام ہے کہ اپنی بڑائی ہو اور دوسرے کی بُرائی۔ اپنی تعظیم اور دوسرے کی تذلیل۔ اظہارِ حقیقت کا نام تفاخر نہیں۔ اس کے علاوہ انبیاء اور اولیاء میں یہ فرق ہے کہ اولیاء پر اپنے کسی کمال کا اظہار بھی واجب اور لازم نہیں حتّٰی کہ ولی پر اپنی ولایت کا اعلان بھی ضروری نہیں اِلّا یہ کہ کسی وقت کوئی دینی مصلحت اس اعلان کے لیے داعی ہو۔ بخلاف نبی کے کہ اُس پر من جانب اللہ یہ فرض ہے کہ وہ اپنی نبوت و رسالت کی طرح اپنے خدا داد کمالات کا بھی اعلان کرے تا کہ اُمّت اس کے مرتبہ سے واقف ہو اور اُن کے کمالات سے مستفید ہو اور اُس کی ذات ستودہ صفات میں کسی کو کسی قسم کا کوئی شک و تردُّد نہ ہو جو خدانخواستہ کسی بدنصیب کے لیے تخریبِ ایمان کا باعث بنے اور تا کہ جس طرح سے اُس کی نبوّت و رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح اُس کے مصطفیٰ اور مجتبیٰ اور ہر حیثیت سے پسندیدہ اور برگزیدہ ہونے پر بھی ایمان لائیں اور اسی وجہ سے حدیث میں ہے:۔

اَنَا سَیِّدُ وُلدِ اٰدم ولا فخرَ	میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور بطور فخر نہیں کہتا۔

بلکہ بطور تبلیغ کہتا ہوں کہ اللہ کا حکم ہے:۔

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ [۱]	اے رسول تم اُس چیز کو لوگوں تک ضرور پہنچاؤ جو اللہ کی طرف سے تم پر اتاری گئی ہے اور اگر بالفرض تم ایسا نہ کرو تو تم سمجھ لو کہ تم نے خدا کا پیام نہیں پہنچایا۔

مقصد یہ ہے کہ میں اس حکم کی تعمیل کے لیے نبوت و رسالت کی طرح اپنی سیادت کا اعلان کرتا ہوں حاشا مباہات اور تفاخر مقصود نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ میں نے مشرق سے لے کر مغرب تک تمام زمین کو چھان ڈالا مگر بنی ہاشم سے افضل اور بہتر کسی کو نہ پایا۔ اس حدیث کو امام طبرانی اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث پر صحت کی علامات اور آثار بالکل نمایاں اور ظاہر ہیں۔ حکیم ترمذی فرماتے ہیں کہ جبرئیل امین نے پاک نفوس کی تلاش میں زمین کا چکر لگایا مگر زمانہ چونکہ جاہلیت کا تھا اس لیے جبرئیل نے ظاہری افعال واعمال پر نظر نہ کی بلکہ فطرت اور استعداد پر نظر کی۔ اس اعتبار سے عموماً عرب اور خاص بنی ہاشم سے کسی کو افضل نہ پایا۔[۲] اس زمانہ میں عرب کو تمام اقوامِ عالم پر چند وجوہ سے ایسا تفوق اور امتیاز حاصل تھا کہ کوئی قوم ان کی ہم پلہ اور ہم سر نہ تھی۔

(۱) حَسَب وَنَسَب: عربوں میں نسب دانی کا اس درجہ اہتمام تھا کہ انسانوں سے گذر کر گھوڑوں کے نسب نامے بھی یاد رکھے جاتے تھے۔ یہ بھی یاد رکھا جاتا تھا کہ کون آزاد عورت کے بطن سے ہے اور کون باندی کے بطن سے ہے اور کس نے شریف عورت کا دودھ پیا ہے اور کس نے رذیلہ کا۔ جیسا کہ سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے انا ابن

---

۱ المائدہ، آیۃ ۶۷ ۲ زرقانی، ج:۱، ص:۶۸

الاکوع والیوم یوم الرضع (میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج معلوم ہو جائے گا کہ کس نے حُرہ (آزاد اور شریف عورت) کا دودھ پیا ہے اور کس نے باندی کا) ایک جاہلی شاعر کہتا ہے۔

لو کنتُ مِن مَازن لم تستبحُ اِبلی
بنو اللّقیطةِ مِنْ ذُھل بن شَیبانا

(اگر میں قبیلۂ مازن سے ہوتا تو ایک سڑک پر سے اٹھائی ہوئی عورت کے بیٹے جو قبیلہ ذہل بن شیبان کی طرف منسوب ہیں ہرگز میرے اونٹ نہ پکڑ سکتے) بغرض تحقیر ان کو بنواللقیطہ سے تعبیر کیا کہ وہ کسی شریف عورت کے بیٹے نہیں بلکہ سڑک پر سے اُٹھائی ہوئی عورت کے بیٹے ہیں۔

(۲) شجاعت: بہادری اور شجاعت کا یہ حال تھا کہ جس وقت سارا عالم قیصر و کسریٰ کا محکوم اور غلام بنا ہوا تھا۔ عرب اُس وقت باوجود اپنی بے سروسامانی کے کسی کا محکوم نہ تھا۔ جرأت کا یہ حال تھا کہ عرب کا ایک ادنیٰ فقیر بات کرتے وقت کسی بڑے بادشاہ سے بھی مرعوب نہ ہوتا تھا۔

(۳) سخاوت و ایثار: سخاوت کا یہ حال تھا کہ ایک مہمان کی خاطر سالم اونٹ ذبح کر ڈالتے تھے۔ خود بھوکے رہنا گوارا مگر مہمان کا بھوکا رہنا ناممکن۔

(۴) قوتِ حافظہ اور ذکاوت: عرب کے حافظہ اور ذکاوت کا تو چار دانگ عالم میں ڈنکا ہے۔ سو سو شعر کا قصیدہ ایک ہی مرتبہ سُن کر یاد ہو جاتا تھا۔

(۵) غیرت وحمیت: غیرت وحمیت کا یہ حال تھا کہ اپنی یا اپنے قبیلہ کی ادنی بے حرمتی پر جان و مال کو پانی کی طرح بہا ڈالتے تھے۔ آپس کے جنگ وجدال اکثر و بیشتر اسی وجہ سے ہوتے تھے۔

(۶) فصاحت و بلاغت: فصاحت و بلاغت میں کوئی زبان عربی زبان کی پاسنگ بھی نہیں بلکہ اول تو کسی زبان میں علم بلاغت پر مستقل کتابیں نہیں اگر کچھ ہیں تو وہ سب عربی زبان کی کتابوں سے ماخوذ اور مسروق ہیں۔ دستِ قدرت نے ان کی جبلّت اور فطرت میں یہ اخلاق و ملکات اور یہ جواہر کمالات ودیعت رکھے تھے مگر جہل اور نادانی کی وجہ سے بے محل صرف ہو رہے تھے۔ لیکن انہیں اخلاق اور ملکات کا جب تعلیم ربّانی اور تلقین رحمانی سے رُخ بدل گیا تو

یہی جاہل قوم جو عملاً درندوں سے بھی بدتر تھی وہ ملائک سے بھی افضل اور بہتر ہوگئی اور یہی قوم جو قتل و غارت گری میں مبتلا تھی۔ جب راہِ خدا میں جانبازی اور سرفروشی کے لیے کھڑی ہوگئی تو آسمان کے فرشتے سفید یا زرد یا سیاہ عمامے باندھ کر ان کی نصرت و اعانت اور ان کے دشمنوں سے جہاد و قتال کے لئے حاضر ہوگئے۔ بہرحال عرب کے لوگ اگرچہ افعال و اعمال کے لحاظ سے فی الحال اچھے نہ تھے مگر اخلاق[1] اور ملکات اور استعداد اور فطرت کے لحاظ سے نہایت پسندیدہ تھے اعمال کی اصلاح سہل ہے مگر اخلاق اور فطرت اور جبلت کا بدلنا ناممکن ہے۔ اس لئے حق جل شانہ نے اپنی نبوت و رسالت کے لئے اس خاندان کو منتخب فرمایا تا کہ اس قوم سے جو نبی پیدا ہو وہ کامل الاخلاق، سلیم الفطرت اور صحیح الجبلت ہو اس لئے کہ نبی کے لئے کامل الاخلاق ہونا ضروری و لازمی ہے تا کہ وہ دوسروں کی اصلاح کر سکے۔

عبداللہ: حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ آپ کے والد ماجد کا نام ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔[2]

یہ وہ نام ہے کہ جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ دو نام محبوب ہیں، ایک عبداللہ اور دوسرا عبدالرحمٰن (رواہ مسلم) اس لیے کہ لفظ اَللّٰہ اسم اعظم ہے جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جس کو امام طحاوی نے مشکل الآثار ص ۶۳ ج ۱ میں اپنی سند سے بیان کیا ہے۔

اسم اعظم ہست اللہ العظیم جانِ جان و محیی اعظم رمیم

تمام اسماء حسنیٰ اسم جلالہ کے تابع ہیں اسم اللہ کے بعد اسم رحمٰن کا مرتبہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حق جل شانہ کا یہ ارشاد اس طرف مشیر ہے **قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰن** (آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو) اس وجہ سے یہ دو نام سب سے زیادہ محبوب ہوئے اوّل عبداللہ جو اسم اعظم کی طرف مضاف ہے اور دوسرا عبدالرحمٰن جو اسم رحمٰن کی طرف مضاف ہے جس کا مرتبہ اسم اعظم کے بعد ہے عجب نہیں کہ حضرت عبداللہ کی ولادت کے

---

[1] قال الحافظ ابن تیمیہ لیس فضل العرب فقریش فبنی ہاشم بمجرد کون النبی ﷺ منہم وان کان ہذا من الفضل بل ہم فی انفسہم افضل ای باعتبار الاخلاق الکرام والخصال الحمیدۃ واللسان العربی وبذلک یثبت للنبی ﷺ انہ افضل نفسا ونسبا والا لزم الدور ۱۲ زرقانی ص ۲۹ ج ۱

[2] فتح الباری، ج: ۷، ص: ۱۲۴

وقت عبدالمطلب کے دل میں خاص طور پر من جانب اللہ یہ القاء کیا گیا ہو کہ اس فرزند ارجمند کا نام تو ایسا رکھیو جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت عبداللہ کا حضرۃ آمنہ سے نکاح

عبدالمطلب جب عبداللہ کے فدیہ سے فارغ ہوئے تو شادی کی فکر دامنگیر ہوئی قبیلہ بنی زہرہ جو شرافت نسبی میں ممتاز تھا۔ اس میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی سے جن کا نام آمنہ تھا اور اپنے چچا وہیب بن عبد مناف کی زیر تربیت تھیں ان سے حضرت عبداللہ کے نکاح کا پیام دیا اور خود وُہیب (حضرت آمنہ کے چچا) کی صاحبزادی جن کا نام ہالہ تھا ان سے عبدالمطلب نے خود اپنے نکاح کا پیام دیا۔ ایک ہی مجلس میں دونوں نکاح پڑھے گئے۔ حضرت حمزہ انہی کے بطن سے ہیں جو رشتہ میں چچا بھی ہیں اور رضاعی بھائی بھی۔[1]

ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب عبدالمطلب اپنے فرزند عبداللہ کو نکاح کے لئے لے کر چلے تو راستہ میں ایک یہودی عورت پر گذر ہوا جس کا نام فاطمہ بنت مُرّ تھا اور توریت وانجیل وغیرہ سے بخوبی واقف تھی حضرت عبداللہ کے چہرے میں نور نبوّت دیکھ کر اپنی طرف بلایا اور یہ کہا میں تجھ کو سو اونٹ نذر کروں گی حضرت عبداللہ نے جواب میں یہ اشعار پڑھے۔

اما الحرام فالممات دُونه وَ الحل لا حل فاستبينه

حرام کے ارتکاب سے موت آسان ہے اور ایسا فعل بالکل حلال نہیں جس کو معرض ظہور میں لاسکوں۔

فكيف بالامر الذى تبغينه يحمى الكريم عِرضه و دينه

جس ناجائز امر کی تو طلبگار ہے وہ مجھ سے کیسے ممکن ہے کریم النفس آدمی تو اپنی آبرو اور اپنے دین کی پوری حمایت اور حفاظت کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ جب حضرت آمنہ سے نکاح کر کے واپس ہوئے تو واپسی میں پھر اسی عورت پر گذر ہوا تو اس نے دریافت کیا کہ اے عبداللہ تم یہاں سے جانے کے بعد کہاں رہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا کہ میں نے اس عرصہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی

---

[1] الطبقات الکبریٰ ج:۱ص:۵۸

آمنہ سے نکاح کیا اور نکاح کے بعد تین روز وہاں قیام کیا۔ اس یہودی عورت نے سُن کر یہ کہا کہ واللہ میں کوئی بدکار عورت نہیں۔ تمہارے چہرے میں نورِ نبوّت کو دیکھ کر یہ چاہا تھا کہ یہ نور میری طرف منتقل ہو جائے لیکن اللہ نے جہاں چاہا وہاں اس نور کو ودیعت رکھا۔

یہ روایت دلائل ابی نعیم[۱] میں چار طریقوں سے اور طبقات ابن سعد[۲] میں تین طریقوں سے مذکور ہے جس کے بعض راوی ضعیف بھی ہیں لیکن جو روایت اس قدر مختلف طریقوں سے مروی ہو۔ بالفرض اس روایت کی ہر سند کا ہر راوی بھی فرداً فرداً ضعیف ہو تب بھی محدثین کے نزدیک مقبول ہے۔

مختلف طریقوں سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ چہ جائیکہ جس روایت کے صرف بعض راوی ضعیف ہوں اور روایت مختلف طریقوں سے مروی ہو اس کے مقبول اور معتبر ہونے میں کیا تردّد ہو سکتا ہے اور یہ روایت تاریخ طبری ص ۱۷۵ ج ۲ میں بھی سند کے ساتھ مذکور ہے۔ جس کے اکثر راوی بخاری کے راوی ہیں۔ حضرت عبداللہ بغرض تجارت قافلہ کے ساتھ شام تشریف لے گئے۔ راستہ میں بیماری کی وجہ سے مدینہ منورہ ٹھہر گئے۔ قافلہ جب واپس مکہ پہنچا تو عبدالمطلب نے دریافت کیا کہ عبداللہ کہاں رہ گئے۔ قافلہ والوں نے کہا بیماری کی وجہ سے اپنی ننھیال بنی نجار میں مدینہ ٹھہر گئے عبدالمطلب نے فوراً ہی اپنے بڑے فرزند حارث کو مدینہ روانہ کیا مدینہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ کا انتقال ہو چکا۔ ایک ماہ بیمار رہے اور انتقال کے بعد مدینہ منورہ ہی میں نابغہ کے مکان میں مدفون ہوئے۔ حارث نے واپس ہو کر عبدالمطلب اور خویش و اقارب کو اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع دی۔ جس سے سب کو سخت صدمہ اور ملال ہوا[۳] قیس ابن مخرمہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہنوز بطن مادر ہی میں تھے کہ حضرت عبداللہ کا انتقال ہو گیا قال الحاکم **هذا حديث علىٰ شرط مسلم و اقرّه الذهبي**[۴] وفات کے وقت حضرت عبداللہ کی عمر علی اختلاف الاقوال ۳۰ یا ۲۵ یا ۲۸ یا ۱۸ سال کی تھی۔ حافظ علائی اور عسقلانی فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ وفات کے وقت اٹھارہ سال کا سن تھا اور علامہ سیوطی نے بھی

[۱] دلائل ابی نعیم: ج:۱، ص:۳۸ [۲] طبقات ابن سعد، ج ۱، ص:۵۹ [۳] زرقانی۔ ج:۱، ص:۱۰۹ [۴] مستدرک حاکم۔ ج:۲، ص:۶۰۵

اسی کو ترجیح دی ہے[1] انتقال کے وقت عبداللہ نے پانچ اونٹ اور چند بکریاں اور ایک باندی جن کی کنیت ام ایمن اور نام برکت تھا یہ چیزیں ترکہ میں چھوڑیں۔

واقعۂ اصحاب فیل

حضور پرنور کی ولادت سے پچاس یا پچپن روز قبل اصحاب فیل کا واقعہ پیش آیا۔ جو سیرت اور تاریخ میں معروف اور مشہور ہے اور قرآن کریم میں اس کے بارہ میں ایک خاص سورت نازل ہوئی۔ مفصل قصہ کتب تفاسیر میں مذکور ہے۔ مختصر یہ ہے کہ نجاشی شاہ حبشہ کی جانب سے یمن کا حاکم ابرہہ نامی تھا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ تمام عرب کے لوگ حج بیت اللہ کے لیے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں تو اس نے یہ چاہا کہ عیسائی مذہب کے نام پر ایک عالیشان عمارت بناؤں جو نہایت مکلّف اور مرصع ہوتا کہ عرب کے لوگ سادہ کعبہ کو چھوڑ کر اسی مصنوعی پر تکلف کعبہ کا طواف کرنے لگیں چنانچہ یمن کے دارالسلطنت مقام صنعاء میں ایک نہایت خوبصورت گرجا بنایا۔ عرب میں جب یہ خبر مشہور ہوئی تو قبیلہ کنانہ کا کوئی آدمی وہاں آیا اور پیخانہ کر کے بھاگ گیا۔ یہ ابن عباس سے منقول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عرب کے نوجوانوں نے اس کے قرب وجوار میں آگ جلائی ہوئی تھی ہوا سے اُڑ کر اس گرجا میں لگ گئی اور گرجا جل کر خاک ہوگیا۔ ابرہہ نے غصہ میں آکر قسم کھائی کہ خانہ کعبہ کو منہدم اور مسمار کر کے سانس لوں گا۔ اسی ارادہ سے مکہ پر فوج کشی کی راستہ میں جس عرب کے قبیلہ نے مزاحمت کی اس کو تہ تیغ کیا یہاں تک کہ مکہ مکرمہ پہنچا لشکر اور ہاتھی بھی ہمراہ تھے۔ اطراف مکہ میں اہل مکہ کے مویشی چرتے تھے۔ ابرہہ کے لشکر نے وہ مویشی پکڑے جن میں دو سو اونٹ حضور کے جد امجد عبدالمطلب کے بھی تھے۔ اس وقت قریش کے سردار اور خانہ کعبہ کے متولی عبدالمطلب تھے جب ان کو ابرہہ کی خبر ہوئی تو قریش کو جمع کر کے کہا کہ گھبراؤ مت مکہ کو خالی کر دو۔ خانہ کعبہ کو کوئی منہدم نہیں کر سکتا۔ یہ اللہ کا گھر ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ بعد ازاں عبدالمطلب کا نہایت شاندار استقبال کیا۔ حق جل شانہٗ نے عبدالمطلب کو بے مثال حسن و جمال اور عجیب عظمت و ہیبت اور وقار و دبدبہ عطا فرمایا تھا۔ جس کو دیکھ کر ہر شخص

[1] زرقانی۔ ج:۱، ص:۱۰۹

مرعوب ہو جاتا تھا۔ ابرہہ عبدالمطلب کو دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور نہایت اکرام اور احترام کے ساتھ پیش آیا۔ یہ تو مناسب نہ سمجھا کہ کسی کو اپنے تخت پر اپنے برابر بٹھلائے۔ البتہ ان کے اعزاز و اکرام میں یہ کیا کہ خود تخت سے اُتر کر فرش پر ان کو اپنے ساتھ بٹھلایا۔ اثناء گفتگو میں عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ ابرہہ نے متعجب ہو کر کہا بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم نے مجھ سے اپنے اونٹوں کے بارہ میں کلام کیا اور خانہ کعبہ جو تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا دین اور مذہب ہے اس کے بارہ میں تم نے کوئی حرف نہیں کہا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا۔ انارب الابل وللبیت رب سیمنعہ (میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لیے میں نے اونٹوں کا سوال کیا اور کعبہ کا خدا مالک ہے وہ خود اپنے گھر کو بچائے گا۔) ابرہہ نے کچھ سکوت کے بعد عبدالمطلب کے اونٹوں کے واپس کرنے کا حکم دیا۔ عبدالمطلب اپنے اونٹ لیکر واپس آ گئے اور قریش کو حکم دیا کہ مکہ خالی کر دیں اور تمام اونٹوں کو خانہ کعبہ کی نذر کر دیا اور چند آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر خانہ کعبہ کے دروازے پر حاضر ہوئے کہ سب گڑ گڑا کر دعائیں مانگیں عبدالمطلب نے اس وقت یہ دعائیہ اشعار پڑھے۔

لَا هُمَّ اِنّ المرء یَمْنَعُ　　رَحْلَهٗ فَامْنَعْ رِحَالَكْ

اے اللہ بندہ اپنی جگہ کی حفاظت کرتا ہے پس تو اپنے مکان کی حفاظت فرما۔

وَانْصُرْ عَلٰے اٰل الصلیب　　وَعَابِدِیْهِ الیوم اٰلَكْ

اور اہل صلیب اور صلیب کے پرستاروں کے مقابلہ میں اپنے اہل کی مدد فرما۔

لَا یَغْلِبَنَّ صلیبُهم　　وَ مِحَالُهُم اَبداً مِحَالَكْ

ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر پر کبھی غالب نہیں آ سکتی۔

جَرُّوا جَمیع بلادهم　　وَالفِیل کَے یَسْبُوْا عیالَكْ

لشکر اور ہاتھی چڑھا کر لائے ہیں تا کہ تیرے عیال کو قید کریں۔

عَمَد واحِمَاك بكَیْدِهِمْ　　جَهْلاً ومَا رَقَبُوْا جَلالَكْ

تیرے حرم کی بربادی کا قصد کر کے آئے ہیں۔ جہالت کی بنا پر یہ قصد کیا ہے تیری عظمت اور جلال کا خیال نہیں کیا۔

عبدالمطلب دُعا سے فارغ ہو کر مع اپنے ہمراہیوں کے پہاڑ پر چڑھ گئے اور ابرہہ اپنا شکر لیکر خانہ کعبہ کے گرانے کے لئے بڑھا۔ یکا یک بحکم خداوندی چھوٹے چھوٹے پرندوں کے غول کے غول نظر آئے ہر ایک کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں جو دفعۃً لشکر پر برسنے لگیں خدا کی قدرت سے وہ کنکریاں گولی کا کام دے رہی تھیں سر پر گرتی تھیں اور نیچے نکل جاتی تھیں۔ جس پر وہ کنکری گرتی تھی وہ ختم ہو جاتا تھا غرض یہ کہ اس طرح ابرہہ کا لشکر تباہ اور برباد ہوا۔ ابرہہ کے بدن پر چیچک کے دانے نمودار ہوئے جس سے اس کا تمام بدن سڑ گیا اور بدن سے پیپ اور لہو بہنے لگا یکے بعد دیگرے ایک ایک عضو اس کا کٹ کٹ کر گرتا جاتا تھا۔ بالآخر اس کا سینہ پھٹ پڑا اور دل باہر نکل آیا اور اس کا دم آخر ہوا۔ جب سب مر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک سیلاب بھیجا جو سب کو بہا کر دریا میں لے گیا۔ **فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ** [1]

ارہاص

یہ آسمانی نشان نبی آخر الزمان کی آمد آمد کا غیبی اشارہ اور غیبی اعلان تھا۔ قریش کی یہ غیبی نصرت اور حمایت فقط اس لیے تھی کہ نبی آخر الزمان (جو عنقریب اس عالم میں آنے والے ہیں) یہ ان کا قبیلہ اور کنبہ ہے اور وہ اللہ کے قبلہ کے متولی اور محافظ ہیں اس لیے بطور خرق عادت اُن کی مدد فرمائی ورنہ مذہبی حیثیت سے شاہ حبشہ اور شاہ یمن قریش مکہ سے بہتر تھے اس لئے کہ قریش مشرک اور بت پرست تھے اور اہل یمن اور اہل حبشہ اہل کتاب اور عیسائی تھے۔ معلوم ہوا کہ قریش کی یہ غیبی نصرت اور بیت اللہ کی فوق العادت حفاظت یہ سب حضورؐ پرنور کی ولادت باکرامت کی برکت اور بشارت تھی۔ دعوائے نبوّت کے بعد نبی کے ہاتھ پر جو امر خارق عادت ظاہر ہو اس کو معجزہ کہتے ہیں اور جو خوارق نبی کی ولادت کے قریب ظاہر ہوں۔ وہ ارہاص کہلاتے ہیں۔ ارہاص کے معنی بنیاد کے ہیں۔ چونکہ اس قسم کے خوارق نبوت کے مبادی اور مقدمات ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو ارہاص کہتے ہیں۔

[1] زرقانی ج:۱،ص:۳۸۳، ۳۹۰

ابرہہ کی لشکر کشی اور پھر اس کی تباہی اور بربادی کا یہ واقعہ ماہ محرم الحرام میں پیش آیا جب کہ حضورؐ کی ولادت باسعادت کا زمانہ بالکل قریب آچکا تھا۔ اس زمانہ میں جو اس قسم کے خوارق ظاہر ہوئے وہ سب آپ کی نبوت کے ارہاصات یعنی علامات اور نشانات تھے اس واقعہ کے پچاس روز بعد حضورؐ کی ولادت باسعادت ظہور میں آئی۔

فائدہ جلیلہ:

قال الماوردی فی کتاب اعلام النبوة و اذا اختبرت حال نسبه ﷺ وعرفت طهارة مولده علمت انه سلالة اباء کرام لیس فیهم مسترذل بل کلهم سادة قادة و شرف النسب و طهارة المولد من شروط النبوةَ انتهی

ماوردی اپنی کتاب اعلام النبوۃ میں فرماتے ہیں کہ اے مخاطب جب تو نے آنحضرت ﷺ کے نسب مطیب کا حال معلوم کرلیا اور آپؐ کی طہارت نسب کو خوب پہچان لیا تو ضرور اس بات کا یقین کرلے گا کہ حضور پرنور آباء کرام اور اجداد عظام کا سلالہ اور خلاصہ ہیں اور کوئی شخص بھی آپ کے سلسلہ آباء میں رذیل او رکمینہ نہیں سب کے سب سردار اور سید اور قائد ہیں اور شرافت نسب اور طہارت ولادت، شرائط نبوت میں سے ہے۔۱۲۔

حضورؐ کے تمام آباؤ اجداد اپنے اپنے زمانہ کے عقلاء اور حکماء اور سادات عظام اور قائدین کرام تھے۔ فہم وفراست حُسن صورت اور حسن سیرت مکارم اخلاق اور محاسن اعمال۔ حلم اور بردباری اور جود وکرم و مہمان نوازی میں یکتائے زمانہ تھے۔ ہر عزت ورفعت اور سیادت ووجاہت کے ماوی اور ملجا تھے اور سلسلۂ نسب کے آباء کرام میں بہت سوں کے متعلق احادیث مرفوعہ اور اقوال صحابہ سے معلوم ہو چکا کہ ملت ابراہیمی پر تھے (جیسا کہ گذر چکا) اور جن آباؤ واجداد کے ملّت ابراہیمی پر ہونے کی احادیث میں تصریح نہیں۔ ان کے احوال ان کے صحیح الفطرت اور سلیم الطبیعت ہونے پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں۔

ولادتِ باسعادت

سرورِ عالم سیدِ وُلدِ آدم محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم والہ وصحبہ وبارک وسلم وشرف و کرم واقعۂ فیل کے پچاس[1] یا پچپن روز کے بعد بتاریخ ۸ ربیع الاول[2] یوم شنبہ مطابق ماہ اپریل ۵۷۰ء عیسوی مکہ مکرمہ میں صبح صادق[3] کے وقت ابو طالب کے مکان میں پیدا ہوئے۔ ولادت باسعادت کی تاریخ میں مشہور قول تو یہ ہے کہ حضور پُرنور ۱۲ ربیع الاوّل کو پیدا ہوئے لیکن جمہور محدثین اور مورخین کے نزدیک راجح اور مختار قول یہ ہے کہ حضورؐ ۸ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ عبداللہ بن عباس اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے اور اسی قول کو علامہ قطب الدین قسطلانی نے اختیار کیا ہے[4]

---

[1] مشہور یہی ہے کہ آں حضرتؐ واقعۂ فیل کے پچاس روز بعد پیدا ہوئے اور اسی کو علامہ سہیلی نے اختیار فرمایا ہے اور محمد بن علی سے یہ منقول ہے کہ پچپن روز بعد ہوئے و راسی کو علامہ سیوطی نے اختیار فرمایا ہے (زرقانی ص ۱۳۰ ج ۱)

[2] جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ آنحضرت ﷺ ماہ ربیع الاوّل میں پیدا ہوئے اور علامہ ابن جوزی نے اسی پر علماء کا اجماع اور اتفاق نقل کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ربیع الآخر میں اور بعض کہتے ہیں کہ صفر میں اور بعض کہتے ہیں کہ رجب میں اور بعض کہتے ہیں کہ رمضان المبارک میں پیدا ہوئے۔ مگر یہ تمام اقوال ضعیف ہیں ۱۲ (زرقانی ص ۱۳۰ ج ۱)

[3] عبداللہ بن العاص سے مروی ہے کہ حضور کی ولادت باسعادت یوم دوشنبہ کی صبح صادق کے طلوع کے وقت ہوئی۔ (زرقانی ص ۱۳۳ ج ۱) یہ روایت اگرچہ ضعیف الاسناد ہے لیکن اس سے تمام روایات میں توفیق و تطبیق ہو جاتی ہے اس لیے کہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولادت باسعادت دن میں ہوئی ہے اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شب میں ہوئی ہے کیونکہ صبح صادق کے وقت کی ولادت کو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شب میں ولادت ہوئی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بروز دوشنبہ صبح کے وقت ولادت ہوئی۔ لہٰذا جن روایات میں دوشنبہ کی ولادت مذکور ہے وہ بھی صحیح ہیں اور جن روایات میں یہ مذکور ہے کہ شب دوشنبہ میں ولادت ہوئی وہ روایتیں بھی صحیح ہیں علاوہ ازیں ولادت اگرچہ صبح صادق کے وقت ہوئی لیکن ولادت کے آثار اور مبادی شب ہی سے شروع ہو گئے تھے ابن عساکر اور زبیر بن بکار نے معروف بن خربوذ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ دوشنبہ کے روز طلوع فجر کے وقت پیدا ہوئے (خصائص کبریٰ ص ۵۱ ج ۱) ابن حبان نے معروف بن خربوذ کی توثیق کی ہے ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ابن خربوذ کی حدیث لکھی جا سکتی ہے۔ کذا فی الخلاصہ والتہذیب (نکتہ) آفتاب ہدایت و صداقت کے طلوع کے لئے صبح صادق ہی کا وقت مناسب ہوتا ہے، جس کا نصف النہار پر استواء چالیس سال بعد ہوگا۔ واللہ اعلم۔

[4] زرقانی: ج ۱ ص: ۱۳۱

(۱) عثمان ابن ابی العاص [۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ۔ فاطمہ بنت عبداللہ فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت آمنہ کے پاس موجود تھی تو اس وقت یہ دیکھا کہ تمام گھر نور سے بھر گیا اور دیکھا کہ آسمان کے ستارے جھکے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ مجھ کو یہ گمان ہوا کہ یہ ستارے مجھ پر آگریں گے [۲]

(۲) عرباض [۳] بن ساریہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے ولادت باسعادت کے وقت ایک نور دیکھا جس سے شام کے محل روشن ہوگئے۔ یہ روایت مسند احمد اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ روایت صحیح ہے اور اسی کے ہم معنی مسند احمد میں ابوامامہؓ سے بھی مروی ہے [۴]

(۳) اور ایک روایت میں ہے کہ بُصری کے محل روشن ہوگئے۔

نکتہ: ستاروں کے زمین کی طرف جھک آنے میں اس طرف اشارہ تھا کہ اب عنقریب زمین سے کفر اور شرک کی ظلمت اور تاریکی دور ہوگی اور انوار وہدایت سے تمام زمین روشن اور منور ہوگی۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔

---

[۱] قیل فی اسنادو ہذا الحدیث یعقوب بن محمد الزہری وہوساقط الاعتبار وعبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن عوف وہو کذاب قلت اما یعقوب بن محمد الزہری فقد وھاہ احمد وابوزرعۃ ووثقہ حجاج بن الشاعر وابن سعد وابوحاتم۔ وردیٰ لہ ابن ماجۃ والبخاری تعلیقا کذا فی الخلاصۃ للحافظ صفی الدینؒ واما عبدالعزیز بن عمر بن عبدالرحمٰن فقد صرح غیر واحد من الایمۃ انہ ضعیف ولم اجد التصریح عن الایمۃ بانہ کذاب ومع ہذا قد ذکر حدیثہ ہذا الحافظ العسقلانی فی الفتح وسکت علیہ ثم قال وشاہدہ حدیث العرباض بن ساریۃ الذی اخرجہ احمد وصححہ ابن حبان والحاکم۔ والضعیف اذا تاید بالصحیح یؤ خذ ولا یرد وھذا ہو مسلک جمہور ائمۃ الجرح والتعدیل وصنیع الحافظ عسقلانی یوید ما قلنا واللہ اعلم، عثمان بن ابی العاص ثقفی وفد ثقیف کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے آنحضرت ﷺ نے ان کو طائف کا عامل مقرر فرمایا۔ حضرت عمر کے زمانہ خلافت تک برابر طائف کے عامل رہے پھر ۱۵ھ میں حضرت عمر نے بجائے طائف کے عمان اور بحرین کا عامل مقرر فرمایا۔ قبیلہ ثقیف کو مرتد ہونے سے عثمان بن ابی العاص ہی نے بچایا۔ اس وقت اپنی قوم کو مخاطب بنا کر یہ فرمایا کہ اے ثقیف تم سب سے اخیر میں اسلام لائے۔ لہٰذا سب سے پہلے اسلام سے پھرنے والے نہ بنو۔ اخیر عمر میں عثمان نے بصرہ کی سکونت اختیار کی اور حضرت معاویہ کے زمانہ خلافت ۵۱ھ یا ۵۵ھ میں بصرہ ہی میں انتقال فرمایا ۱۲۔ اصابہ

[۲] فتح الباری، ج۶، ص:۴۲۶

[۳] عرباض بن ساریہؓ مشہور صحابی ہیں اصحاب صفہ میں سے ہیں آیۃ ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم الآیۃ انہیں کے بارہ میں نازل ہوئی قدیم الاسلام ہیں ابتداء بعثت ہی میں مشرف باسلام ہوگئے تھے سنن اربعہ میں ان سے روایت ہے عبداللہ بن الزبیرؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی۔ ۱۲۔ اصابہ

[۴] فتح الباری باب علامات النبوۃ۔ مجمع الزوائد۔ الطبقات الکبری لابن سعد

قَدۡ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّكِتَابٌ مُّبِينٌ يَهۡدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخۡرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ بِاِذۡنِهٖ الآيه[۱]

تحقیق تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک نور ہدایت اور ایک روشن کتاب آئی ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو ہدایت فرماتا ہے جو رضائے حق کے طلب گار ہوں اور اپنی توفیق سے ان کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے۔

کعب احبار[۲] سے منقول ہے کہ کتب سابقہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی یہ شان ذکر کی گئی ہے۔

محمد رسول اللّٰه مولدهٗ بمكّة ومهاجرهٗ بيثرب وملكهٗ بالشام۔

محمد اللہ کے رسول کی ولادت مکہ میں ہوگی اور ہجرت مدینہ میں ہوگی اور ان کی حکومت اور سلطنت شام میں ہوگی۔

یعنی مکہ سے لے کر شام تک تمام علاقہ آپ ہی کی زندگی میں اسلام کے زیر نگیں آجائے گا۔ چنانچہ شام آپؐ ہی کی زندگی میں فتح ہوا۔ عجب نہیں اسی وجہ سے ولادت باسعادت کے وقت شام کے محل دکھلائے گئے ہوں اور بُصریٰ جو ملک شام کا ایک شہر ہے وہ خاص طور پر اس لیے دکھلایا گیا کہ علاقہ شام میں سب سے پہلے بصریٰ ہی میں نور نبوت اور نور ہدایت پہنچا ہے اور ممالک شام میں سب سے پہلے بصریٰ ہی فتح ہوا۔

اور عجب نہیں کہ شام کے محل اس لیے دکھلائے گئے ہوں کہ منجملہ چالیس کے تیس ابدال جو تیس کے تیس قدم ابراہیمی پر ہیں ان کا مرکز اور مستقر شام ہی ہے۔ اس لیے بہ نسبت دوسرے ممالک کے ملک شام خاص طور پر انوار و برکات کا معدن اور منبع ہے۔ اس لئے ولادت باسعادت کے وقت شام کے محل دکھلانے میں اس طرف اشارہ تھا کہ یہ ملک نور

---

۱ المائدہ، آیۃ: ۱۶

۲ کعب احبار جلیل القدر علماء بنی اسرائیل میں سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا مگر حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مشرف باسلام ہوئے۔ مسلم ثقہ ہیں ابو ہریرہ ابن عباس اور معاویہؓ اور کبار تابعین نے آپ سے روایت کی ہے۔ تہذیب التہذیب ۱۲

نبوت کا خاص طور پر تجلی گاہ ہوگا۔ اور اسی وجہ سے آپ کو اولاً مکہ مکرمہ سے شام یعنی مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی۔ کما قال تعالیٰ۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ[1]

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی کہ جس کے گرد ہم نے برکتیں بچھا دی ہیں۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ ملک شام میں جو مسجد اقصیٰ کے ارد گرد واقع ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص برکتوں کو وہاں بچھا دیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جب عراق سے ہجرت فرمائی تو شام ہی کی طرف فرمائی اور قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا آسمان سے نزول بھی شام ہی میں جامع دمشق کے منارۂ شرقیہ پر ہوگا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قیامت کے قریب شام کی ہجرت کی ترغیب دی ہے۔ (رواہ الحاکم وابن حبان)

(۴) یعقوب بن سفیان باسناد حسن حضرت عائشہ سے راوی ہیں کہ ایک یہودی مکہ میں بغرض تجارت رہتا تھا جس شب میں آپ پیدا ہوئے تو مجلس میں قریش سے یہ دریافت کیا کہ اس شب میں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے۔ قریش نے کہا ہم کو معلوم نہیں۔ یہودی نے کہا کہ اچھا ذرا تحقیق تو کر کے آؤ آج کی شب میں اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک علامت ہے (یعنی مہر نبوت) وہ دو رات تک دودھ نہ پیئے گا۔ اس لیے کہ ایک جنی نے اس کے منہ پر انگلی رکھ دی ہے۔ لوگ فوراً اس مجلس سے اُٹھے اور اس کی تحقیق کی۔ معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ یہودی نے کہا کہ مجھ کو بھی چل کر دکھلاؤ۔ یہودی نے جب دونوں شانوں کے درمیان کی علامت (مہر نبوت) کو دیکھا تو بیہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو یہ کہا کہ نبوت بنی اسرائیل سے چلی گئی اے قریش واللہ یہ

---

[1] بنی اسرائیل آیۃ: ۱

مولودتم پر ایک ایسا حملہ[۱] کرے گا کہ جس کی خبر مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جائے گی۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند[۲] حسن ہے اور اس واقعہ کے نظائر اور شواہد بہت ہیں جن کی شرح اور تفصیل طویل ہے۔[۳]

ایوان کسریٰ کے چودہ کنگروں کا گرنا اور نہر ساوہ کا خشک ہوجانا

(۵) اسی شب میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ ایوان کسریٰ میں زلزلہ آیا جس سے محل کے چودہ کنگرے گر گئے اور فارس کا آتش کدہ جو ہزار سال سے مسلسل روشن تھا وہ بجھ گیا اور دریائے ساوہ خشک ہوگیا۔ جب صبح ہوئی تو کسریٰ نہایت پریشان تھا۔ شاہانہ وقار اس کے اظہار سے مانع ہو رہا تھا بالآخر وزراء اور ارکان دولت کو جمع کر کے دربار منعقد کیا۔ اثناء دربار ہی میں یہ خبر پہنچی کہ فارس کا آتش کدہ بجھ گیا ہے۔ کسریٰ کی پریشانی میں اور اضافہ ہوگیا۔ ادھر سے موبذان نے کھڑے ہوکر کہا اس رات میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ سخت اونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچے لے جا رہے ہیں اور دریائے دجلہ سے پار ہوکر تمام ممالک میں پھیل گئے۔ کسریٰ نے موبذان سے پوچھا کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہے۔ موبذان نے کہا کہ شاید عرب کی طرف سے کوئی عظیم الشان حادثہ پیش آئے گا۔ کسریٰ نے توثیق اور اطمینان کی غرض سے نعمان بن منذر کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ کسی بڑے عالم کو میرے پاس بھیجو جو میرے سوالات کا جواب دے سکے۔

نعمان بن المنذر نے ایک جہاندیدہ عالم۔ عبدالمسیح غسّانی کو روانہ کر دیا۔ عبدالمسیح جب حاضر دربار ہوا تو بادشاہ نے کہا کہ میں جس چیز کو تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کیا تم کو اس کا علم

---

[۱] اس حملہ سے غزوۂ فتح مکہ مراد ہے ۱۲

[۲] یعقوب بن سفیان فارسی حفاظ حدیث میں سے ہیں، ثقہ اور مستند تھے۔ صاحب خیر وصلاح تھے۔ قعنبی اور سلیمان بن حرب اور ابونعیم سے علم حاصل کیا۔ ترمذی اور نسائی یعقوب بن سفیان کے تلامذہ میں سے ہیں ۲۷۷ھ میں وفات پائی۔ دیکھو زرقانی ص ۱۲۰ ج ۱

[۳] فتح الباری، ج:۶ ص:۴۲۵

ہے۔ عبدالمسیح نے کہا کہ آپ بیان فرمائیں اگر مجھ کو علم ہوگا تو میں بتلادوں گا ورنہ کسی جاننے والے کی طرف رہنمائی کروں گا۔ بادشاہ نے تمام واقعہ بیان کیا۔ عبدالمسیح نے کہا کہ غالباً اس کی تحقیق میرے ماموں سطیح سے ہوسکے گی جو آج کل شام میں رہتے ہیں۔

کسریٰ نے عبدالمسیح کو حکم دیا کہ تم خود اپنے ماموں سے اس کی تحقیق کر کے آؤ۔ عبدالمسیح اپنے ماموں سطیح کے پاس پہنچا تو سطیح اس وقت نزع کی حالت میں تھا مگر ہوش ابھی باقی تھے۔ عبدالمسیح نے جا کر سلام کیا اور کچھ اشعار پڑھے۔ سطیح نے جب عبدالمسیح کو اشعار پڑھتے سنا تو عبدالمسیح کی طرف متوجہ ہوا اور یہ کہا کہ عبدالمسیح تیز اونٹ پر سوار ہو کر سطیح کے پاس پہنچا جب کہ وہ مرنے کے قریب ہے۔ تجھ کو بنی ساسان کے بادشاہ نے محل کے زلزلہ اور آتش کدہ کے بجھ جانے اور موبذان کے خواب کی وجہ سے بھیجا ہے کہ سخت اور قوی اونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچے لے جا رہے ہیں اور دجلہ سے پار ہو کر تمام بلاد میں پھیل گئے ہیں۔ اے عبدالمسیح خوب سُن لے جب کلامِ الٰہی کی تلاوت کثرت سے ہونے لگے اور صاحب عصا ظاہر ہو اور وادی سماوہ رواں ہو جائے اور دریائے ساوہ خشک ہو جائے اور فارس کی آگ بجھ جائے تو سطیح کے لئے شام شام نہ رہے گا۔ بنی ساسان کے چند مرد اور چند عورتیں بقدر کنگروں کے بادشاہت کریں گے اور جو شے آنے والی ہے وہ گویا کہ آہی گئی۔ یہ کہتے ہی، سطیح مر گیا۔ عبدالمسیح واپس آیا اور کسریٰ سے یہ تمام ماجرا بیان کیا کسریٰ نے سن کر یہ کہا کہ چودہ سلطنتوں کے گذرنے کے لئے ایک زمانہ چاہئے مگر زمانے کو گذرتے کیا دیر لگتی ہے دس سلطنتیں تو چار ہی سال میں ختم ہو گئیں اور باقی چار سلطنتیں حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت تک ختم ہوئیں۔ حافظ ابن سید الناسؒ نے اس واقعہ کو عیون الاثر میں اپنی طویل سند کے ساتھ ذکر کیا ہے[1] سند حسب ذیل ہے۔

اخبرنا الشيخ ابوالحسن علی بن محمد الدمشقی بقراء تی علیه قلت له اخبرکم الشیخان ابو عبدالله محمد بن نصر بن عبدالرحمٰن بن محمد بن محفوظ القرشی والا میرسیف الدولة ابو عبدالله محمد بن غسّان بن غافل

[1] عیون الاثر لابن سید الناس، ج:۱ص:۲۹

بن نجار الانصاری قراء ۃ علیهما وانت حاضر فی الرابعة قال انا الفقیه ابو القاسم علی بن الحسن الحافظ قراء ۃ علیه و نحن نسمع قال انا المشایخ ابوالحسن علی بن المسلم بن محمد بن الفتح بن علی الفقیه و ابو الفرج غیث بن علی بن عبدالسلام بن محمد بن جعفر الارمنازی الصوری الخطیب و ابو محمد عبدالکریم بن حمزه لخضر بن العباس الوکیل بدمشق قالوا انا ابوالحسن احمد بن عبدالواحد بن محمد بن احمد بن عثمان بن ابی الحدید السلمی انا جدی ابوبکر محمد بن احمد قال انا ابو بکر محمد بن جعفر بن محمد بن سهل الخرایطی ثنا علی بن حرب ثنا ابو ایوب یعلے بن عمران من ال جریر بن عبداللّٰه البجلی قال حدثنی مخزوم بن هانی المخزومی عن ابیه واتت له خمسون ومائة سنة قال لما کانت لیلة ولدَ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ارتجس ایوان کسریٰ الی اٰخر الحدیث۔

اور یہ روایت تاریخ ابن جریر طبری میں بھی اسی سند کے ساتھ مذکور ہے۔

حدثنا علی بن حرب الموصلی قال حدثنا ابو ایوب یعلی بن عمران البجلی قال حدثنی مخزوم بن هانی المخزومی عن ابیه واتت له مائة و خمسون سنة قال لما کانت لیلة ولد فیها رسول اللّٰه ﷺ ارتجس ایوان کسریٰ و سقطت منه اربعة شرنة الیٰ اخر الحدیث (تاریخ طبری ص۱۳۱ ج۲)

اور ابن سکن نے بھی اس روایت کو اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے چنانچہ حافظ عسقلانی اصابہ میں فرماتے ہیں۔

واخرج ابن السکن من طریق یعلی بن عمران البجلی اخبرنی مخزوم بن هانی عن ابیه وکان اتت علیه مائة وخمسون سنة قال لما کانت لیلة مولد رسول الله ﷺ ارتجس ایوان کسریٰ و سقطت منه اربع عشره شرافة وغاضت بحیرة ساوه الحدیث۔

ابومخزوم ہانی کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابوالولید دباغ نے ابومخزوم ہانی کو صحابہ میں ذکر کیا[۱] اور حافظ ابن کثیر نے اسی حدیث کو اسی سند کے ساتھ بحوالۂ ابوبکر خرائطی البدایہ والنہایہ ذکر ارتجاس الایوان کے تحت ذکر کیا ہے[۲] اور دیکھو خصائص کبری للسیوطی۔[۳]
علاوہ ازیں یہ روایت ایک اور سند سے بھی مروی ہیں جس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ عن سعید بن مزاحم۔ عن معروف بن خرّبوذ عن بشیر بن تیمؓ قال لما کانت لیلة مولد النبی ﷺ رأی مؤبذان کسریٰ خیلا و ابلا قطعت دجلة القصة بطولها رواہ عبدان فی کتاب الصحابہ۔

حافظ عسقلانی اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ روایت مرسل ہے اور ابن ابی شیبہ نے بشیر بن تیم کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ (اصابہ ص ۱۸۰ ج ۱ ترجمہ بشیر بن تیمؓ[۴])

اسی سند کا پہلا راوی سعید بن مزاحم ہے جس سے ابوداؤد اور نسائی نے روایت لی ہے۔
دوسرا راوی معروف بن خربوذ ہے جن سے بخاری مسلم۔ ابوداؤد وغیرہم نے روایت لی ہے۔
امام بخاری نے کتاب العلم باب من خص بالعلم قوما دون قوم ص ۲۴ میں معروف بن خربوذ کی روایت ابی الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے اپنی جامع صحیح میں درج فرمائی صحابہ میں سب سے اخیر میں ابوالطفیل رضی اللہ عنہ نے ۱۰۰ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ معروف بن خربوذ مکہ مکرمہ کے رہنے والے تابعی صغیر ہیں صحیح بخاری میں معروف بن خربوذ سے صرف ایک روایت ہے[۵] الحاصل یہ روایت اگرچہ مرسل ہے مگر سند اس کی صحیح ہے اور حدیث مرسل امام اعظم ابوحنیفہ النعمان امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے مشہور قول کی بنا پر حجت اور معتبر ہے جیسا کہ اصول حدیث کی کتابوں میں مصرح ہے۔ حافظ عسقلانی نے اس حدیث کو اصابہ میں مرسل فرمایا اور شرح بخاری میں اس روایت کو ذکر کر کے سکوت فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کے نزدیک یہ حدیث کم از کم موضوع اور بے اصل تو نہیں حافظ عسقلانی کا شرح بخاری میں کسی حدیث پر سکوت فرمانا علماء کے نزدیک یہ اس حدیث کے

[۱] الاصابہ، ص:۵۹۷، [۲] ج:۲، ص:۲۶۸ [۳] ج:۱، ص:۵۱ [۴] الاصابہ، ج:۱، ص:۱۸۰
[۵] فتح الباری، ج:۱، ص:۱۹۹

صحیح اور حسن ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ خود حافظ عسقلانی نے مقدمہ فتح الباری میں اس کی تصریح کی ہے۔

علامہ شبلی سیرۃ النبی ص ۳۹ ج ا پر لکھتے ہیں ''جس قدر تحقیق اور تنقید کا درجہ بڑھتا جاتا ہے مبالغہ آمیز روایتیں گھٹتی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ روایت کہ جب آنحضرت ﷺ عالم وجود میں آئے تو ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر پڑے، آتش فارس بجھ گئی۔ بحیرۂ طبریہ خشک ہو گیا۔ بیہقی، ابونعیم، خرائطی، ابن عساکر اور ابن جریر نے روایت کی ہے لیکن صحیح بخاری اور صحیح مسلم بلکہ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں اس کا پتہ نہیں۔'' سبحان اللہ یہ اس حدیث کے موضوع ہونے کی عجب دلیل ہے۔ کیا کسی حدیث کا بخاری اور مسلم اور صحاح ستہ میں موجود نہ ہونا اس کے موضوع یا ضعیف ہونے کی دلیل ہو سکتا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے مثلاً بلاشک صحیح حدیثوں کے لانے کا التزام کیا مگر استیعاب اور احاطہ نہیں کیا اور کون کر سکتا ہے۔ امام بخاریؒ وغیرہ نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ صحیحین یا صحاح ستہ کے علاوہ کوئی حدیث صحیح اور معتبر نہیں۔ بلکہ کتب اصول میں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ سے اس کے برعکس منقول ہے۔

قال البخاری ما اوردت فی کتابی ھذا الا ماصح ولقد ترکت کثیرا من الصحاح وقال مسلم الذی اوردت فی ھذا الکتاب من الاحادیث صحیح ولا اقول ان ما ترکت ضعیف۔	امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ میں اپنی اس کتاب میں سوائے صحیح حدیث نہیں لایا اور بہت سی صحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا ہے۔ امام مسلم کہتے ہیں میں جو حدیثیں اس کتاب میں لایا ہوں وہ سب صحیح ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جس کو میں نے چھوڑ دیا وہ ضعیف ہے۔

اور علیٰ ہذا کسی حدیث کا صحاح ستہ میں نہ ہونا یہ بھی کسی محدث اور عالم کے نزدیک حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل نہیں بلکہ خود علامہ شبلی نے اپنی سیرت میں صدہا ایسی روایتیں لی ہیں کہ جو نہ صحیح بخاری میں ہیں اور نہ صحیح مسلم میں ہیں اور نہ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں ان کا پتہ ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اصول خود علامہ کے نزدیک بھی معمول بہ اور مقبول نہیں پھر

نہ معلوم کیوں اس حدیث کو غیر مقبول قرار دے رہے ہیں۔ کیا کسی روایت کا بے دلیل انکار کر دینا اسی کا نام تحقیق اور تنقید ہے۔

(۶) طبرانی اور ابو نعیم اور ابن عسا کرنے باسانید متعددہ حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ حق جل شانہٗ کے منجملہ اکرامات وانعامات کے یہ ہے کہ میں مختون پیدا ہوا۔ اور میرا ستر کسی نے نہیں دیکھا۔ حافظ ضیاء الدین مقدسی نے مختارہ میں اس حدیث کو صحیح فرمایا۔ علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ حافظ مقدسی کی تصحیح حاکم کی تصحیح سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے۔ اور حافظ مغلطائی نے اس حدیث کو حسن بتلایا ہے اور ابو نعیم نے سند جید کے ساتھ ابن عباس سے روایت کیا ہے۔[۱]

(۷) حضرت عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے عبدالمطلب کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور یہ کہا کہ البتہ میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہوگی۔ چنانچہ ہوئی۔ یہ روایت طبقات ابن سعد ص ۶۴ ج اقسم اوّل میں مذکور ہے۔ سند اس کی نہایت قوی ہے۔

(۸) اسحاق بن عبداللہ حضرت آمنہ سے راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب پیدا ہوئے تو نہایت نظیف تھے اور پاک صاف تھے جسم اطہر پر کسی قسم کی آلائش اور گندگی نہ تھی۔[۲]

عقیقہ اور تسمیہ

ولادت کے ساتویں[۳] روز عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا اور اس تقریب میں تمام قریش کو دعوت دی اور محمد آپ کا نام تجویز کیا۔ قریش نے کہا کہ اے ابو الحارث ''ابوالحارث عبدالمطلب کی کنیت ہے'' آپ نے ایسا نام کیوں تجویز کیا جو آپ کے آباؤ اجداد اور آپ کی قوم

---

[۱] زرقانی ج:۱،ص:۱۲۴، ج:۵،ص:۲۴۴ [۲] طبقات ابن سعد، ج:۱،ص:۶۳ [۳] یہ تمام واقعہ علامہ زرقانی نے شرح مؤطا امام مالک ص ۱۷۲ ج ۴ میں بروایت ابن عباسؓ بحوالہٗ استیعاب للحافظ ابن عبدالبر ذکر کیا ہے، لیکن ابن عباس کی روایت میں صرف عقیقہ کا ذکر ہے۔ ساتویں روز کا ذکر نہیں اور نہ دعوت کا ذکر ہے ان دو چیز وںکو علامہ سیوطی نے بحوالہ بیہقی اور ابن عساکر خصائص کبریٰ ص ۵۰ ج ۱ میں ذکر کیا ہے، حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب نے ولادت باسعادت کی تقریب میں ایک عام دعوت دی جب لوگ دعوت فارغ ہوئے تو پوچھا کہ اے عبدالمطلب آپ نے اس مولود مسعود کا کیا نام رکھا۔ الی آخر الحدیث رواہ البیہقی فی الدلائل باسناد مرسل ۱۲ فتح الباری ص ۱۲۴ ج ۷ باب مبعث النبی ﷺ

میں سے اب تک کسی نے نہیں رکھا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ میں نے یہ نام اس لیے رکھا کہ اللہ آسمان میں اور اللہ کی مخلوق زمین میں اس مولود کی حمد و ثنا کرے[1]۔

عبدالمطلب نے آپ کی ولادت سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا جو اس نام کے رکھنے کا باعث ہوا وہ یہ کہ عبدالمطلب کی پشت سے ایک زنجیر ظاہر ہوئی کہ جس کی ایک جانب آسمان میں اور ایک جانب زمین میں اور ایک جانب مشرق میں اور ایک جانب مغرب میں ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ زنجیر درخت بن گئی جس کے ہر پتہ پر ایسا نور ہے کہ جو آفتاب کے نور سے ستر درجہ زائد ہے۔ مشرق اور مغرب کے لوگ اس کی شاخوں سے لپٹے ہوئے ہیں۔ قریش میں سے بھی کچھ لوگ اس کی شاخوں کو پکڑے ہوئے ہیں اور قریش میں سے کچھ لوگ اس کے کاٹنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب اس ارادے سے اس درخت کے قریب آنا چاہتے ہیں تو ایک نہایت حسین و جمیل جوان انکو آکر ہٹا دیتا ہے۔ معبرّین نے عبدالمطلب کے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ تمہاری نسل سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا کہ مشرق سے لے کر مغرب تک لوگ اس کی اتباع کریں گے اور آسمان اور زمین والے اس کی حمد اور ثنا کریں گے اس وجہ سے عبدالمطلب نے آپ کا نام محمد رکھا[2] عبدالمطلب کو اس خواب سے مُحَمَّدْ نام رکھنے کا خیال پیدا ہوا اور ادھر آپ کی والدہ ماجدہ کو رؤیا صالحہ کے ذریعہ سے یہ بتلایا گیا کہ تم برگزیدۂ خلائق اور سیّد الامم کی حاملہ ہو۔ اس کا نام مُحَمَّدْ رکھنا اور ایک روایت میں ہے کہ اَحْمَدْ نام رکھنا کذا فی عیون الاثر[3] بریدہؓ اور ابن عباسؓ کی روایت میں یہ ہے کہ مُحَمَّدْ اور اَحْمَدْ نام رکھنا (خصائص کبریٰ)[4]

غرض یہ کہ سحائب الہام کے تقاطر اور رؤیائے صالحہ کے تواتر نے ماں اور دادا احباب اور اقارب یگانہ اور بیگانہ سب ہی کی زبان سے وہ نام تجویز کرا دیئے کہ جس نام سے انبیاء و مرسلین اس نبی امی فداہ نفسی وابی وامی کی بشارت دیتے چلے آرہے تھے۔ جس طرح حضرت عبدالمطلب کا تمام بیٹوں میں سے صرف آپ کے والد ماجد کا ایسا نام تجویز کرنا کہ جو اللہ

---

[1] فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۲۴ [2] روض الانف، ج ۱، ص: ۱۰۵، زرقانی شرح موطا، ج: ۴، ص: ۲۷۰
[3] ج: ۱، ص: ۳۰ [4] ج: ۱، ص: ۴۲

کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو یعنی عبداللہ نام رکھنا یہ القاء ربانی تھا اسی طرح آپ کا نام مبارک مُحَمَّدٌ اور احمد رکھنا یہ بھی بلاشبہ الہام رحمانی تھا جیسا کہ علامہ نووی نے شرح مسلم میں ابن فارس وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کے گھر والوں کو الہام فرمایا اس لیے یہ نام رکھا (شرح مسلم باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم)[1]

اور یہی دو نام حق جل شانہ نے قرآن کریم میں ذکر فرمائے ہیں

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ	محمد اللہ کے رسول ہیں۔
وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ[2]	اور جس وقت کہ عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ توریت کا تصدیق کرنیوالا جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے اور اپنے بعد ایک آنیوالے رسول کی بشارت دینے والا جن کا نام احمد ہوگا۔

مُحَمَّدٌ کا اصل مادہ حمد ہے، حمد اصل میں کسی کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ اور کمالات اصلیہ اور فضائل حقیقیہ اور محاسن واقعیہ کو محبت اور عظمت کے ساتھ بیان کرنے کو کہتے ہیں اور تحمید جس سے مُحَمَّدٌ مشتق ہے وہ باب تفعیل کا مصدر ہے جس کی وضع ہی مبالغہ اور تکرار کے لیے ہوئی ہے۔ لہٰذا لفظ مُحَمَّدٌ جو تحمید کا اسم مفعول ہے اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ ذات ستودہ صفات کہ جن کے واقعی اور اصلی کمالات اور محاسن کو محبت اور عظمت کے ساتھ کثرت سے بار بار بیان کیا جائے۔

اَللّٰهُمَّ صل علیٰ محمد و علی اٰله و صحبه و بارك وسلم اور بعض کہتے ہیں کہ محمد کے معنی یہ ہیں کہ جس میں خصائل حمیدہ اور اوصاف محمودہ علی وجہ الکمال پائے جاتے ہوں۔ امام بخاری تاریخ صغیر میں فرماتے ہیں کہ علی بن زید سے مروی ہے کہ ابو طالب یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

---

[1] نووی، شرح مسلم، ج:۲، ص:۲۶۱ [2] الصف، آیۃ:۶

وشقَّ لَهٗ مِن اسمِهٖ لِيُجِلَّهٗ فذُو العَرشِ مَحْمُودٌ وَ هذا مُحَمَّدٌ

(فتح الباری باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ج:۶، ص:۴۰۴)

یہ شعر حسان بن ثابتؓ کے دیوان میں بھی مذکور ہے۔ ممکن ہے کہ توارد ہو یا حضرت حسان نے ابوطالب کے اس شعر پر تضمین کی ہو۔ واللہ اعلم (زرقانی شرح مؤطا)

احمد اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ بعض کے نزدیک اسم مفعول کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک اسم فاعل کے معنی میں ہے۔

اگر اسم مفعول کے معنی لیے جائیں تو احمد کے یہ معنی ہوں گے۔ سب سے زائد ستودہ تو بیشک مخلوق میں آپ سے زائد کوئی ستودہ نہیں اور نہ آپ سے بڑھ کر کوئی سراہا گیا۔

اور اگر اسم فاعل کے معنی میں لیا جائے تو احمد کے یہ معنی ہوں گے کہ مخلوق میں سب سے زیادہ خدا کی حمد اور ستائش کرنے والے یہ بھی نہایت صحیح اور درست ہے۔ دنیا میں آپ نے اور آپ کی امت نے خدا کی وہ حمد وثناء کی جو کسی نے نہیں کی۔ اسی وجہ سے انبیاء سابقین نے آپ کے وجود باجود کی بشارت لفظ احمد کے ساتھ اور آپ کی امت کی بشارت حمادین کے لقب سے دی ہے۔ جو نہایت درست ہے اور اللہ نے آپ کو سورۂ الحمد عطاء کی اور کھانے اور پینے اور سفر سے واپس آنے کے بعد اور ہر دعا کے بعد آپ اور آپ کی امت کو حمد وثنا پڑھنے کا حکم دیا۔ اور آخرت میں بوقت شفاعت آپ پر من جانب اللہ وہ محامد اور خدا کی وہ تعریفیں منکشف ہوں گی کہ جو نہ کسی نبی مرسل پر اور نہ کسی ملک مُنَزَّل پر منکشف ہوئیں اسی وجہ سے قیامت کے دن آپ کو مقام محمود اور لواء حمد عطا ہوا۔ اس وقت تمام اوّلین وآخرین جو میدان حشر میں جمع ہوں گے وہ آپ کی حمد وثنا کریں گے خلاصہ یہ کہ حمد کے تمام معانی اور انواع واقسام آپ کے لئے خاص کر دیئے گئے۔ کلمات الٰہیہ اور ارشادات نبویہ میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی حمد اور ثنا ہر کام کے ختم کے بعد پسندیدہ اور مستحسن ہے۔

وقال تعالیٰ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ [1]	ان کے درمیان حق کا فیصلہ کر دیا گیا اور کہا گیا کہ الحمدللہ رب العالمین۔
وَاٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ [2]	اہل جنت کی آخری دعا یہ ہوگی الحمد اللہ رب العالمین۔
فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ [3]	ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی اور الحمد اللہ رب العالمین۔

کھانے اور پینے کے بعد حق جل شانہ نے حمد اور شکر کا حکم دیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

کُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ	اللہ کے رزق کو کھاؤ اور شکر کرو

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر کی تفسیر حمد سے فرمائی چنانچہ حدیث میں ہے افضل الشکر الحمد للہ اور کھانے کے بعد الحمدللہ پڑھنے کی کثرت سے تاکید آئی ہے۔ جب سفر ختم ہوتا تو آپ یہ پڑھتے:۔

آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون	ہم اللہ کی طرف رجوع ہونے والے توبہ کرنیوالے اپنے پروردگار کی عبادت کرنے والے ہیں۔

اور جب نماز ختم ہوتی تو یہ آیت شریفہ پڑھتے۔ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

غرض یہ کہ آیات قرآنیہ اور کلمات قدسیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حمد کسی شئ کے اختتام ہی کے بعد ہوتی ہے اس لئے حق جل شانہ نے آپ کا نام محمد اور احمد رکھا۔ تاکہ انقطاع وحی اور اختتام نبوت ورسالت کی جانب مشیر ہو۔

[1] الزمر آیۃ: ۷۵ [2] یونس: ۱۰ [3] الانعام، آیۃ: ۴۵

آں حضرت ﷺ کے ان دونوں ناموں محمد اور احمد کی یہ تمام شرح علامہ سہیلی [۱] اور حافظ عسقلانی کے کلام سے ماخوذ ہے۔

بخاری اور مسلم میں [۲] جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں۔ (۱) میں محمد ہوں۔ (۲) میں احمد ہوں۔ (۳) میں ماحی ہوں یعنی کفر کا مٹانے والا ہوں (۴) میں حاشرؔ ہوں یعنی لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا۔ یعنی سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا یا یہ معنی ہیں کہ آپ اس روز سب کے امام اور پیشوا ہوں ہوں گے اور سب آپ کے محتاج ہوں گے۔ [۳] اور (۵) میں عاقب ہوں۔ یعنی تمام انبیاء کے بعد آنے والا۔ بخاری، ترمذی وغیرہ میں یہ لفظ ہیں **انا العاقب الذی لیس بعدی نبی** میں عاقب ہوں یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عاقب کے معنی یہ ہیں **الذی خَتَمَ اللّٰہُ بہ الانبیاء** جس پر اللہ نے انبیاء کا سلسلہ ختم فرمایا۔

سفیان فرماتے ہیں کہ عاقب کے معنی آخر الانبیاء ہیں [۴]

آنحضرت ﷺ کے اور بھی بہت نام ہیں مگر اس حدیث میں پانچ کی تخصیص غالباً اس لیے فرمائی کہ آپ کے مخصوص نام انبیاء سابقین کے صحیفوں میں زیادہ مشہور یہی پانچ نام ہیں۔ حافظ ابن سید الناس عیون الاثر [۵] میں فرماتے ہیں کہ حق جل شانہٗ نے عرب اور عجم کے دلوں اور زبانوں پر ایسی مہر لگائی کہ کسی کو محمد اور احمد نام رکھنے کا خیال ہی نہ آیا۔ اسی وجہ سے قریش نے متعجب ہو کر عبدالمطلب سے یہ سوال کیا کہ آپ نے یہ نیا نام کیوں تجویز کیا جو آپ کی قوم میں کسی نے نہیں رکھا لیکن ولادت باسعادت سے کچھ عرصہ پہلے لوگوں نے جب علماء بنی اسرائیل کی زبانی یہ سنا کہ عنقریب ایک پیغمبر ﷺ محمد اور احمد کے نام سے پیدا ہونے والے ہیں تو چند لوگوں نے اسی امید پر اپنی اولاد کا نام محمد رکھا مشیت ربانیہ اور حکمت

---

[۱] علامہ سہیلی نے روض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام ص ۱۰۶ ج ۱ میں ذکر کیا اور حافظ عسقلانی نے فتح الباری ص ۴۰۳ ج ۶ باب اسماء النبی ﷺ میں ذکر کیا ہے۔ [۲] حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ جن روایتوں میں العاقب کے بعد الذی لیس بعدہ نبی آیا ہے۔ ان روایتوں میں الذی لیس بعدہ کے مدرج ہونے کا احتمال ہے مگر ترمذی کی روایت الذی لیس بعدی (بصیغۂ متکلم) نبیؐ میں مدرج ہونے کا احتمال نہیں۔ دیکھو فتح الباری ص ۴۰۶ ج ۶ باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ ﷺ [۳] مصفّٰی شرح موطا، الشاہ ولی اللہ الدہلوی، ج:۲، ص:۲۸۵ [۴] زرقانی شرح موطا، ج:۴، ص:۲۷۲۔ [۵] ج:۱، ص:۲۱

الهیہ نے ایسا انتظام کیا کہ کسی نے بھی دعوائے نبوت نہیں کیا تا کہ محمد مصطفےٰ اور احمد مجتبیٰ ﷺ کی نبوت و رسالت میں کسی قسم کا اشتباہ پیش نہ آئے۔ تفصیل اگر درکار ہے تو فتح الباری ص ٤٠٤ ج ٦ و ص ٤٠٥ ج ٦ کی مراجعت کریں۔

بدنیان مقامے ونامے کہ دارد مقام تو محمود نامت محمدؐ

کنیت: آں حضرت ﷺ کی سب سے بڑی مشہور و معروف کنیت ابوالقاسم (ﷺ) ہے جو آپ کے سب سے بڑے صاحبزادہ قاسم کے نام پر ہے۔

دوسری کنیت ابوابراہیم ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہیکہ جب ماریۂ قبطیہ کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ فرمایا السلام علیك یا ابا ابراهیم. سلام ہو آپ پر اے ابوابراہیم[1]

ختنہ: ختنہ کے بارے میں تین قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ حضور مختون پیدا ہوئے حاکم کہتے ہیں کہ آپ کے مختون پیدا ہونے میں احادیث متواتر ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کے جدامجد عبدالمطلب نے ولادت کے ساتویں روز آپ کی ختنہ کرائی جیسا کہ عرب میں دستور تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی سنت کے مطابق مولود کے ساتویں روز ختنہ کراتے تھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے یہاں آپ کی ختنہ ہوئی اور یہ قول ضعیف ہے۔ مشہور اور معتبر قول اول ہی کے دو قول ہیں اور ان دونوں قولوں میں تطبیق بھی ممکن ہے کہ حضور ﷺ مختون ہی پیدا ہوئے۔ لیکن ختنہ کی تتمیم اور تکمیل عبدالمطلب نے کی۔

حضانت ورضاعت

ولادت باسعادت کے بعد تین چار روز تک آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو دودھ پلایا پھر آپ کے چچا ابولہب کی آزاد کردہ کنیز ثویبہ نے آپ کو دودھ پلایا۔

آپ کے چچا ابولہب کو جب ثویبہ نے آپ کی ولادت باسعادت کی خوشخبری سنائی تو

[1] مستدرک حاکم، ج:٢، ص:٦٠٤

ابولہب نے اس خوشی میں اسی وقت ثویبہ کو آزاد کر دیا اور ثویبہ ہی نے آپ سے پیشتر آپ کے سگے چچا حضرت حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ اس لئے حمزہؓ آپؐ کے رضاعی بھائی ہیں اور آپ کے بعد ثویبہ نے ابوسلمہ کو دودھ پلایا۔ (زرقانی ص ۱۳۷ ج ۱۔)

صحیح بخاری شریف میں ام المؤمنین ام حبیبہؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ میں نے یہ سُنا ہے کہ آپ ابوسلمہ کی بیٹی دُرّہ سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں آپ نے بطور تعجب فرمایا کہ ام سلمہ کی بیٹی سے جو میری تربیت میں ہے اگر دُرّہ میری ربیبہ[1] نہ ہوتی تب بھی میرے لیے حلال نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ میری رضاعی بھتیجی ہے۔ اس لیے کہ مجھ کو اور اس کے باپ ابوسلمہ[2] کو ثویبہ نے دودھ پلایا ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ حضرت حمزہؓ کی بیٹی سے نکاح فرمالیں تو کیسا ہے تو آپ نے فرمایا وہ میری رضاعی بھتیجی ہے۔

ثویبہ کے اسلام میں علماء کا اختلاف ہے۔ حافظ ابومندہ نے ثویبہ کو صحابیات میں ذکر کیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتح الباری ص ۱۲۴ ج ۹۔ کتاب النکاح۔)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ثویبہ کا بہت اکرام فرماتے تھے۔ حضرت خدیجہ سے نکاح ہو جانے کے بعد ثویبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں۔ ہجرت کے بعد بھی مدینہ منورہ سے آپ ثویبہ کے لیے کبھی ہدیہ بھیجتے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آپ نے ثویبہ اور اُن کے بیٹے مسروح کو دریافت کیا معلوم ہوا کہ دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کے اقارب میں سے کوئی زندہ ہے تاکہ اس کے ساتھ کچھ سلوک اور احسان فرمائیں۔ معلوم ہوا کہ اس کے خویش واقارب میں سے بھی کوئی زندہ نہیں۔ مرنے کے بعد ابولہب کو کسی[3] نے خواب میں دیکھا کہ نہایت بری حالت میں ہے پوچھا کہ کیا حال ہے۔ ابولہب نے کہا کہ میں نے تمہارے بعد کوئی راحت نہیں دیکھی۔ مگر صرف اتنی کہ ثویبہ کے آزاد کرنے کی وجہ سے

---

[1] ربیبہ بیوی کی اس بیٹی کو کہتے ہیں جو پہلے شوہر سے ہو ۱۲
[2] ابوسلمہ ام سلمہ کے پہلے شوہر ہیں۔ ابوسلمہ کی وفات کے بعد ام سلمہ آنحضرت کی زوجیت میں آئیں ۱۲ منہ عفا عنہ
[3] یہ خواب دیکھنے والے حضرت عباسؓ تھے ابولہب کی وفات کے ایک سال بعد یہ خواب دیکھا۔ البدایۃ والنہایۃ ص ۲۷۳ ج ۲

سرانگشت کی مقدار پانی پلا دیا جاتا ہے (بخاری شریف) یعنی جس انگشت کے اشارے سے آزاد کیا تھا اسی قدر مجھ کو پانی مل جاتا ہے۔

علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت عباس نے ابولہب کو خواب میں دیکھا کو بہت ہی بُری حالت میں ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نے تمہارے بعد کوئی راحت نہیں دیکھی مگر یہ کہ ہر دوشنبہ کو عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ (فتح الباری ص ۱۲۴ ج ۹)

ثویبہ کے بعد حلیمہ سعدیہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ شرفاء اپنے شیر خوار بچوں کو ابتداء ہی سے دیہات میں بھیج دیتے تھے تا کہ دیہات کی صاف و شفاف آب و ہوا میں ان کا نشو و نما ہو۔ زبان ان کی فصیح ہو اور عرب کا اصلی تمدن اور عربی خصوصیات ان سے علیحدہ نہ ہوں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

تمعددوا وتمعزروا واخشوشنوا۔[1]

معد بن عدنان کی ہیئت کو اختیار کرو۔ یعنی عجم کا لباس اور ان کی ہیئت نہ اختیار کرو اور شدائد پر صبر کرو اور موٹا پہنو یعنی تنعم میں نہ پڑو۔

ابوبکر صدیقؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی زبان نہایت فصیح ہے آپ نے فرمایا اوّل تو میں قریش میں سے ہوں اور پھر بنی سعد میں میں نے دودھ پیا ہے[2]

اسی دستور کے مطابق ہر سال بنی سعد کی عورتیں شیر خوار بچوں کی تلاش میں مکہ آیا کرتی تھیں۔ حلیمہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور بنی سعد کی عورتیں شیر خوار بچوں کی تلاش میں مکہ آئے میرے ساتھ میرا شوہر اور ایک میرا شیر خوار بچہ تھا۔ سواری کے لئے ایک لاغر اور دبلی گدھی اور ایک اونٹنی جس کا یہ حال تھا کہ ایک قطرہ دودھ کا اس سے نہ نکلتا تھا ہم بھوک کی وجہ سے رات بھر نہ سوتے۔ بچہ کا یہ حال کہ تمام شب بھوک کی وجہ سے روتا اور بلبلاتا میرے پستانوں میں اتنا دودھ نہ تھا کہ جس سے بچہ سیر ہو سکے۔ کوئی عورت ایسی نہ رہی کہ جس پر آپ پیش نہ کیے گئے ہوں مگر جب یہ معلوم ہوتا کہ آپ یتیم ہیں تو فوراً انکار کر دیتی کہ جس کے باپ ہی

---

[1] حافظ ابن اثیر نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اثر کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو ہم نے اپنے ترجمہ میں ظاہر کیا حافظ موصوف فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر معجم طبرانی میں بروایت ابی حدرد اسلمی مرفوعاً مروی ہے یعنی یہ کلام نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے۔ النہایہ

[2] روض الانف، ج ۱، ص: ۱۰۹۔

نہیں اس سے حق الخدمت ملنے کی کیا توقع کی جائے۔ مگر یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ یتیم نہیں ہے بلکہ دُرِ یتیم ہے اور یہ وہ مبارک مولود ہی ہے کہ جس کے ہاتھوں میں قیصر و کسریٰ کے خزائن کی کنجیاں رکھی جانے والی ہیں دنیا میں اگرچہ اس کا کوئی والی اور مربی اور حق الخدمت دینے والا نہیں مگر وہ رب العالمین جس کے ہاتھ میں تمام زمین اور آسمان کے بے شمار خزائن ہیں وہ اس یتیم کا والی اور متولی ہے اور اس کی پرورش اور تربیت کرنے والوں کو وہم و گمان سے زائد حق الخدمت دینے والا ہے۔

سب عورتوں نے شیر خوار بچے لے لئے صرف حلیمہ خالی رہ گئیں۔ جب روانگی کا وقت آیا تو حلیمہ کو خالی ہاتھ جانا شاق معلوم ہوا۔ یکا یک غیب سے حلیمہ کے دل میں اس یتیم کے لینے کا نہایت قوی داعیہ اور شدید تقاضہ پیدا ہو گیا۔ حلیمہ نے اپنے شوہر سے جا کر کہا۔

واللّٰہ لاذھبن الی ذلك الیتیم فلآ خُذَنّہٗ قال لا علیك عسی اللہ ان یجعل لنا فیہ برکۃ۔	خدا کی قسم میں ضرور اس یتیم کے پاس جاؤں گی اور ضرور اس کو لے کر آؤں گی۔ شوہر نے کہا اگر تو ایسا کرے تو کوئی حرج نہیں امید ہے کہ حق جل شانہٗ اس کو ہمارے لیے خیر و برکت کا سبب بنائے۔

برکت لغت میں خیر الٰہی کا نام ہے یعنی اس خیر اور بھلائی کا نام ہے کہ جو براہ راست اللہ کی طرف سے نازل ہو اور اسباب ظاہری کو اس میں دخل نہ ہو (کذا فی المفردات للامام الراغب) ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں۔ انا عند ظن عبدی بندہ میرے ساتھ جیسا گمان کرتا ہے میں اسی کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔

حلیمہ اسی برکت کی امید پر آپ کو لے آئیں۔ اللہ نے اسی امید کے مطابق ان پر برکتوں کا دروازہ کھول دیا۔ بنی سعد کی اور عورتوں نے مخلوق سے طمع باندھی اور حلیمہ نے خالق سے امید باندھی۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ اس مولود مسعود کا گود میں لینا تھا کہ جو پستان بالکل خشک تھے وہ دودھ سے بھر آئے اتنا دودھ ہوا کہ آپ بھی سیراب ہو گئے اور آپ کا رضاعی بھائی بھی سیر ہو گیا۔ اونٹنی کا دُودھ دوہنے کے لئے اٹھے تو دیکھتے کیا ہیں کہ تھن دودھ سے بھرے

ہوئے ہیں۔ میں نے اور میرے شوہر نے خوب سیر ہوکر دودھ پیا۔ رات نہایت آرام سے گذری صبح ہوئی تو شوہر نے حلیمہ سے کہا:۔

تعلمی واللہ یا حلیمة لقد اخذت نسمة مُبارکةً	اے حلیمہ خوب سمجھ لے کہ خدا کی قسم تو نے بہت ہی مبارک بچہ لیا ہے۔

اس پر حلیمہ نے یہ کہا۔

واللہ انی لا رجو اذلک خدا کی قسم میں یقین سے کہتی ہوں کہ البتہ میں اللہ سے یہی امید رکھتی ہوں۔

اب قافلہ کی روانگی کا وقت آیا اور سب سوار ہوکر چل پڑے حلیمہ بھی اس مولود مسعود کو لے کر سوار ہوئیں۔ حلیمہ کی وہ دبلی پتلی سواری جس کو پہلے چابک مار مار کر ہنکایا جاتا تھا وہ اب برق رفتار ہے اور کسی طرح تھامے تھمتی نہیں۔ اس وقت تو وہ ایک نبی کا مرکب بنی ہوئی ہے ساتھ والی عورتوں نے پوچھا۔ اے حلیمہ یہ وہی سواری ہے عورتوں نے کہا کہ واللہ اس وقت تو اس کی شان ہی جدا ہے۔ اسی طرح ہم بنی سعد میں پہنچے۔ اس وقت بنی سعد کی سرزمین سے زیادہ کسی جگہ قحط نہ تھا۔ میری بکریں جب شام کو چراگاہ سے واپس آتیں تو دودھ سے بھری ہوئی ہوتیں اور دوسروں کی بکریں بالکل بھوکی آتیں تھنوں میں ایک قطرہ دودھ کا نہ ہوتا یہ دیکھ کر لوگوں نے اپنے چرواہوں سے کہا کہ تم بھی اسی جگہ چرایا کرو جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مگر پھر بھی یہی ہوا کہ شام کو حلیمہ کی بکریں پیٹ بھری ہوئی دودھ سے لبریز آتیں اور دوسری بکریں بھوکی واپس آتیں تھنوں میں دودھ ایک قطرہ نہ ہوتا۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ[1] ہم کو اسی طرح خیر و برکت دکھلاتا رہا اور ہم اللہ کی طرف سے اسی طرح خیر و برکت کا مشاہدہ کرتے رہے۔ اسی طرح جب دو سال پورے ہوگئے تو میں نے آپ کا دودھ چھڑا دیا۔

---

[1] حضرت حلیمہ کا یہ تمام واقعہ سیرۃ ابن ہشام میں مذکور ہے صرف خط کشیدہ الفاظ ایک دوسری روایت کے الفاظ کا ترجمہ ہے جسکو علامہ سیوطی نے خصائص کبریٰ ص ۵۴ ج ۱ میں بحوالہ محمد بن اسحاق وطبرانی وبیہقی نقل کیا ہے وہ الفاظ یہ ہیں فلم یزل للہ یرینا البرکۃ ونتعرفہا اور سیرۃ ابن ہشام کے یہ الفاظ ہیں فلم نزل نتعرف من اللہ الزیادہ والخیر۔ ہم نے دونوں کا ملا کر ترجمہ کردیا ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور یہ ان احادیث میں سے ہے کہ جو اہل سیر ومغازی کے مابین مشہور اور متداول ہے البدایۃ والنہایۃ ص ۲۷۵ ج ۲

جب دو سال پورے ہو گئے تو حلیمہ آپ کو لے کر مکہ آئیں تا کہ حضرت آمنہ کی امانت ان کے حوالے کریں مگر آپ کے وجود باجود کی وجہ سے خداوند ذوالجلال کی جو برکتیں مبذول تھیں اس وجہ سے حلیمہ نے حضرت آمنہ سے درخواست کی کہ اس دریتیم کو اور چند روز میرے ہی پاس چھوڑ دیں۔ ان دنوں مکہ میں وباء بھی تھی ادھر حلیمہ کا غیر معمولی اصرار اس لئے حضرت آمنہ نے حلیمہ کی درخواست منظور کی اور آپ کو اپنے ہمراہ لے جانے کی اجازت دی۔ حلیمہ آپ کو لے کر بنی سعد واپس آ گئیں۔ چند ماہ گذرنے کے بعد آپ بھی اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل میں بکریاں چرانے جانے لگے۔

شقِّ صدر

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ اپنے رضاعی بھائیوں کے ہمراہ بکریاں چرانے جنگل گئے ہوئے تھے کہ یکایک آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا کہ دو سفید پوش آدمی آئے اور ہمارے قریشی بھائی کو زمین پر لٹا کر ان کا شکم مبارک چاک کیا۔ اب اس کو سی رہے ہیں یہ واقعہ سنتے ہی حلیمہ اور ان کے شوہر کے ہوش اڑ گئے۔ افتاں وخیزاں دوڑے۔ دیکھا کہ آپ ایک جگہ کھڑے ہوئے ہیں اور چہرۂ انور کا رنگ فق ہے۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے فوراً آپ کو سینہ سے چمٹا لیا اور پھر آپ کے رضاعی باپ نے آپ کو سینہ سے لگایا اور آپ سے دریافت کیا کہ کیا واقعہ تھا۔ آپ نے بیان فرمایا۔ حلیمہ آپ کو لے کر گھر واپس آ گئیں۔[1]

ور واہ ابو یعلی و الطبرانی ور جالھاثقات

شق صدر کا واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عمر میں چار مرتبہ پیش آیا۔

اول بار زمانۂ طفولیت میں پیش آیا جب آپ حلیمہ سعدیہ کی پرورش میں تھے اور اس وقت آپ کی عمر مبارک چار سال کی تھی۔ ایک روز آپ جنگل میں تھے کہ دو فرشتے جبرئیل اور میکائیل سفید پوش انسانوں کی شکل میں ایک سونے کا طشت برف سے بھرا ہوا لے کر نمودار ہوئے اور آپ کا شکم مبارک چاک کر کے قلب مطہر کو نکالا پھر قلب کو چاک کیا اور اس میں سے ایک یا دو ٹکڑے خون کے جمے ہوئے نکالے اور کہا یہ شیطان کا حصہ ہے۔ پھر شکم اور

---

[1] سیرۃ ابن ہشام، ج:۱،ص:۵۶، نیز مجمع الزوائد، ج ۸،ص:۲۲۱۔

قلب کو اس طشت میں رکھ کر برف سے دھویا بعد ازاں قلب کو اپنی جگہ پر رکھ کر سینہ پر ٹانکے لگائے اور دونوں شانوں کے درمیان ایک مہر لگادی۔

حلیمہ سعدیہ کے یہاں زمانۂ قیام میں شق صدر کا واقعہ پیش آنا متعدد روایات میں مختلف صحابہ سے مروی ہے۔

(پہلی روایت) عتبہ بن عبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] کی ہے جو مسند احمد معجم طبرانی میں مذکور ہے۔ عتبہؓ کی یہ روایت مستدرک حاکم ص ۶۱۶ ج ۲ میں بھی مذکور ہے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ عتبہ کی یہ حدیث[2] شرط مسلم پر ہے۔ حافظ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں حاکم کی تصحیح کا کوئی رد نہیں فرمایا۔ علامہ ہیثمی۔ حدیث عتبہ کو ذکر کر کے فرماتے ہیں **رواہ احمد و الطبرانی و اسناد احمد حسن**[3]

(دوسری روایت) ابوذر رضی اللہ عنہ[4] کی ہے جو مسند بزار اور دارمی وغیرہ میں مذکور ہے۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ حدیث ابی ذر کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ حافظ ضیاء الدین مقدسی نے مختارہ میں اس حدیث کو صحیح بتلایا ہے اور علماء نے تصریح کی ہے کہ حافظ مقدسی کی تصحیح حاکم کی تصحیح سے زیادہ موثق و مستند ہے۔[5] ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مسند احمد اور دلائل بیہقی میں مذکور ہے[6]

---

[1] حدیث عتبۃ بن عبد السلمی اخرجہ احمد والطبرانی وغیرہما عنہ انہ سال رسول اللہ کیف کان بدء امرک فذکر القصۃ فی ارتضاعہ فی بنی سعد وفیہ ان الملکین لما شقا صدرہ قال احدہما الآخر خطہ فخاطہ وختم علیہ بخاتم النبوۃ۔ فتح الباری ص ۴۰۹ ج ۶ باب خاتم النبوۃ

[2] اس روایت کی سند میں ایک راوی بقیۃ بن الولید ہے جس کی وجہ سے بعض مصنفین کو اس حدیث کے شرط مسلم پر ہونے میں تردد ہے۔ عبد اللہ بن المبارک، یحیی بن معین۔ ابوزرعہ، عجلی، ابن سعد فرماتے ہیں کہ بقیۃ ابن الولید خود فی حد ذاتہ ثقہ ہے اگر ثقات سے روایت کرے تو اس کی روایت معتبر ہے۔ ورنہ نہیں امام نسائی فرماتے ہیں کہ بقیۃ بن ولید اگر حدثنا اور اخبرنا سے روایت کرے تو مقبول ہے اور اگر عن کے ذریعہ روایت کرے تو وہ روایت نہیں لی جائے گی۔ تہذیب ص ۴۷۴ ج ا ص ۴۷۵ ج ا یہ خوب یاد رہے کہ یہ روایت مذکورہ تلخیص میں اگرچہ بطریق عن ہے لیکن مستدرک میں حدثنا اور اخبرنا سے مروی ہے۔ حدثنا بقیۃ بن الولید قال حدثنی بجیر بن سعید عن خالد بن معدان عن عتبۃ بن عبد السلمی اور بقیۃ نے یہ روایت ثقہ سے لی ہے کسی مجہول یا ضعیف راوی سے نہیں اس لئے کہ بجیر بن سعید جس سے بقیۃ ابن الولید نے روایت کی ہے احمد بن حنبل اور عجلی اور ابن سعد اور نسائی اور ابو حاتم اور ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ تہذیب ص ۴۳۱ ج ا

[3] مجمع الزوائد، ج:۸، ص:۲۲۲۔

[4] علامہ زرقانی کے الفاظ یہ ہیں۔ قلت لاشک فی صحۃ اسنادہ فقد صححہ الضیاء وقد قال العلماء ان تصحیحہ اعلی من تصحیح الحاکم زرقانی ص ۱۶۱ ج ۱۔

[5] زرقانی، ج ۱، ص: ۱۶۰، ۱۶۱

[6] ج: ۶، ص: ۴۰۹

(تیسری روایت) انس بن مالکؓ[۱] کی ہے جو طبقات ابن سعد میں مذکور ہے جس کے تمام راوی بخاری و مسلم کے مُسلَّم ثقہ اور مستند راوی ہیں۔

(چوتھی روایت) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس کو علامہ سیوطی نے بحوالۂ بیہقی اور ابن عساکر خصائص میں ذکر کیا ہے[۲]

(پانچویں روایت) شداد بن اوسؓ سے مروی ہے جس کو حافظ عسقلانی نے فتح الباری باب خاتم النبوۃ میں اور علامہ زرقانی نے شرح مواہب ص ۱۵۰ ج ۱ میں بحوالۂ مسند ابی یعلی اور دلائل ابونعیم ذکر کیا ہے[۳]

(چھٹی روایت) خالد بن معدان تابعی کی ہے کہ جو طبقات ابن سعد ص ۹۶ ج ۱ میں مرسلاً مذکور ہے۔ مگر محمد بن اسحاق کے سلسلہ سند میں مذکور ہے کہ خالد بن معدان کلاعی کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے مجھ سے شق صدر کا یہ واقعہ بیان کیا الخ (سیرۃ ابن ہشام ص ۵۶ ج ۱) حافظ ابن کثیر محمد بن اسحاق کی یہ روایت نقل کر کے فرماتے ہیں ہٰذا اسناد جید قوی[۴]

ابن عباس اور شداد بن اوس اور خالد بن معدان کی روایتیں۔ بعض راویوں کے ضعیف ہونے کی وجہ سے اگرچہ فرداً فرداً ضعیف ہوں لیکن اوّل تو تعدد طرق سے حدیث کے ضعف میں کمی آجاتی ہے۔ دوم یہ کہ جو ضعیف روایت متعدد صحابہ اور مختلف سندوں سے مروی ہو تو ایسی ضعیف حدیث بلاشبہ صحیح حدیث کی مؤید ہو سکتی ہے اور چند ضعاف کے انضمام سے حدیث صحیح کی صحت اور وثاقت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے رہا یہ امر کہ سلسلۂ معراج میں بچپن کے شق صدر کا ذکر نہیں یا دوسری بعض روایتوں میں اس شق صدر کا ذکر نہیں سو یہ اس کے غیر معتبر ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی عدم ذکر کو ذکر عدم کی دلیل بنانا عقلاً صحیح نہیں احادیث معراج ہی کو لے لیجئے کہ تقریباً پچاس صحابہ کرام سے مروی ہیں لیکن ہر صحابی کی روایت میں کچھ ایسے

---

[۱] وہ روایت یہ ہے اخبرنا یزید بن ہارون وعفان بن مسلم قالا نا حماد بن سلمۃ عن ثابت عن انسؓ بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یلعب مع الصبیان فاتاہ آت فاخذہ فشق بطنہ فاستخرج منہ علقۃ فرمی بہا وقال ہذا نصیب الشیطان منک ثم غسلہ فی طست من ذہب من ماء زمزم ثم لأمہ فاقبل الصبیان الی ظئرہ قتل محمد فاستقبلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد انتقع لونہ قال انس فلقد کنا نری اثر المخیط فی صدرہ۔ طبقات ابن سعد ذکر علامات النبوۃ قبل ان یوحی الیہ ص ۹۷ ج ۱

[۲] الخصائص الکبریٰ ج:۱ ص:۵۵ [۳] ج:۱ ص:۱۵۰۔ [۴] البدایۃ والنہایۃ، ج:۲ ص:۲۷۵

امور کا ذکر ہے کہ جو دوسرے صحابہ کی روایت میں اس کا ذکر نہیں اسی طرح یہاں سمجھ لیجئے کہ راوی نے کسی جگہ فقط معراج کے شق صدر کو ذکر کیا اور کسی جگہ فقط طفولیت کے شق صدر کو بیان کیا اور کسی جگہ دونوں کو جمع کر دیا اور ہر شق صدر کا زمان اور مکان مختلف ہے اور ہر ایک جداگانہ واقعہ ہے فقط ایک واقعہ کا ذکر دوسرے غیر مذکورہ واقعہ کی نفی پر دلالت نہیں کرتا۔

دوسری بار شق صدر کا واقعہ آپ کو دس سال کی عمر میں پیش آیا۔ یہ حضرت ابو ہریرہؓ [۱] سے صحیح ابن حبان اور دلائل ابی نعیم وغیرہ میں مذکور ہے۔

ابو ہریرہؓ کی حدیث کو حافظ مقدسی نے مختارہ میں اور عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں زوائد مسند کے سند کے راوی کل ثقہ ہیں۔ [۲] رواہ عبداللہ ورجالہ ثقات وثقہم ابن حبان..... اور صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ (فتح الباری علامات النبوۃ فی الاسلام۔)

تیسری بار یہ واقعہ بعثت کے وقت پیش آیا جیسا کہ مسند ابی داؤد طیالسی ص ۲۱۵ اور دلائل ابی نعیم ص ۶۹ ج ۱ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ حافظ ابن الملقن [۳] نے شرح بخاری میں اور حافظ عسقلانی نے فتح الباری باب المعراج میں **باب ماجاء فی قولہ عزوجل وکلم اللہ موسی تکلیما** میں بعثت کے وقت شق صدر کا ثابت ہونا تسلیم کیا ہے نیز اس واقعہ کا بوقت بعثت پیش آنا مسند بزار میں ابوذر غفاری سے مروی ہے علامہ ہیثمی

---

[۱] ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کو حافظ عسقلانی نے فتح الباری ج ۱۳ باب ماجاء فی قولہ عزوجل وکلم اللہ موسیٰ تکلیما میں ذکر کیا ہے ۱۲۔ [۲] زرقانی، ج:۱، ص:۱۸۳ [۳] حضرت عائشہ کی روایت جو دلائل ابی نعیم میں مذکور ہے اس کی سند میں دو راوی متکلم فیہ ہیں ایک یزید بن بانبوس ہے۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ یزید بن بانبوس مجہول ہے لیکن دار قطنی فرماتے ہیں لاباس بہ اس میں کچھ حرج نہیں یعنی اچھا خاصہ راوی ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ تہذیب ص ۳۱۱ ج ۱۱ حافظ مزی تہذیب الکمال میں فرماتے ہیں کہ ذکرہ ابن حبان فی الثقات روی البخاری فی الادب وابوداؤد والترمذی فی الشمائل والنسائی اور تہذیب الکمال ص ۲۲۱ ج ۷ دوسرا راوی داؤد فرماتے ہیں ثقہ ہے لیکن مشابہ ضعیف کے ہے نسائی فرماتے ہیں۔ ضعیف ہے تہذیب ص ۱۹۹ ج ۳

بہرحال اس حدیث کی سند لاباس بہ سے کسی طرح کم نہیں معلوم ہوتی خصوصاً جب کہ ابوداؤد طیالسی کی سند کو بھی اس کے ساتھ ملا لیا جائے تو اور قوت آجاتی ہے اسی وجہ سے حافظ ابن ملقن اور حافظ عسقلانی نے اس کو ثبت کے لفظ سے تعبیر فرمایا حافظ ابن ملقن کے یہ الفاظ ہیں وثبت شق الصدر ایضاً عند البعثۃ کما اخرجہ ابونعیم فی الدلائل اور شرح بکاری ص ۳۸۷ ج ۷ اور عسقلانی کے الفاظ بھی اسی کے قریب بلکہ یہی ہیں ۱۲۔

فرماتے ہیں کہ ابوذر کی یہ حدیث اس حدیث کے مغائر ہے جو ابوذر ہی سے دربارۂ اسراء و معراج صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور بخاری کے راوی ہیں مگر جعفر بن عبداللہ بن عثمان الکبیر جس کی ابوحاتم رازی اور ابن حبان نے توثیق کی ہے اور عقیلی نے اس میں کلام کیا ہے (۲)

چوتھی بار: یہ واقعہ معراج کے وقت پیش آیا جیسا کہ بخاری اور مسلم اور ترمذی اور نسائی وغیرہ میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور اس بارے میں روایتیں متواتر اور مشہور ہیں۔

الحاصل

یہ چار مرتبہ کا شق صدر تو روایات صحیحہ اور احادیث معتبرہ سے ثابت ہے اور بعض روایات میں پانچویں مرتبہ بھی شق صدر کا ذکر آیا ہے کہ بیس سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر ہوا۔ مگر یہ روایت باجماع محدثین ثابت اور معتبر نہیں۔

شق صدر کی حقیقت

علامہ قسطلانی مواہب میں اور علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں۔

ثم ان جميع ماورد من شق الصدر استخراج القلب وغير ذلك من الامور الخارقة للعادة ممايجب التسليم له دون التعرض لصرفه عن حقيقته لصلاحية القدرة فلا يستحيل شئ من ذالك هكذا قاله القرطبي في المفهم والطيبي والتور

یہ جو کچھ مروی ہوا یعنی شق صدر اور قلب مبارک کا نکالنا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے خوارق کا اسی طرح تسلیم کرنا واجب اور لازم ہے جس طرح منقول ہوئے ان کو اپنی حقیقت سے نہ پھیرنا چاہئے اللہ کی قدرت سے کوئی شے محال نہیں امام قرطبی اور علامہ طیبی اور حافظ تورپشتی اور حافظ عسقلانی اور علامہ سیوطی اور دیگر اکابر علماء بھی یہی فرماتے ہیں کہ شق صدر اپنی حقیقت پر محمول ہے اور

بشتی والحافظ فی الفتح والسیوطی وغیرهم و یؤیده الحدیث الصحیح انهم کانوا یرون اثر المخیط فی صدره قال السیوطی وما وقع من بعض جهلة العصر من انکار ذلك و حمله علی الامر المعنوی فهو جهل صریح وخطاء قبیح نشاء من خذ لان الله تعالیٰ لهم و عکوفهم علے العلوم الفلسفیة و بُعد هم عن دقائق السنة عافانا الله من ذلك انتهیٰ[1]

حدیث صحیح اس کی مؤید ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے کہ صحابۂ کرام سیون یعنی سلائی کا نشان حضور کے سینہ مبارک پر اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ بعض جہلاء عصر کا شق صدر سے منکر ہونا اور بجائے حقیقت کے اس کو امر معنوی پر محمول کرنا (جیسا کہ اس زمانہ کے بعض سیرت نگار کہتے ہیں کہ شق صدر سے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ شرح صدر کے معنی مراد ہیں) یہ صریح جہالت اور سخت غلطی ہے جو حق تعالیٰ کی عدم توفیق اور علوم فلسفیہ میں انہماک اور علوم سنت سے بعد اور دوری کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

خلاصۂ کلام یہ کہ شق صدر سے حقیقۃً سینہ کا چاک کرنا مراد ہے۔ شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد لینا جو ایک خاص قسم کا علم ہے۔ صریح غلطی ہے۔ شق صدر حضورؐ کے خاص الخاص معجزات میں سے ہے اور شرح صدر حضورؐ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ابوبکر وعمر کے زمانے سے لے کر اب تک بھی علماء صالحین کو شرح صدر ہوتا رہا ہے۔ نیز اگر شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد ہوں جو کہ ایک امر معنوی ہے تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا کہ سیون کا نشان جس کو آپ کے سینۂ مبارک پر صحابۂ کرام اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کیا شرح صدر سے سینہ پر سلائی کے نشان نمودار ہو جاتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم.

---

[1] زرقانی شرح مواہب، ج:۶، ص:۲۴

شق صدر کے اسرار

پہلی مرتبہ حلیمہ سعدیہ کے یہاں زمانہ قیام میں قلب چاک کر کے جو ایک سیاہ نقطہ نکالا گیا۔ وہ حقیقت میں گناہ اور معصیت کا مادہ تھا جس سے آپ کا قلب مطہر پاک کر دیا گیا اور نکالنے کے بعد قلب مبارک غالباً اس لیے دھویا کہ گناہوں کا مزاج گرم ہے جیسا کہ شیخ اکبر نے فتوحات میں لکھا ہے۔ اس لیے مادۂ معصیت کے بجھانے کے لیے برف کا استعمال کیا گیا کہ حرارت عصیاں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے اور قرآن و حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتَامیٰ ظُلْماً اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا تحقیق جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ حقیقت میں اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مال حرام اگرچہ دنیا میں کتنا ہی ٹھنڈا کیوں نہ ہو لیکن عالم آخرت کے لحاظ سے اس کا مزاج آگ سے کم گرم نہیں جیسے صبر کا مزاج اس عالم میں حنظل سے زیادہ تلخ ہے مگر عالم آخرت میں عَسَل (شہد) سے زیادہ شیریں ہے۔ وقس علی ہذا۔ اور ایک حدیث میں الصدقة تطفئ الخطيئة كما يطفئ الماء النار یعنی صدقہ گناہ کو ایسا ہی بجھا دیتا ہے جیسا پانی آگ کو (رواہ احمد والترمذی عن معاذ بن جبل) ایک اور حدیث میں ہے۔

ان الغضب من الشيطان وان الشيطان خلق من النار و انما يطفأ النار بالماء فاذا غضب اَحدُكم فليتوضّأ (رواہ ابوداؤد)

غصہ شیطان کی جانب سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے (نتیجہ یہ نکلا کہ غصہ آگ سے پیدا ہوا ہے) اور جز ایں نیست کہ آگ کو پانی ہی سے بجھایا جاتا ہے۔ اس لیے جب کسی کو غصہ آئے تو وضو کر لے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ ٹھنڈے پانی سے وضو کرے یا غسل کرے۔ آگ میں دو وصف خاص ہیں۔ ایک حرارت اور گرمی اور دوسرے علو یعنی اُوپر کو چڑھنا۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے پہلے وصف کے لحاظ سے غضب کا یہ علاج تجویز فرمایا کہ وضو کرو اور غصّہ کی آگ کو پانی سے بجھاؤ اور دوسرے وصف یعنی بڑائی کے لحاظ سے یہ علاج تجویز فرمایا۔

اذا غضب احدکم وھو قائم فلیجلس فان ذھب عنہ الغضب والا فلیضطجع (رواہ احمد و الترمذی عن ابی ذرؓ)	جس کو غصہ آئے وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اگر اس سے غصّہ جاتا رہے تو فبہا ورنہ لیٹ جائے اس حدیث کو احمد بن حنبل اور ترمذی نے ابوذر سے روایت کیا ہے۔

غصہ کی وجہ سے انسان میں جو ایک قسم کا علو اور بڑائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج تواضع تذلل اور تمسکن سے فرمایا کہ غصّہ آتے ہی فوراً زمین پر بیٹھ جاؤ یا لیٹ جاؤ اور سمجھ لو کہ ہم اسی مشت خاک سے پیدا کیے گئے ہیں آگ بگولہ بننے کی کیا ضرورت ہے بخاری اور مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ثناء کے بعد نماز میں دُعا مانگا کرتے تھے۔

اللّٰھم اغسل خطایای بماء الثلج والبرد	اے اللہ میری خطاؤں کو برف اور اولے کے پانی سے دھودے۔

اس دعا میں آنحضرت ﷺ نے دو چیزوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (۱) گناہوں کی نجاست کی طرف کہ ان کے دھونے کی اللہ سے درخواست کی اس لیے کہ طریقہ یہ ہے کہ نجاست اور ناپاکی ہی کو دھوتے ہیں پاک چیز کو نہیں دھوتے (۲) گناہوں کی حرارت اور گرمی کی طرف کہ برف اور اولے کے پانی سے ان کے بجھانے کی درخواست کی اس لیے کہ اگر گناہوں میں فقط نجاست ہی ہوتی اور حرارت نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ نبی اکرم ﷺ بجائے برف کے پانی کے گرم پانی سے ان کے دھونے کی درخواست فرماتے۔ لیکن گناہوں میں نجاست کے ساتھ حرارت بھی ہے اس لیے تطہیر نجاست کے علاوہ تبرید اور تسکین حرارت کی بھی ضرورت ہے۔ گرم پانی سے اگرچہ تطہیر نجاست کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے مگر تبرید اور تسکین کا مقصد علی وجہ الاتم برف اور اولے ہی کے پانی سے حاصل ہوسکتا ہے اس لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بجائے گرم پانی کے ٹھنڈے پانی سے گناہوں سے دھونے کی دعا فرمائی۔ اسی وجہ سے امام نسائی نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا۔ کہ نماز کے لیے بجائے گرم پانی کے ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا افضل اور بہتر ہے اس لیے کہ وضو اور نماز سے مقصد گناہوں کی آگ کو بجھانا ہے جیسا کہ ابوذر کی حدیث سے

(جو غصّہ کے علاج کے بارہ میں گذر چکی) معلوم ہوتا ہے اور معجم طبرانی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نماز کے وقت ایک منادی اللہ کی طرف سے ندا دیتا ہے۔ کہ بنی آدم اُٹھو اور اس آگ کو بجھاؤ جو تم نے اپنے اوپر روشن کی ہے اہل ایمان اُٹھتے ہیں اور وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتے ہیں۔

جس طرح ان آیات اور احادیث سے گناہوں کے مزاج کا گرم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ایسا ہی حدیث سے حب الٰہی اور محبت خداوندی کے مزاج کا سرد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰھم اجعَلْ حبَّك اَحبّ اِلیّ مِن نفسی واھلی ومن الماء البارد	اے اللہ اپنی محبت میرے لئے سب سے زیادہ محبوب بنادے حتی کہ میرے نفس سے اور میرے اہل سے اور ٹھنڈے پانی سے۔

ماءِ بارد (ٹھنڈے) کا مزاج تو بارد ہوتا ہے۔ لیکن اہل کا مزاج بھی بارد معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے قرآن میں اپنے خاص بندوں کی یہ دعا ذکر فرمائی ہے۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ [1]	اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما

یعنی ان کو تیری اطاعت اور فرمانبرداری میں دیکھوں اور تیری معصیت میں نہ دیکھوں اس لیے کہ مؤمن کی آنکھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی سے ٹھنڈی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ آنکھیں ٹھنڈی ہی چیز سے ٹھنڈی ہوتی ہیں معلوم ہوا کہ اطاعت خداوندی کا مزاج ٹھنڈا ہے اور معصیت کا مزاج گرم ہے کیونکہ معصیت کا تعلق جہنم سے ہے۔

اس لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک ہی سلسلہ میں ماء بارد اور اہل کو ملا کر دعا فرمائی کہ اے اللہ اپنی محبت گھر والوں اور ٹھنڈے پانی سے کہیں زائد ہمارے لئے محبوب بنادے آمین۔

[1] الفرقان آیۃ: ۷۴

ائمہ نحو کے نزدیک اگرچہ معطوف اور معطوف علیہ میں مناسبت ضروری نہیں کیونکہ یہ شئ ان کی موضوع بحث سے خارج ہے مگر بلغاء کے نزدیک مناسبت ضروری ہے۔ پس ناممکن ہے کہ نبی اکرم سرورِعالم افصح العرب والعجم ﷺ کا کلام فصاحت التیام مناسبت سے خالی ہو۔ جس طرح آیات اور احادیث سے معاصی کے مزاج کا گرم ہونا اور طاعات کے مزاج کا بارد ہونا معلوم ہوتا ہے اسی طرح کچھ خیال آتا ہے کہ شاید مباحات کا مزاج معتدل ہو نہ حار اور نہ بارد واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اور دوسری بار دس سال کی عمر میں جو سینہ چاک کیا گیا وہ اس لیے کیا گیا تا کہ قلب مبارک مادۂ لہو ولعب سے پاک ہو جائے۔ اس لئے کہ لہو ولعب خدا سے غافل بنا دیتا ہے

اور تیسری بار بعثت کے وقت جو قلب مبارک چاک کیا گیا وہ اس لئے کہ قلب مبارک اسرار وحی اور علوم الٰہیہ کا تحمل کر سکے۔

اور چوتھی بار معراج کیوقت اس لئے سینہ چاک کیا گیا تا کہ قلب مبارک عالم ملکوت کی سیر اور تجلیات الٰہیہ اور آیات ربانیہ کے مشاہدہ اور خداوند ذوالجلال کی مناجات اور اس کے بے چون و چگون کلام کا تحمل کر سکے غرض یہ کہ بار بار شق صدر ہوا اور ہر مرتبہ کے شق صدر میں جداگانہ حکمت ہے۔ بار بار شق صدر سے مقصود یہ تھا کہ قلب مطہر و منور کی طہارت و نورانیت انتہا کو پہنچ جائے۔ حضرات اہل علم فتح الباری باب المعراج کی مراجعت کریں۔

شق صدر کے بعد مہر کیوں لگائی گئی

جب کسی شے کی حفاظت مقصود ہوتی ہے تو مہر لگا دیتے ہیں تا کہ جو شے اس میں رکھ دی گئی ہے وہ اس میں سے نکلنے نہ پائے۔ جواہرات بھر کر تھیلی پر مہر لگا دیتے ہیں کہ کوئی موتی نکلنے نہ پائے۔ اسی طرح آپ کے قلب مبارک کو علم و حکمت سے بھر کر دو شانوں کے درمیان مہر لگا دی گئی تا کہ اس خزینہ سے کوئی شے ضائع نہ ہونے پائے۔[1]

نیز جس طرح شق صدر سے قلب کا اندرونی حصہ حظ شیطان سے پاک کر دیا گیا اسی

---

[1] خواتم الحکم ص: ۱۵۲۔

طرح دوشانوں کے درمیان قلب کے مقابل بائیں جانب ایک مہر لگا دی گئی تاکہ قلب شیطان کے وسوسوں اور بیرونی حملوں سے محفوظ ہو جائے اس لیے کہ شیطان اسی جگہ سے وسوسے ڈالتا ہے عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ کسی شخص نے حق جل شانہ سے درخواست کی کہ اے رب العالمین مجھ کو شیطان کے وسوسے کا راستہ دکھلا کہ وہ کس راہ سے آ کر آدمی کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے تو من جانب اللہ دوشانوں کے درمیانی جگہ جو قلب کے مقابل بائیں جانب ہے وہ دکھلائی گئی کہ شیطان اس راہ سے آتا ہے اور جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے۔[1]

خلاصہ یہ کہ جس طرح قلب مبارک کا اندرونی حصہ شق صدر کے ذریعہ مادہ شیطانی سے پاک کر دیا گیا اسی طرح پشت کی جانب مہر لگا کر باہر سے بھی شیطان کی آمد کا راستہ بند کر دیا گیا۔

مہر نبوّت کب لگائی گئی؟

بعض کہتے ہیں مہر نبوت ابتدائے ولادت سے تھی اور علمائے بنی اسرائیل آپ کو اسی علامت سے جانتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ شقِ صدر کے بعد مہر لگائی گئی۔ پہلا قول زیادہ صحیح اور راجح ہے جیسا کہ بعض روایات سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش ہی مہر نبوت کے ساتھ ہوئی اور عجب نہیں کہ جن روایات میں شقِ صدر کے بعد مہر نبوت کا لگانا مذکور ہے۔ وہ سابق مہر نبوت کی تجدید اور اعادہ ہو اس طرح سے تمام روایات میں تطبیق اور توفیق ہو جاتی ہے۔[2]

شق صدر کے واقعہ سے حضرت حلیمہ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا آپ کو کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے اس لیے آپ کو حضرت آمنہ کے پاس مکہ لے کر حاضر ہوئیں اور تمام واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت آمنہ اس واقعہ کو سُن کر بالکل ہراساں نہ ہوئیں اور ان انوار وتجلیات اور ان خیرات اور برکات کو جو زمانۂ حمل اور ولادت باسعادت کے وقت ظاہر ہوئے تھے ذکر کر کے یہ فرمایا کہ میرے اس بیٹے کی شان بہت بڑی ہوگی۔ اس مولود مسعود تک شیطان کی رسائی ناممکن ہے۔ تم مطمئن رہو اس کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتی۔ حلیمہ اپنے گھر واپس ہو گئیں اور آپ اپنی

---

[1] روض الانف ج:۱،ص:۱۱۱ [2] زرقانی، ج:۱،ص:۱۶۰، ۱۶۳

والدہ ماجدہ کے پاس رہنے لگے۔ جب عمر شریف چھ سال کو پہنچی تو حضرت آمنہ نے مدینہ کا قصد فرمایا اور آپ کو بھی ساتھ لے گئیں۔ ام ایمن بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ ایک ماہ اپنے میکہ میں قیام کیا۔ پھر آپ کو لے کر واپس ہوئیں۔ راستہ میں مقام ابواء میں حضرت آمنہ نے انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔[۱]

عبدالمطلب کی کفالت

ام ایمن آپ کو لے کر مکہ حاضر ہوئیں اور آپ کے دادا عبدالمطلب کے سپرد کیا۔ عبدالمطلب آپ کو ہمیشہ ساتھ رکھتے۔ عبدالمطلب جب مسجد حرام میں حاضر ہوتے تو خانہ کعبہ کے سایہ میں آپ کے لئے ایک خاص فرش بچھایا جاتا کسی کی مجال نہ تھی کہ اس پر قدم رکھ سکے۔ حتیٰ کہ عبدالمطلب کی اولاد بھی اس فرش کے اردگرد حاشیہ اور کنارے پر بیٹھتی مگر آپ جب آتے تو بے تکلف مسند پر بیٹھ جاتے۔ آپ کے چچا آپ کو مسند سے ہٹانا چاہتے مگر عبدالمطلب کمال شفقت سے یہ فرماتے کہ میرے اس بیٹے کو چھوڑ دو خدا کی قسم اس کی شان ہی کچھ نئی ہوگی۔ پھر بلا کر اپنے قریب بٹھلاتے اور آپ کو دیکھتے اور مسرور ہوتے۔[۲]

سیرۃ ابن ہشام وعیون الاثر مستدرک حاکم میں کندیر بن سعید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں زمانۂ جاہلیت میں اسلام سے قبل حج کے لئے مکہ مکرمہ حاضر ہوا دیکھا کہ ایک شخص طواف میں مصروف ہے اور یہ شعر اس کی زبان پر ہے۔

رُدَّ اِلَیَّ رَاکِبِی مُحَمَّدًا
یَارَبِّ رُدَّہٗ وَاصْطَنِعْ عِنْدِی یَدًا

اے اللہ میرے سوار محمد کو واپس بھیج دے اور مجھ پر عظیم الشان[۳] احسان فرما

میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے لوگوں نے کہا کہ یہ عبدالمطلب ہیں اپنے پوتے کو گمشدہ اونٹ کی تلاش میں بھیجا ہے۔ کیونکہ ان کو جس کام کیلئے بھیجتے ہیں اس میں

---

[۱] ایضاً [۲] حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ سیرت محمد بن اسحٰق اور دلائل ابی نعیم میں مذکور ہے اور ابو نعیم نے ایک اور سند سے اس واقعہ کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابن سعد اور ابن عساکر نے زہری اور مجاہد اور نافع بن جبیر سے روایت کیا ہے ۱۲ خصائص الکبریٰ ۱۸۱ ج ۱ [۳] عظیم الشان یہ ترجمہ یداً کی تنوین تعظیم کا ہے۔

ضرور کامیابی ہوتی ہے۔ آپ کو گئے ہوئے دیر ہوگئی اس لیے عبدالمطلب بے چین ہو کر یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔ کچھ دیر نہ گذری کہ آپ بھی واپس آ گئے اور اونٹ آپ کے ہمراہ تھا۔ دیکھتے ہی عبدالمطلب نے آپ کو گلے لگا لیا اور یہ کہا کہ بیٹا میں تمہاری وجہ سے بیحد پریشان تھا اب کبھی تم کو اپنے سے جُدا نہ ہونے دونگا۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ روایت شرط مسلم پر ہے اور حافظ ذہبی نے بھی اس کو شرط مسلم پر ہونا تسلیم کیا ہے[1]

عبدالمطلب کا انتقال

دو سال تک آپ اپنے دادا عبدالمطلب کی تربیت میں رہے، جب عمر شریف آٹھ سال کو پہنچی تو عبدالمطلب بھی اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ علیٰ اختلاف الاقوال بیاسی یا پچاسی یا پچانوے یا ایک سو دس یا ایک سو بیس سال کی عمر میں انتقال کیا اور حجون میں مدفون ہوئے۔ ابوطالب چونکہ حضرت عبداللہ کے حقیقی اور عینی بھائی تھے۔ اس لیے عبدالمطلب نے مرتے وقت آپ کو ابوطالب کے سپرد کیا اور یہ وصیّت کی کہ کمال شفقت اور غایت محبت سے ان کی کفالت اور تربیت کرنا[2]

امّ ایمن کہتی ہیں کہ جس وقت عبدالمطلب کا جنازہ اُٹھا تو آپ کو دیکھا کہ آپ جنازے کے پیچھے روتے جاتے تھے۔[3]

ایک مرتبہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو عبدالمطلب کا مرنا یاد ہے۔ آپ نے فرمایا میری عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی[4]

ابوطالب کی کفالت

عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ اپنے چچا ابوطالب کی آغوش تربیت میں آ گئے ابو طالب نے آپ کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھا اور اس شفقت اور محبت سے مرتے دم تک آپ کی تربیت کی کہ حق یہ ہے کہ تربیت اور کفالت کا حق پورا پورا ادا کر دیا۔ افسوس کہ

---

[1] مستدرک، ج ۲، ص: ۶۰۳ [2] عیون الاثر ج: ۱، ص: ۴۰، [3] طبقات ابن سعد ج: ۱، ص: ۷۴، ۷۵
[4] دلائل ابی نعیم ج: ۱، ص: ۵۱

ابوطالب باوجود اس والہانہ اور عاشقانہ تربیت اور کفالت کے دولت ایمان اور نعمت اسلام سے محروم رہے۔ایک بار مکہ میں قحط پڑا لوگوں نے ابوطالب سے درخواست کی کہ آپ بارش کے لیے دُعا کیجیے۔ابوطالب ایک مجمع کے کعبہ ساتھ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو لے کر حرم میں حاضر ہوئے اور آپ کی پشت کو خانہ کعبہ سے لگا دیا۔آپ نے بطور تضرع اور التجا انگشتِ شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ فرمایا بادل کا کہیں نام ونشان نہ تھا اشارہ کرتے ہی ہر طرف سے بادل امنڈ آئے اور اس قدر بارش ہوئی کہ تمام ندی نالے بہنے لگے اسی بارہ میں ابوطالب نے کہا ہے۔

وَاَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ اليتامى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

ایسے روشن اور منور کہ ان کے چہرے کی برکت سے خدا سے بارش مانگی جاتی ہے، جو یتیموں کی پناہ اور بیواؤں کا ماوی اور ملجا ہے[۱]

شام کا پہلا سفر اور قصہ بحیرا راہب[۲]

آپ کا سن بارہ سال کو پہنچ چکا تھا کہ ابوطالب نے قریش کے قافلہ تجارت کے ساتھ شام کا ارادہ کیا۔مصائب سفر کے خیال سے ابوطالب کا ارادہ آپ کو ہمراہ لے جانے کا نہ تھا عین روانگی کے وقت آپ کے چہرے پر حزن وملال کے آثار دیکھے اس لئے آپ کو اپنے ہمراہ لے لیا۔(سیرۃ ابن ہشام ص ۶۱ ج ۱ و عیون الاثر ص ۴۱ ج ۱) اور روانہ ہوئے جب شہر بصریٰ کے قریب پہنچے تو وہاں ایک نصرانی راہب رہتا تھا جس کا نام جرجیس تھا اور بحیرا راہب کے نام سے مشہور تھا اور نبی آخر الزمان کی جو علامتیں آسمانی کتابوں میں مذکور تھیں ان سے بخوبی واقف اور باخبر تھا چنانچہ مکہ کا یہ قافلہ جب بحیرا راہب کے صومعہ کے پاس جا کر اترا تو

---

۱ زرقانی: ج:۱،ص:۱۹۰
۲ بحیرا با کا فتحہ اور حا کسرہ اور یائے ساکنہ اور اخیر میں رائے مقصورہ اور بعض نے راء کو ممدوہ پڑھا ہے۔دیکھو زرقانی ص ۱۹۵ ج ۱ (فائدہ) اہل تحقیق کے نزدیک بحیرا موحد تھا، مشرک اور بت پرست نہ تھا اور بعض روایات میں جو بحیرا کی طرف سے لات وعزی کی قسم دلانا آیا ہے سو وہ امتحاناً ہے۔

اُس نے حضور پُرنور کی صورت دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں کہ جن کی کتب سابقہ میں خبر دی گئی ہے اور آپ کا ہاتھ پکڑ لیا (دیکھو زرقانی ص ۱۹۴ ج ۱) جامع ترمذی[۱] میں ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ ایک بار ابوطالب مشائخ قریش کے ساتھ شام کی طرف گئے شام میں جس جگہ جا کر اترے وہاں ایک راہب تھا۔ اس سے پہلے بھی بارہا اس راہب پر گذر ہوتا تھا مگر وہ کبھی ملتفت نہ ہوتا تھا اس مرتبہ قریش کا کاروان تجارت جب وہاں جا کر اترا تو راہب خلاف معمول اپنے صومعہ سے نکل کر ان میں آیا اور متجسسانہ نظروں سے ایک ایک کو دیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ حضور کا ہاتھ پکڑ لیا اور یہ کہا۔

ھذا سیّدُ العالمین ھذا رسولُ ربّ العالمینَ یبعثہٗ اللّٰہُ رحمۃً للعٰلمین	یہی ہے سردار جہانوں کا یہی ہے رسول پروردگارِ عالم کا جس کو اللہ جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گا۔

سرداران قریش نے اس راہب سے کہا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا۔ راہب نے کہا جس وقت آپ سب گھاٹی سے نکلے تو کوئی شجر اور حجر ایسا باقی نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو اور شجر اور حجر نبی ہی کے لئے سجدہ کر سکتے ہیں اور علاوہ ازیں میں آپ کو مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو سیب کے مشابہ آپ کے شانہ کے نیچے واقعہ ہے۔ راہب یہ کہہ واپس ہو گیا اور فقط ایک آپ کی وجہ سے تمام قافلہ کے لیے کھانا تیار کرایا۔ کھانے کے لیے سب حاضر ہوئے تو آپ موجود نہ تھے۔ راہب نے دریافت کیا کہ آپ کہاں ہیں معلوم ہوا کہ اونٹ چرانے گئے ہوئے ہیں۔ آدمی بھیج کر آپ کو بلایا۔ جس وقت آپ تشریف لائے تو ایک ابر آپ پر سایہ کیے ہوئے تھا جب آپ اپنی قوم کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ لوگ آپ سے پہلے درخت کے سایہ میں جگہ لے چکے ہیں۔ اب کوئی جگہ سایہ کی باقی نہ رہی آپ ایک جانب کو بیٹھ گئے۔ بیٹھتے ہی درخت کا سایہ آپ کی طرف جھک گیا۔ راہب نے کہا درخت کے سایہ کو دیکھو کہ کس طرح آپ کی طرف مائل ہے اور کھڑے ہو کر لوگوں کو قسمیں دینے لگا اور یہ کہا کہ آپ

---

[۱] سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۳۲ ج ۲

لوگ ان کو روم کی طرف نہ لے جائیں۔ رومی اگر ان کو دیکھ لیں گے تو آپ کی صفات اور علامات سے آپ کو پہچان کر قتل کر ڈالیں گے اثناء کلام میں اچانک اور یکا یک جو راہب کی نظر پڑی تو دیکھا کہ روم کے سات آدمی کسی تلاش میں اسی طرف آ رہے ہیں۔ راہب نے پوچھا تم کس لیے نکلے ہو۔ رومیوں نے کہا کہ ہم اس نبی کی تلاش میں نکلے ہیں (جس کی توریت اور انجیل میں بشارت مذکور ہے) کہ وہ اس مہینہ میں سفر کے لیے نکلنے والا ہے۔ ہر طرف ہم نے اپنے آدمی بھیجے ہیں۔ راہب نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ کہ جس شے کا خداوند ذوالجلال نے ارادہ فرمالیا ہو کیا اس کو کوئی روک سکتا ہے۔ رومیوں نے کہا نہیں۔ اس کے بعد رومیوں نے بحیرا راہب سے عہد کیا کہ ہم اب اس نبی کے درپے نہ ہوں گے اور یہ سات رومی وہیں بحیرا راہب کے پاس رہ پڑے۔ کیونکہ جس مقصد کے لیے نکلے تھے وہ خیال ہی بدل گیا۔ اس لیے اب واپسی کو خلاف مصلحت سمجھ کر بحیرا راہب کے پاس ٹھہر گئے۔ راہب نے پھر قریش کے قافلہ کو قسم دے کر یہ دریافت کیا کہ تم میں سے اس کا ولی کون ہے لوگوں نے ابو طالب کی طرف اشارہ کیا۔ راہب نے ابو طالب سے کہا کہ آپ ان کو ضرور واپس بھیج دیں ابو طالب نے آپ کو ابو بکر اور بلال کے ہمراہ مکہ واپس بھیج دیا۔ راہب نے ناشتہ کے لیے روٹی اور زیتون کا تیل ساتھ کر دیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ روایت بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے۔ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ بحیرا نے اُٹھ کر آپ کی پشت مبارک کو دیکھا تو دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوّت دیکھی اور مہر نبوت کو اس صفت پر پایا جو اس کے علم میں تھی۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ قصہ اہل مغازی کے نزدیک مشہور ہے شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ قصہ کے متعدد شواہد ہیں جو اس کی صحت کا حکم کرتے ہیں اور میں عنقریب اُن شواہد کو بیان کروں گا۔[1]

حافظ عسقلانی اصابہ میں فرماتے ہیں کہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں اور صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ عبدالرحمٰن بن غزوان رواۃ بخاری میں سے ہے۔ ائمہ حدیث اور حفاظ کی ایک جماعت نے عبدالرحمٰن کو ثقہ بتایا ہے۔ حافظ سخاوی فرماتے ہیں میں نے کہیں

[1] الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۸۴

نہیں دیکھا کہ کسی نے عبدالرحمٰن پر جرح کی ہو۔ اس روایت میں صرف ابوبکر اور بلال کو ساتھ بھیجنے کا ذکر بعض رواۃ کی غلطی سے درج ہوگیا ہے لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ صرف ابوبکر اور بلال کو ساتھ بھیجنے کا ذکر اس روایت میں مدرج ہے۔ اھ اور ایک کلمہ کے مدرج ہوجانے کی وجہ سے تمام حدیث کو ضعیف نہیں کہا جاسکتا۔ اس لیے کہ حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں [۱] اور یہ حدیث مسند بزار میں بھی مذکور ہے مگر اس میں حضرت بلال کا ذکر نہیں بلکہ بجائے ''وارسل معہ بلالاً'' کے رجلاً کا لفظ مذکور ہے [۲] امام جزری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں فقط ابوبکر اور بلال کا ذکر اس روایت میں راوی کا وہم ہے [۳] حافظ عسقلانی فتح الباری کتاب التفسیر میں فرماتے ہیں کہ ترمذی کی حدیث کی سند قوی ہے۔ بظاہر منشاء وہم ایک دوسری روایت معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیس سال کی عمر میں شام کا ایک سفر فرمایا۔ اس سفر میں ابوبکر بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ ابوبکر کی عمر اس وقت اٹھارہ سال کی تھی اس سفر میں بھی بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس روایت کو حافظ ابن مندہ اصبہانی نے ذکر کیا ہے سند اس کی ضعیف ہے۔ حافظ عسقلانی اصابہ میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو آپ کا یہ سفر شام کے اس سفر کے علاوہ ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ راوی کو اسی روایت سے اشتباہ ہوا اور دونوں قصوں کے متقارب ہونے کی وجہ سے قصہ میں غلطی سے ابوبکر کا ذکر کردیا گیا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (الاصابۃ، ج:۱، ص:۱۷۷) علامہ شبلی اس روایت کی تنقید کرنے ہوئے سیرۃ النبی ص ۱۳۱ ج ۱ پر لکھتے ہیں کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ اخیر راوی، ابوموسیٰ اشعری ہیں وہ شریک واقعہ نہ تھے۔ انتہی کلامہ۔ جاننا چاہیے کہ اگر صحابی ایسے واقعہ کی روایت کرے کہ جس میں وہ شریک نہ ہوا ہو تو وہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں صحابی کی مرسل کہلاتی ہے جو باتفاق محدثین مقبول اور معتبر ہے۔ ورنہ عائشہ صدیقہ اور دیگر اصاغر صحابہ کی وہ روایتیں جن میں وہ شریک واقعہ نہ تھے سب کو غیر معتبر اور ساقط الاعتبار کہنا پڑے گا۔ حدیث کے صحیح ہونے کے لیے کافی ہے کہ صحابی تک جس قدر راوی

---

[۱] عیون الاثر ج:۱، ص:۴۳ [۲] زاد المعاد ج:۱، ص:۱۷ [۳] مرقاۃ ج:۵، ص:۴۷۲

ہیں وہ سب ثقہ ہوں صحابی آنحضرت ﷺ کی نسبت جو کچھ بھی روایت کرے گا وہ یقیناً بالواسطہ آنحضرت ﷺ ہی سے ماخوذ ہوگا حافظ سیوطی تدریب الراوی ص ۷۱ میں لکھتے ہیں کہ صحیحین میں اس قسم کی روایتیں بے شمار ہیں۔ اھ اور تعجب یہ ہے کہ واقعۂ بعثت کے بیان میں خود علامہ نے اس اصول کو تسلیم کیا ہے چنانچہ علامہ سیرۃ النبی ص ۱۴۸ ج ۱ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے لیکن حضرت عائشہ اس وقت تک پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ محدثین کے اصطلاح میں ایسی روایت کو مرسل کہتے ہیں لیکن صحابہ کا مرسل محدثین کے نزدیک قابل حجت ہے کیونکہ متروک راوی بھی صحابی ہی ہوں گے۔ انتہیٰ کلامہ۔ لیکن نہ معلوم علامہ کو اس اصول سے یہاں کیوں ذہول ہوا۔ اس مقام پر علامہ صلیب پرستوں کے اعتراض سے اس درجہ مرعوب ہوئے کہ جوش تحقیق اور جذبۂ تنقید میں حافظ ابن حجر کو بھی رواۃ پرست کہہ گئے یعنی عیاذ اللہ حافظ ابن حجر بھی صلیب پرستوں کی طرح رواۃ پرستی کے شرک میں مبتلا ہیں اگرچہ وہ کفر دون کفرٍ وظلم دون ظلمٍ کا مصداق ہو لیکن مطلق شرک میں اشتراک ہے اہل علم کے لیے یہ تو جائز ہے کہ کسی محدث کے قول کو ترجیح دیں لیکن کسی محدّث کی شان میں تنقیص آمیز الفاظ کا استعمال جائز نہیں۔ ادب حق جل شانہٗ کی عظیم نعمت ہے ۱۲

حافظ عراقی الفیۃ السیر میں فرماتے ہیں۔

وکان یُدعیٰ بالامین ورحل
مع عمہ بالشام حتی اذ وصل
بُصری رای منہ بحیرا الراھب
مادل انہ النبی العاقب
محمد نبی ھذہ الاُمَّۃُ
فَرَدہ تخوّفا من ثَمَّہٗ
من ان یری بعض الیھود امرہ
وعمرہ اذ ذاک ثنتا عشرہ

حربُ الفجار

عرب میں عرصہ سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ واقعہ فیل کے بعد جو مشہور معرکہ پیش آیا وہ معرکہ حرب الفجار کے نام سے مشہور ہے یہ معرکہ قریش اور قبیلہ قیس کے درمیان پیش آیا۔ اول قیس قریش پر غالب آئے۔ بعد میں قریش قیس پر غالب آئے بالآخر صلح پر جنگ کا خاتمہ ہوا۔ بعض دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس لڑائی میں اپنے بعض چچاؤں کے اصرار سے شریک ہوئے مگر قتال نہیں فرمایا۔

علامہ سہیلی فرماتے ہیں۔

و انما لم يقاتل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مع اعمامه و كان ينبل عليهم وقد كان بلغ سن القتال لانها كانت حرب فجار و كانوا ايضا كلهم كفار اولم ياذن الله لمؤمن اَن يقاتِلِ الا لتكون كلمة اللّٰه هِيَ العُليا

اس معرکہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے چچاؤں کے ساتھ ہو کر جنگ نہیں کی حالانکہ آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اپنے چچاؤں کو صرف تیر اٹھا اٹھا کر دیا کرتے تھے جنگ اس لیے نہیں کی کہ یہ جنگ حرب فجار تھی یعنی ان مہینوں میں پیش آئی تھی جن میں جنگ کرنا فسق اور فجور ناجائز اور حرام تھی اسی وجہ سے اس لڑائی کو حرب فجار کہتے ہیں علاوہ ازیں سب کے سب کافر تھے۔ مومن کو قتل و قتال اور جنگ وجدال کا حکم فقط اس لیے دیا گیا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اسی کا بول بالا ہو۔[1]

ابن ہشام فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر چودہ یا پندرہ سال کی تھی اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر شریف بیس سال کی تھی (سیرۃ ابن ہشام)

[1] روض الانف، ج:۱ص:۱۲۰

حلف الفضول میں آپ کی شرکت

لڑائی کا سلسلہ تو عرب میں مدت سے جاری تھا مگر کہاں تک۔ حرب فجار کے بعد بعض طبیعتوں میں یہ خیال پیدا ہو کہ جس طرح زمانہ سابق میں قتل اور غارت گری کے انسداد کے لیے فضل بن فضالہ اور فضل بن وداعہ اور فضیل بن حارث نے ایک معاہدہ مرتب کیا تھا جو انہیں کے نام پر حلف الفضول کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی طرح اب دوبارہ اس کی تجدید کی جائے۔ زبیر بن عبدالمطلب نے اپنے بعض اشعار میں اس معاہدہ کا ذکر کیا ہے۔

اِنَّ الفُضُولِ تَحالَفُوا وَتعاقَدُوا الّا یُقِیمَ ببطن مَکة ظَالِمْ

فضل بن وداعہ فضل بن فضالہ اور فضیل بن حارث نے سب سے اس امر پر عہد اور حلف لیا کہ مکہ میں کوئی ظالم نہ رہ سکے گا۔

اَمرٌ عَلَیہِ تَعَاهَدُ واو تَوَا ثَقُوا فالجار والمعترُّ فِیهِمْ سالِمْ

اس پر سب نے پختہ عہد کیا پس مکہ میں پڑوسی اور آنے والا سب مامون و محفوظ رہیں (سیرۃ ابن ہشام وروض الانف ص ۹۱)

جب شوال میں حرب فجار کا سلسلہ ختم ہوا تو ذیقعدۃ الحرام میں حلف الفضول کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی اور سب سے پہلے زبیر بن عبدالمطلب اس معاہدہ اور حلف کے محرک ہوئے اور بنو ہاشم اور بنی تیم، عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے عبداللہ بن جدعان نے سب کے لیے کھانا تیار کرایا۔ اس وقت سب نے مظلوم کی حمایت و نصرت کا عہد کیا کہ مظلوم خواہ اپنا ہو یا پرایا دیسی یا پردیسی حتی الوسع اس کی اعانت اور امداد سے دریغ نہ کریں گے[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس معاہدہ کے وقت میں بھی عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حاضر تھا اس معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو ہرگز پسند نہ کرتا اور اگر اب زمانہ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدے کی طرف بلایا جاؤں تو بھی اس کی شرکت کو ضرور قبول کروں گا۔

---

[1] طبقات ابن سعد، ج:۱ص:۸۲

یہ عبداللہ بن جدعان رشتہ میں حضرت عائشہؓ کے چچازاد بھائی تھے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ۔ ابن جدعان نہایت مہمان نواز تھا لوگوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا کیا قیامت کے دن یہ ابن جدعان کو کچھ نفع دے گا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس لیے کہ اس نے یہ نہیں کہا۔

رَبِّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (رواہ مسلم) | اے پروردگار میری خطاؤں کو یوم جزاء میں معاف فرما

یعنی اس نے کبھی بارگاہ خداوندی میں اپنے گناہوں کی بخشش کی استدعاء اور درخواست نہیں کی۔ ابن قتیبہ غریب الحدیث میں ناقل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کبھی چلتے چلتے موسم گرما میں عبداللہ بن جدعان کے لگن کے سایہ میں کھڑا ہو جایا کرتا تھا۔ (روض الانف ص ۹۲ ج ۱) یعنی عبداللہ بن جدعان کا لگن اس قدر بڑا تھا کہ اس کے سایہ میں ایک انسان کھڑا ہوسکتا ہے۔ گویا کہ وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ[۱] کا ایک نمونہ تھا۔

شغلِ تجارت اور امین کا خطاب

داؤد بن الحصین[۲] سے مروی ہے کہ لوگوں کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس شان سے جوان ہوئے کہ آپ اپنی قوم میں سب سے زیادہ بامروت اور سب سے زیادہ خلیق اور سب سے زیادہ ہمسایوں کے خبر گیراں اور سب سے زیادہ حلیم اور بردبار اور سب سے زیادہ سچے اور امانت دار اور سب سے زیادہ خصومت اور دشنام اور فحش اور ہر بُری بات سے زیادہ دُور تھے اسی وجہ سے آپ کی قوم نے آپ کا نام امین رکھا (اخرجہ ابن سعد و ابن عساکر۔ خصائص کبری ص ۹۱ ج ۱)

---

۱ یعنی جیسے جنات سلیمان علیہ السلام کے حکم سے حوضوں کی برابر پیالے بناتے تھے جیسا کہ سورہ سباء میں مذکور ہے ۱۲

۲ یحییٰ بن معین اور نسائی نے داؤد بن الحصین کو ثقہ بتایا ہے ۱۳۵ھ میں وفات پائی۔ بخاری نے بھی اس سے روایت لی ہے ۱۲ خلاصہ ص ۱۰۹ ج

عبداللہ ابن ابی الحمساء سے مروی ہے کہ میں نے بعثت سے پہلے ایک بار نبی کریم ﷺ سے ایک معاملہ کیا میرے ذمہ کچھ دینا باقی تھا۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ میں ابھی لے کر آتا ہوں اتفاق سے گھر جانے کے بعد اپنا وعدہ بھول گیا تین روز کے بعد یاد آیا کہ میں آپ سے واپسی کا وعدہ کر کے آیا تھا۔ یاد آتے ہی فوراً وعدہ گاہ پر پہنچا آپ کو اسی مقام پر منتظر پایا۔ آپ نے صرف اتنا فرمایا کہ تم نے مجھ کو زحمت دی۔ میں تین روز سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں (سنن ابوداؤد باب العدۃ من کتاب الادب)

عبداللہ بن سائب[۱] فرماتے ہیں کہ میں زمانۂ جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کا شریک تجارت تھا۔ جب مدینہ منورہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو پہچانتے بھی ہو میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔

کنت شریکی فنعم الشریك لاتداری ولا تماری۔	آپ تو میرے شریک تجارت تھے اور کیا ہی اچھے شریک نہ کسی بات کو ٹالتے تھے اور نہ کسی بات میں جھگڑتے تھے۔

قیس بن سائب[۲] مخزومی فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ میرے شریک تجارت تھے۔ وکان خیر شریك لایماری ولایشاری[۳] آپ بہترین شریک تجارت تھے نہ جھگڑتے تھے اور نہ کسی قسم کا مناقشہ کرتے تھے (اصابہ ترجمہ قیس بن سائب)

---

[۱] عبداللہ بن سائب مکہ میں رہا کرتے تھے مکہ ہی میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں انتقال فرمایا عبداللہ بن عباس نے نماز جنازہ پڑھائی ۱۲ اصابہ۔ مجاہد انہی صحابی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ مجاہد سے مروی ہے کہ جب قیس بن سائب کی عمر ۱۶۰ برس کی ہوئی اور روزہ رکھنے کی طاقت نہ رہی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین۔ چنانچہ رمضان کا مہینہ آیا تو قیس بن سائب فرماتے کہ میری طرف سے روزانہ ایک مسکین کو ایک صاع غلہ دیا کرو۔ ابوحاتم فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ قیس بن سائب عبداللہ بن سائب کے بھائی ہیں۔ مجاہد راوی ہیں کہ قیس بن سائب فرمایا کرتے تھے کان رسول اللہ ﷺ یصلی الفجر اذا یغشی السماء النور والظہر اذا زالت الشمس الحدیث یعنی رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز اس وقت پڑھا کرتے تھے کہ جب آسمان پر روشنی پھیل جاتی اور ظہر کی نماز آفتاب ڈھلنے کے بعد پڑھتے (اصابہ)

[۳] قولہ لایشاری لایلاج وقیل لایاتی بالشری لایشاری لقلب احدی الرائین کذا فی الدر النثیر

آپ کا بکریاں چرانا

جس طرح آپ نے حضرت حلیمہ کے یہاں بچپن میں اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرائیں اسی طرح جوان ہونے کے بعد بھی بکریاں چرائیں۔ جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ مقام مرّ الظہر ان میں ہم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ تھے کہ وہاں پیلو کے پھل چننے لگے آپ نے فرمایا کہ سیاہ دیکھ کر چنو وہ زیادہ خوش ذائقہ اور لذیذ ہوتے ہیں ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ بکریاں چرایا کرتے تھے (کہ جس سے آپ کو یہ معلوم ہوا۔) آپ نے فرمایا ہاں کوئی ایسا نبی نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں[1]

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ایسا نبی نہیں ہوا کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ نے بھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط پر چرایا کرتا تھا۔ (بخاری شریف کتاب الاجارہ ص ۳۰۱ ج ۱) حافظ تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مصابیح میں فرماتے کہ بعض متکلفین نے یہ سمجھ کر کہ بکریاں چرا کر اُجرت لینا شان نبوت کے شایان نہیں یہ کہہ دیا کہ اس حدیث میں جو لفظ قراریط واقع ہے قیراط کی جمع نہیں بلکہ ایک مقام کا نام ہے جہاں آپ بکریاں چرایا کرتے یہ قول ان متکلفین کا سراسر تکلف اور تعمق ہے امور تبلیغیہ اور امور دینیہ جو اللہ کے لئے کیے جاتے ہیں ان پر نبی کا اُجرت اور مالی معاوضہ لینا یہ بے شک منصب نبوت کے شایان شان نہیں لیکن کسب معاش کیلئے اجرت اور معاوضہ پر کام کرنا یہ ہرگز شان نبوت کیخلاف نہیں بلکہ کسب واکتساب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنّت اور عمل ہے اور توکل ان کا حال ہے نیز یہ فعل نبوت اور بعثت سے پیشتر تھا۔ علاوہ ازیں قراریط کو ایک مقام کا نام بتلانا بالکل غریب اور شاذ قول ہے اس قائل سے پہلے کوئی اس کا قائل ہی نہیں ہو کہ قراریط کسی مقام کا نام ہے۔

[1] بخاری کتاب الاطعمہ

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ راجح یہی ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے مقام کا نام نہیں۔ اہل مکہ قراریط نام کے کسی مقام سے واقف ہی نہیں۔ نسائی نے نصر بن حزن سے روایت کیا ہے کہ ایک بار اونٹ والے اور بکریوں والے آپس میں فخر کرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ نبی بنا کر بھیجے گئے اور بکریوں کے چرانے والے تھے اور داؤد نبی بنا کر بھیجے گئے اور وہ بھی بکریاں چرانے والے تھے اور میں نبی بنا کر بھیجا گیا اور میں بھی اپنے گھر والوں کی بکریاں مقام اَجیَاد میں چرایا کرتا تھا۔[1]

نکتہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا بکریاں چرانا اُمت کی گلہ بانی کا دیباچہ اور پیش خیمہ تھا اونٹ اور گائے کا چرانا اتنا دشوار نہیں جتنا کہ بکریوں کا چرانا دشوار ہے بکریاں کبھی اس چراگاہ میں جاتی ہیں اور کبھی دوسری چراگاہ میں اس لحظہ میں اگر اس جانب ہیں تو دوسرے لحظہ میں دوسری جانب دوڑتی نظر آتی ہیں۔ گلہ کی کچھ بکریاں اس طرف دوڑتی ہیں اور کچھ دوسری طرف اور راعی ہے کہ ہر طرف دیکھتا ہے کہ کوئی بھیڑیا یا درندہ تو ان کی فکر میں نہیں۔ چاہتا ہے کہ سب بھیڑیں اور بکریاں یکجا مجتمع رہیں مبادا ایسا نہ ہو کہ کوئی بکری گلہ سے علیحدہ رہ جائے اور بھیڑیاں اس کو پکڑ لے جائے صبح سے شام تک راعی اسی فکر میں ان کے پیچھے پیچھے سرگرداں اور پریشان رہتا ہے یہی حال حضرات انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوٰت اللہ کا امت کے ساتھ ہوتا ہے کہ ان کی صلاح وفلاح کی فکر میں لیل ونہار سرگرداں رہتے ہیں۔ امت کے افراد تو بھیڑوں اور بکریوں کی طرح ادھر اُدھر بھاگتے پھرتے ہیں اور انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوٰۃ اللہ کمال شفقت ورافت سے اُن کو للکار کر اپنی طرف بلاتے رہتے ہیں اور امت کی اس بے اعتنائی سے ان حضرات کو جو تکلیف اور مشقت پہنچتی ہے اس پر صبر اور تحمل فرماتے ہیں اور بایں ہمہ پھر کسی وقت دعوت اور تبلیغ اور ارشاد وتعلیم سے اکتاتے اور گھبراتے نہیں اور جس طرح بھیڑیں۔ بھیڑیوں اور درندوں کے خونخوار حملوں سے بے خبر ہوتی ہیں۔ اسی طرح امت نفس اور شیطان کے مہلکانہ حملوں سے بے خبر ہوتی ہے اور

[1] فتح الباری، ج:۴، ص:۳۶۴

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر وقت اس تاک میں رہتے ہیں کہ کہیں نفس اور شیطان ان کو اچک نہ لے جائیں جس درجہ نبی کو امت کی صلاح اور فلاح کی فکر ہوتی ہے۔ امت کو اس کا عشرِ عشیر بھی فکر نہیں ہوتا امت کو تو اپنی ہلاکت اور بربادی کا خیال بھی نہیں ہوتا اور حضرات انبیاء ہیں کہ ان کی اس زبوں حالت کو دیکھ کر اندر ہی اندر گھلتے رہتے ہیں۔

قَالَ تَعَالٰی لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَنْ لَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ [۱]	شاید آپ اُن کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنی جان دے دیں۔

اور اسی وجہ سے ارشاد ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ [۲]	نبی مومنین کے حق میں ان کی جان سے زیادہ قریب ہے۔

اور ایک قراءت میں ہے کہ وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ یعنی وہ نبی ان کا روحانی باپ ہوتا ہے۔

اے اللہ تو اپنی بے شمار رحمتیں اور غیر محدود برکتیں تمام حضرات انبیاء پر عموماً اور خاتم انبیاء محمد رسول اللہ ﷺ صلوت اللہ وسلامہ علیہم اجمعین پر خصوصاً نازل فرما کہ جن کے کلماتِ قدسیہ نے ہم نابکاروں کو تیرا صحیح راستہ بتلایا۔ آمین یارب العالمین۔

شام کا دُوسرا سفر اور نسطورا راہب سے ملاقات

حضرت خدیجہ عرب کے شریف خاندان کی بڑی مالدار عورت تھیں۔ ان کی شرافت نسبی اور عفت و پاک دامنی کی وجہ سے جاہلیت اور اسلام میں لوگ ان کو طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے[۳] (زرقانی و فتح الباری باب تزویج النبی ﷺ خدیجۃ وفضلہا من باب المناقب)۔ قریش جب اپنا قافلہ تجارت کے لیے روانہ کرتے تو حضرت خدیجہ بھی اپنا مال کسی کو بطور مضاربت دے کر روانہ کرتیں۔ ایک حضرت خدیجہؓ کا سامان قریش کے کل

۱۔ الشعراء آیۃ: ۳ ۲۔ احزاب، آیۃ: ۶ ۳۔ فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۰، زرقانی ج اص: ۱۹۹

سامان کے برابر ہوتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف پچیس سال کی ہوئی اور گھر گھر میں آپ کی امانت و دیانت کا چرچا ہوا اور کوئی شخص مکہ میں ایسا نہ رہا کہ آپ کو امین کے لقب سے نہ پکارتا ہو تو حضرت خدیجہ نے آپ کے پاس پیام بھیجا کہ اگر آپ میرا مال تجارت کے لیے لے کر شام جائیں تو آپ کو بہ نسبت دوسروں کے المضاعف معاوضہ دوں گی آپؐ نے اپنے چچا ابو طالب کی مالی مشکلات کی وجہ سے اس پیغام کو قبول فرمایا اور حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے جب بصریٰ پہنچے تو ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھے وہاں ایک راہب رہتا تھا جس کا نام نسطورا تھا۔ وہ دیکھ کر آپ کی طرف آیا اور آپ کو دیکھ کر یہ کہا کہ عیسیٰ بن مریم [۱] کے بعد سے لے کر اب تک یہاں آپ کے سوا اور کوئی نبی نہیں اترا پھر میسرہ سے کہا کہ ان کی آنکھوں میں یہ سرخی ہے۔ میسرہ نے کہا یہ سرخی آپؐ سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ راہب بولا۔

هو هو وهو نبیّ وهو اٰخر الانبیاء	یہ وہی نبی ہے اور یہ آخری نبی ہے۔

پھر آپ خرید و فروخت میں مشغول ہوئے اسی اثناء میں ایک شخص آپؐ سے جھگڑنے لگا اور اس نے آپؐ سے یہ کہا کہ لات و عزیٰ کی قسم کھائیے آپؐ نے فرمایا کہ میں نے کبھی لات و عزیٰ کی قسم نہیں کھائی اور اتفاقاً جب کبھی میرا لات اور عزیٰ پر گذر بھی ہوتا ہے تو میں اعراض اور کنارہ کشی کے ساتھ وہاں سے گذر جاتا ہوں یہ سُن کر اُس شخص نے کہا کہ بے شک بات تو آپ ہی کی ہے یعنی آپ صادق اور سچے ہیں اور پھر اس شخص نے کہا کہ واللہ یہ وہ شخص ہے جس کی شان اور صفت کو ہمارے علماء اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

---

[۱] ابن سعد کی روایت میں بعد عیسیٰ کا لفظ نہیں ہے یہ لفظ علامہ زرقانی نے نقل کیا ہے اس کلام کے ایک معنی تو یہ ہیں جو ہم نے ذکر کیے کہ حضرت مسیح کے بعد آپ کے سوا اس درخت کے نیچے کوئی نبی نہیں اترا۔ یہ مطلب علامہ سہیلی نے روض الانف میں ذکر کیا ہے اور دوسرے معنی وہ ہیں کہ جو عز بن جماعہ فرماتے ہیں وہ یہ کہ ممکن ہے کہ حضرت مسیح کے بعد اس درخت کے نیچے کوئی شخص بھی نہ اترا ہو نہ نبی اور نہ غیر نبی اور آپ کے سوا کسی متنفس کا نہ اترنا یہ بھی من جملہ خوارق کے ہو جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے زرقانی ص ۱۹۸ ج ۱ ملاحظہ فرمائیں ۱۲۔

میسرہ کا بیان ہے کہ جب دوپہر کا وقت ہوتا اور گرمی کی شدّت ہوتی تو میں دو فرشتوں کو دیکھتا کہ وہ آکر آپ پر سایہ کرلیتے ہیں۔ جب آپ شام سے واپس ہوئے تو دوپہر کا وقت تھا اور دو فرشتے آپ پر سایہ کیے ہوئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے جب بالاخانے سے آپ کو اس شان سے آتے دیکھا تو آس پاس کی تمام عورتوں کو بھی دکھلایا۔ تمام عورتیں تعجب کرنے لگیں۔ بعد ازاں میسرہ[۱] نے سفر کے تمام حالات و واقعات سُنائے اور آپ نے مال تجارت حضرت خدیجہؓ کے سُپرد کیا اس مرتبہ آپ کی برکت سے حضرت خدیجہ کو اس قدر منافع ہوا کہ اس سے پیشتر کبھی اتنا نفع نہ ہوا تھا۔ حضرت خدیجہ نے جتنا معاوضہ آپ سے مقرر کیا تھا اس سے زیادہ دیا[۲]۔

اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کو واقدی اور محمد بن اسحاق اور ابن سکن نے روایت کیا ہے۔ یعنی اس واقعہ کا راوی صرف واقدی نہیں بلکہ محمد بن اسحاق اور ابن سکن بھی اس روایت کے راوی ہیں واقدی جمہور کے نزدیک ضعیف ہیں اور محمد بن اسحاق تابعی ہیں۔ جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی حدیث میرے نزدیک حسن ہے واقدی اگرچہ محدثین کے نزدیک متروک ہیں لیکن حدیث کی کوئی کتاب واقدی کی روایت سے خالی نہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ الصارم المسلول ص۹۶ میں فرماتے ہیں کہ واقدی اگرچہ ضعیف ہیں۔ لیکن ان کے اعلم الناس بالمغازی ہونے میں کسی کو کلام نہیں، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ ان کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔ انتہی کلامہ۔ غرض یہ کہ یہ روایت محمد بن اسحاق اور واقدی دونوں سے مروی ہے اور محمد بن اسحاق کی روایت محدثین کے نزدیک معتبر ہے حسن سے کم نہیں اور واقدی کی روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن حدیث حسن کے لیے بلاشبہ مؤید اور شاہد بن سکتی ہے۔

---

[۱] ظاہر یہ ہے کہ میسرہ بعثت سے پہلے ہی وفات پاگئے۔ حافظ عسقلانی اصابہ میں فرماتے ہیں کہ کسی صحیح روایت سے اب تک میسرہ کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہوا۔ ۱۲ زرقانی ص ۱۹۸ ج ۱

[۲] طبقات ابن سعد ج ۱، ص: ۸۳
الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص: ۹۱، عیون الاثر ج ۱ ص: ۴۹۔

تحقیق وتوثیق قِصّہ ٔ میسرہ

اور تین ائمہ ٔ سیرت کا تذکرہ اور اُن پر مختصر سا تبصرہ

قصہ ٔ میسرہ کی روایت چونکہ محمد بن اسحاق اور واقدی دونوں سے مروی ہے جن کی جرح وتعدیل میں علماء نے طویل کلام کیا ہے اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس مقام پر تین ائمہ ٔ سیرت کا کچھ حال ہدیہ ناظرین کریں جو سیرت اور مغازی میں زیادہ مشہور ہیں۔ (۱) موسیٰ بن عقبہ (۲) محمد بن اسحاق (۳) واقدی۔ تا کہ ائمہ سیرت کی روایات کا صحیح رتبہ معلوم ہو جائے۔

(۱) موسیٰ بن عقبہ

موسیٰ بن عقبہ مدنی ہیں۔ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے خاندان کے آزاد کردہ غلام ہیں تابعی ہیں۔ مسلم اور متفق علیہ ثقہ ہیں کسی نے ان پر جرح نہیں کی امام مالک اور سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ نے ان سے روایت کی ہے ۱۴۱ھ میں وفات پائی ائمہ ستہ نے صحاح ستہ میں ان سے روایت کی ہے۔ امام مالک، موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ وہ اصح المغازی ہے لیکن موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی کا کوئی نسخہ موجود نہیں کتب سلف میں متفرقاً اس کی روایتیں پائی جاتی ہیں۔

(۲) محمد بن اسحاق

محمد بن اسحاق بن یسار مطلبی مدنی تابعی ہیں۔ سیرت اور مغازی کے امام ہیں۔ جمہور علماء نے ان کی توثیق کی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جرح کی ہے۔ حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق فی نفسہ صدوق اور مرضی یعنی پسندیدہ ہیں لیکن ان کی حدیث درجہ ٔ صحت سے نازل ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ ان کو

حسن الحدیث فرماتے تھے (انتہی) علی بن مدینی کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔ نسائی کہتے ہیں قوی نہیں۔ دارقطنی کہتے ہیں قابل احتجاج نہیں امام مالک فرماتے ہیں کہ دجال ہے من جملہ دجاجلہ کے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان سے موصولہ کوئی روایت نہیں لی البتہ تعلیقاً ان سے روایت لی ہے۔ اصحاب سنن نے محمد بن اسحاق سے روایت لی ہے اور امام مسلم نے مقروناً بالغیر ان سے روایت لی ہے ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔ مغازی ابن اسحاق کا اصل نسخہ مفقود ہے البتہ سیرت ابن ہشام کا جو نسخہ اس وقت موجود ہے وہ درحقیقت سیرت ابن اسحاق کا ہی نسخہ ہے جو جدید طریقہ سے ابن ہشام نے مرتب کیا محمد بن اسحاق پر دو جرح کی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ روایت میں تدلیس کرتے تھے دوم یہ کہ خیبر وغیرہ کے واقعات کو یہود خیبر سے دریافت کرتے تھے۔ دوسری وجہ موجب جرح نہیں۔ مزید توثیق کے لیے یہود سے واقعات کی تحقیق کرنا قابل اعتراض نہیں۔ البتہ فقط یہود پر اعتماد کرنا اور محض ان کی روایات سے احکام شرعیہ کا ثابت کرنا درست نہیں۔ لیکن دُنیا میں کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں اور نہ کہیں یہ ثابت ہے کہ محمد بن اسحاق یہود خیبر سے نافع اور زہری کی طرح روایت کرتے ہوں اور قاسم اور عطاء کی طرح یہود خیبر کو ثقہ سمجھتے ہوں اور نہ کوئی ادنی عقل والا مسلمان کافروں سے روایت کرسکتا ہے اور نہ ان کو ثقہ سمجھ سکتا ہے اور جس نے ایسا سمجھا غلط سمجھا۔ باقی تدلیس کے متعلق خود ائمہ حدیث نے تصریح کردی ہے کہ مدلّس کا عنعنہ معتبر نہیں جب تک اس کا سماع ثابت نہ ہو جائے۔

(۳) واقدی

ابوعبداللہ محمد بن عمر بن واقد الواقدی المدنی سیرت اور مغازی کے امام اور جلیل القدر عالم تھے۔ امام مالک اور سفیان ثوری اور معمر بن راشد اور ابن ابی ذئب کے تلامذہ

میں سے تھے کذافی تاریخ ابن خلکان ص ۶۴۰ اوران کے شاگرد رشید محمد بن سعد صاحب طبقات سفیان بن عیینہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ (تاریخ ابن خلکان ص ۶۴۲) واقدی ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۷ھ میں وفات پائی (میزان الاعتدال ص ۱۱۱ ج ۳)

واقدی کے بارے میں محدثین کے الفاظ مختلف ہیں امام شافعی اور امام احمد نے واقدی کو کذاب اوران کی کتابوں کو کذب بتلایا ہے۔ امام بخاری اور ابو حاتم نے متروک الحدیث کہا ہے۔ علی بن المدینی اور نسائی نے ان کو واضع الحدیث کہا ہے اور ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے ان کی تضعیف کی ہے یعنی واقدی ضعیف ہیں کاذب نہیں یحیٰ بن معین کہتے ہیں کہ واقدی ثقہ نہیں۔ دارقطنی کہتے ہیں۔ فیہ ضعف یعنی واقدی میں کچھ ضعف ہے۔ علماء کی ایک قلیل جماعت نے واقدی کی توثیق کی ہے اوران کو ثقہ بتلایا ہے۔ یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ واقدی ثقہ ہے۔ ابوعبیدہ اور ابراہیم حربی نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ دراوردی کہتے ہیں کہ واقدی امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ حافظ ابن سید الناس نے عیون الاثر کے مقدمہ میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد واقدی کے ثقہ ہونے کو ترجیح دی ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

وقد تعصّب مغلطائی للواقدی فنقل کلام من قواه ووثقه وسکت عن ذکر من وهاه واتهمه وهم اکثر عددا واشد اتقانا و اقوی معرفة به من الاولین ومن جملة ماقواه به انّ الشافعی رویٰ عنه وقد اسند البیهقی	حافظ مغلطائی نے واقدی کی حمایت میں تعصب سے کام لیا ہے کہ جن لوگوں نے واقدی کو ثقہ اور قوی بتلایا ہے ان کا کلام تو نقل کر دیا اور جن لوگوں نے واقدی کو کمزور اور متہم قرار دیا ہے ان کے ذکر سے مغلطائی نے سکوت کیا حالانکہ واقدی پر جرح کرنے والے توثیق کرنے والوں سے عدد میں بھی زیادہ ہیں اور ضبط اور اتقان اور علم معرفت

عن الشافعی انه کذبه کذافی انهاء السکن مقدمة اعلاء السنن ص۵۷

میں بھی ان سے بڑھے ہوئے ہیں اور واقدی کی دلائل تقویت میں یہ پیش کیا ہے کہ امام شافعی نے ان سے روایت لی ہے حالانکہ بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ امام شافعی سے یہ نقل کیا ہے کہ امام شافعی واقدی کو کاذب بتلاتے تھے۔ (ترجمہ ختم ہوا)

حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ جب کسی راوی میں جرح اور تعدیل توثیق اور تضعیف جمع ہو جائیں تو اکثر کے قول کو ترجیح دی جائے گی لہٰذا واقدی کی جرح کو توثیق پر ترجیح ہونی چاہیے اس لیے کہ واقدی پر جرح کرنے والے تعدیل کرنے والوں سے زیادہ ہیں۔ حافظ مغلطائی کی رائے یہ ہے کہ تعارض کی صورت میں توثیق اور تعدیل کو ترجیح ہونی چاہیے اگر چہ تعدیل و توثیق کرنے والے کم ہوں اس لیے کہ اصل اہل علم میں عدالت اور ثقاہت ہے خصوصاً خیر القرون میں کسی راوی کا جب تک فسق ثابت نہ ہو جائے۔ اس وقت تک اس کی روایت کو رد نہیں کیا جاتا۔ کما قال تعالیٰ۔

اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْآ[1]

اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو اُس کی تحقیق کرو۔

اور ایک قراءت میں فتبینوا کے بجائے فتثبتوا آیا ہے یعنی فاسق اگر کوئی خبر لے کر آئے تو اس میں تثبت اور احتیاط سے کام لو رد کرنے میں عجلت سے کام نہ کرو اور یہ تبیُّن اور تثبت کا حکم اس راوی کی خبر کے بارے میں ہے جس کا فسق ثابت ہو چکا ہو۔ لقولہ تعالیٰ اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ۔ لہٰذا جس کا فسق بھی ثابت نہ ہو اس میں تو اور بھی شدید احتیاط کی ضرورت ہوگی اس بناء پر حافظ مغلطائی نے واقدی کے بارے میں تعصب سے کام نہیں لیا بلکہ انصاف سے کام لیا ہے کہ توثیق اور تعدیل کے قول کو اختیار کیا اور جارحین اور قادحین کی

---

[1] الحجرات آیۃ: ۶

کثرت پر نظر نہیں کی اور فقہاء کا مسلک اختیار کیا کہ جب کسی راوی میں توثیق اور تضعیف جمع ہو جائیں تو محدثین کے نزدیک اکثر کے قول کا اعتبار ہے اور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ جب کسی راوی میں جرح وتعدیل جمع ہو جائیں تو جرح مبہم کے مقابلہ میں تعدیل کو ترجیح ہوگی۔ اگرچہ جارحین کا عدد معدّلین کے عدد سے زیادہ ہو اور احتیاط بھی قبول ہی کرنے میں ہے رد کرنا خلاف احتیاط ہے۔ حافظ بدرالدین عینی کا شرح بخاری اور شرح ہدایہ میں اور شیخ ابن ہمام کا شرح ہدایہ میں یہی معمول ہے کہ توثیق اور تعدیل کو تضعیف اور جرح کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ [۱] کا بھی یہی مسلک ہے کہ جب تک کسی راوی کے ترک پر تمام اہل علم متفق نہ ہو جائیں اس وقت تک امام احمد اس کی روایت کو ترک نہیں کرتے مسند میں از اوّل تا آخر اسی طریق پر روایتیں لائے ہیں۔ ابوداؤد اور نسائی بھی سنن میں اسی طریق پر چلے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حافظ مغلطائی کا واقدی کی توثیق اور تعدیل کو ترجیح دینا اس اصول پر مبنی ہے تعصب پر مبنی نہیں واقدی کے بارے جو مختلف اقوال ہم نے نقل کیے ہیں وہ سب حافظ ذہبی کے میزان الاعتدال ص ۱۱۰ ج ۳ سے نقل کیے ہیں۔ تعجب ہے کہ واقدی کے بارے میں ائمہ حدیث کا یہ تمام اختلاف حافظ ذہبی کے سامنے ہے اور پھر اخیر میں حافظ ذہبی یہ کہتے ہیں۔ واستقر الاجماع علی وھن الواقدی۔ حالانکہ اس قدر اختلاف کے ہوتے ہوئے اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

حافظ ابن تیمیہ الصارم المسلول میں فرماتے ہیں

مع مافی الواقدی من الضعف لایختلف اثنان ان الواقدی اعلم الناس بتفاصیل امور المغازی	باوجود اس کے کہ واقدی میں ضعف ہے دنیا میں کوئی دو شخص بھی اس بارے میں اختلاف نہیں رکھتے کہ واقدی سب سے زیادہ مغازی کے جاننے والے ہیں اور

[۱] قال یعقوب قال لی احمد مذہبی فی الرجال انی لا اترک حدیث محدث حتی تجتمع اہل مصر علی ترک حدیثہ کذا فی التہذیب ص ۳۷۷ ج ۵

واخبر بـا حـولالهـا وقـد كـان الشافعي واحمد وغير هما يستفيدون علم ذلك من كتبه[1]	مگازی کے احوال وتفاصیل کی معرفت میں سب سے زیادہ باخبر ہیں اور امام شافعی اور احمد اور دیگر اہلِ علم واقدی کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔انتہی

اور دنیا میں سیرت اور مغازی اور رجال کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو واقدی کی روایات سے خالی ہو۔ فتح الباری اور زرقانی شرح مواہب۔ واقدی کی روایات سے بھری پڑی ہیں اور کو دعلامہ شبلی نے بھی بکثرت واقدی سے استفادہ اور استفاضہ کیا ہے سیرت النبی کے متعدد مواضع میں طبقات ابن سعد کی وہ روایتیں لی ہیں کہ جن کا پہلا روای ہی واقدی ہے۔علامہ شبلی نے طبقات کا مع صفحہ اور جلد کا حوالہ بھی دیا۔مگران مواضع میں یہ نہیں بتلایا کہ اس روایت کا پہلا ہی راوی واقدی ہے۔جس کو علامہ مشہور دروغ گو اور افسانہ ساز اور نا قابل ذکر سمجھتے ہیں اور جا بجا نا قابلِ ذکر الفاظ سے ان کا ذکر کرتے ہیں مگر جب علامہ اس مشہور دروغ گو سے روایت لیتے ہیں تو اس کا نام ذکر نہیں کرتے۔البتہ اس دروغ گو کے شاگرد رشید یعنی ابن سعد کے نام سے روایت لیتے ہیں جو اسی شاگرد دروغ گو اور افسانہ ساز سے ہوتی ہے۔

---

[1] ص:۴۷،۹۶،۴۷

روایات واقدی در سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اب بطور نمونہ واقدی کی چند روایات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ جن کو علامہ شبلی نے سیرۃ النبی میں لیا ہے

(۱) قصی نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو دیئے (طبقات ابن سعد ص ۴۱ ج ۱۔ سیرت النبی ص ۱۵۴ ج ۱) علامہ نے یہ واقعہ بحوالۂ طبقات ابن سعد نقل کیا ہے جو صرف واقدی سے منقول ہے۔

(۲) عبداللہ کے ترکہ میں اونٹ بکریاں اور لونڈی تھی جس کا نام امّ ایمن تھا۔ الخ (طبقات ابن سعد ص ۶۲ ج ۱۔ سیرۃ النبی ص ۵۸ ج ۱۔) یہ واقعہ بھی طبقات میں صرف واقدی سے منقول ہے۔ واقدی کے بعد کسی سند کا ذکر نہیں ہے۔

(۳) ابن سعد نے طبقات ص ۷۱ ج ۱ میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں تم سب سے فصیح تر ہوں کیونکہ میں قریش کے خاندان سے اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔ (سیرت النبی ص ۱۶۲ ج ۱) اس کا راوی بھی محمد بن عمر واقدی ہے۔

(۴) حلف الفضول کا واقعہ سیرۃ النبی ص ۱۷۰ ج ۱ پر بحوالۂ طبقات ابن سعد ص ۸۲ ج ۱ مذکور ہے یہ واقعہ بھی طبقات میں واقدی کی روایت سے ہے۔

(۵) علامہ شبلی سیرۃ النبی ص ۴۴۰ ج ۱ پر غزوۂ خیبر کے بیان میں لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے یہ اعلان عام فرمایا **لایخرجن معنا الا راغب فی الجهاد** ہمارے ساتھ وہ لوگ آئیں جو طالب جہاد ہوں (ابن سعد) یہ روایت بھی ابن سعد کے حوالے سے نقل کی ہے جو واقدی سے مروی ہے کیا یہ علم اور امانت کے خلاف نہیں کہ جب کسی روایت کو رد کرنا چاہیں تو واقدی کا نام ذکر کر دیں گے اگرچہ اس روایت کا راوی واقدی کے علاوہ کوئی اور ثقہ بھی ہو اور جب واقدی کی روایت لینا چاہیں تو واقدی کا نام حذف کر دیں اور اس کے شاگرد کے نام پر اکتفا کریں اور خاموشی کے ساتھ اس پر گزر جائیں۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ واقدی کے بارے میں قول محقق اور راجح اور اقرب الی الصواب یہ ہے کہ واقدی ضعیف ہے دروغ گو اور افسانہ ساز نہیں۔ واقدی کی روایت کا وہی حکم ہے جو ضعیف راوی کی روایت کا حکم ہے یعنی جب تک کوئی حدیث صحیح۔ اس ضعیف حدیث کے معارض نہ ہو اس وقت تک ضعیف حدیث کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ خصوصاً جب کہ وہ ضعیف حدیث متعدد طریق اور مختلف اسانید سے مروی ہو۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بدرجۂ تواتر منقول ہے کہ حدیث ضعیف میرے نزدیک رائے رجال سے کہیں زیادہ محبوب ہے، امام ابوحنیفہ کو جب کسی مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث دستیاب نہیں ہوتی تو ضعیف حدیث کو بمقابلہ قیاس ترجیح دیتے ہیں۔ ضعیف حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نا قابل اعتبار ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ضعیف کے ضعف کو پیش نظر رکھو اور جب صحیح اور ضعیف میں تعارض ہو تو صحیح کو ترجیح دو اور جب کوئی حدیث صحیح نہ ملے تو اسی ضعیف حدیث کو اپنی رائے پر مقدم رکھو۔ اس لیے کہ رائے فی حد ذاتہ ضعیف اور کمزور ہے اور حدیث نبوی میں فی حد ذاتہ ضعف نہیں سند اور طریق روایت میں ضعف ہے جو محض عارضی ہے ذاتی نہیں ہے اور رائے کا ضعف ذاتی ہے اس لیے حدیث ضعیف کو رائے پر مقدم رکھا جائے گا اور ضعیف روایت کے قبول کے شرائط اصول حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں وہاں مراجعت کریں۔

ہذا ما ظہر لی فی ہذا المقام واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ الفیۃ السیر میں فرماتے ہیں

ثم مضى للشام مع مسيره — فى متجر والمال من خديجه
من قبل تزويج بها فبلغا — يصرى فباع و تقاضى مابغا
وقد راى ميسرة العجائبا — منه وما خص به مواهبا
وحدث السيدة الجليلة — خديجة الكبرى فاحصنت قيله
ورغبت فخطبت محمدا — فيالها من خطبة ما اسعدا
وكان اذزوجها ابن الخمس — من بعد عشرين بغير لبس

فوائد

ف (۱) اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کسی کے لیے بطور خرق عادت فرشتوں کا دیکھنا ممکن ہے جیسا کہ واقعہ مذکور میں میسرہ نے فرشتوں کو سایہ کرتے دیکھا[۱] اور حضرت مریم کا جبریل امین اور دیگر ملائکہ کو دیکھنا قرآن کریم میں اور حضرت ہاجرہ کا فرشتہ کو دیکھنا صحیح بخاری کتاب الانبیاء میں اور عمران بن حصین کا اپنے کراماً کاتبین کو دیکھنا اصابہ میں مذکور ہے۔

ف (۲) اب تک متعدد روایات سے یہ معلوم ہو چکا کہ آپ پر ابر سایہ کرتا تھا مثلاً حلیمہ سعدیہ اور ان کے بچوں کا آپ پر ابر کا سایہ کرتے دیکھنا اور شام سے پہلے سفر میں بحیرا راہب کا ابر کے سایہ کو خود دیکھنا اور دوسروں کو دکھلانا ابو موسیٰؓ کی حدیث سے بحوالہ ترمذی ہم نقل کر چکے ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی شرح قصیدۂ ہمزیہ میں فرماتے ہیں کہ ترمذی کی روایت اس بارے میں سب سے زیادہ صحیح ہے جیسا کہ عز بن جماعہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ آپؐ پر ابر کے سایہ کرنے کی حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں تو اس کا یہ قول لغو اور باطل ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے (جیسا کہ حافظ سخاوی سے منقول ہے) کہ ابر کا سایہ کرنا ہمیشہ نہ تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سفر ہجرت میں جب آپؐ پر دھوپ پڑنے لگی تو ابو بکر نے اپنی چادر سے آپؐ پر سایہ کیا اور علیٰ ہذا غزوہ جعرانہ میں آپ پر کپڑے کا سایہ کیا گیا۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم کسی سایہ دار درخت پر گذرتے تو اس کو آپ کے لیے چھوڑ دیتے[۲]

حضرت خُدیجہ سے نکاح

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ نے آپ کے تمام حالات سفر اور راہب کا مقولہ اور فرشتوں کا آپؐ پر سایہ کرنا ورقہ بن نوفل سے جا کر بیان کیا ورقہ نے کہا کہ خدیجہ اگر یہ واقعات سچے ہیں تو پھر یقیناً محمدؐ اس امت کے نبی ہیں اور میں خوب جانتا

۱ زرقانی ج ۱ ص: ۱۹۹ ۲ زرقانی ج ۱ ص: ۱۴۸

ہوں کہ اُمّت میں ایک نبی ہونے والے ہیں جن کا ہم کو انتظار ہے اور ان کا زمانہ قریب آ گیا ہے[1] ان واقعات کو سُن کر حضرت خدیجہ کے دل میں آپ سے نکاح کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ سفر شام سے واپسی کے دو مہینہ اور پچیس روز بعد خود حضرت خدیجہؓ نے آپ سے نکاح کا پیام دیا۔ آپ نے اپنے چچا کے مشورہ سے اس کو قبول فرمایا۔ تاریخ معین پر آپ اپنے چچا ابو طالب اور حضرت حمزہ اور دیگر رؤسائے خاندان کی معیت میں حضرت خدیجہ کے یہاں تشریف لائے۔ مبرد سے منقول ہے کہ حضرت خدیجہ کے والد کا تو حرب فجار سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد موجود تھے۔ کسی کا قول ہے کہ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کے والد خویلد بھی موجود تھے۔ علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ مبرد ہی کا قول صحیح ہے اور یہی جبیر بن مطعم اور ابن عباس اور عائشہؓ سے منقول ہے۔ (روض الانف ص ۱۲۲ ج ۱)

ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

اما بعد فان محمد اممن لایوازن به فتی من قریش الا رجح به شرفا ونبلا و فضلا و عقلا وان كان في المال قل فانه ظل زائل و عارية مسترجعة وله في خَديجة بنت خُويلد رغبة ولها فيه مثل ذلك[2]	اما بعد محمد وہ ہیں کہ قریش میں کا جو جوان بھی شرف اور رفعت اور فضیلت اور عقل میں آپ کے ساتھ تولا جائے تو آپؐ ہی بھاری رہیں گے۔ مال میں اگرچہ آپ کم ہیں لیکن مال ایک زائل ہونے والا سایہ ہے اور ایک عاریت ہے جو واپس کی جانے والی ہے یہ خدیجہ بنت خویلد کے نکاح کی طرف مائل ہے اور اسی طرح خدیجہ آپ سے نکاح کی طرف مائل ہے۔

نکاح کے وقت آپ کی عمر شریف پچیس سال کی اور حضرت خدیجہ کی عمر شریف

[1] عیون الاثر ج ۱ ص: ۵۱ [2] روض الانف ج ۱ ص: ۱۲۲

چالیس سال کی تھی۔ بیس اونٹ مہر مقرر ہوا (سیرۃ ابن ہشام) اور حافظ ابو بشر دولابی فرماتے ہیں کہ مہر کی مقدار ساڑھے بارہ اوقیہ تھی۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے لہٰذا کل مہر پانچ سو درہم شرعی ہوا۔[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلا نکاح تھا اور حضرت خدیجہ کا تیسرا۔ مفصل حالات انشاء اللہ العزیز ازواج مطہرات کے بیان میں ذکر کریں گے۔

تعمیر کعبہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحکیم

ابتدائے عالم سے اس وقت تک خانہ کعبہ کی تعمیر پانچ مرتبہ ہوئی۔ اوّل بار حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تعمیر فرمائی دلائل بیہقی میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت جبرئیل کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس تعمیر بیت اللہ کا حکم دے کر بھیجا۔ جب حضرت آدم اس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حکم ہوا کہ اس گھر کا طواف کرو اور یہ ارشاد ہوا کہ تم پہلے انسان ہو اور یہ پہلا گھر ہے جو لوگوں کی (عبادت کے لیے) بنایا گیا ہے۔[2]

جب نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان آیا تو بیت اللہ کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بیت اللہ کی دوبارہ تعمیر کا حکم ہوا۔

بنیادوں کے نشان بھی باقی نہ رہے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے آکر بنیادوں کے نشان بتلائے تو حضرت خلیل اللہ نے حضرت ذبیح اللہ علیہما الف الف صلوٰۃ اللہ کی اعانت و امداد سے تعمیر شروع کی مفصل قصہ کلام اللہ میں مذکور ہے۔ زیادہ تفصیل اگر درکار ہے تو فتح الباری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا اور تفسیر ابن کثیر اور تفسیر ابن جریر کی طرف مراجعت کریں۔[3]

---

[1] زرقانی ج۱ص:۲۰۲ [2] فتح الباری ج۶ص:۲۸۵ [3] فتح الباری ج۶ص:۲۸۴۔۲۹۲۔

تیسری بار بعثت نبوی سے پانچ سال قبل جب آپ کی عمر شریف پینتیس سال کی تھی۔ قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ بناء ابراہیمی میں خانہ کعبہ غیر مسقف تھا دیواروں کی بلندی کچھ زیادہ نہ تھی قد آدم سے کچھ زائد نو ہاتھ کی مقدار میں تھی۔ مرور زمانہ کی وجہ سے بہت بوسیدہ ہو چکا تھا۔ نشیب میں ہونے کی وجہ سے بارش کا تمام پانی اندر بھر جاتا تھا اس لیے قریش کو اس کی تعمیر کا ازسرنو خیال پیدا ہوا۔ جب تمام رؤساء قریش اس پر متفق ہو گئے کہ بیت اللہ کو منہدم کر کے ازسرنو بنایا جائے تو ابو وہب بن عمرو مخزومی (رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد کے ماموں) کھڑے ہوئے اور قریش سے مخاطب ہو کر یہ کہا کہ دیکھو بیت اللہ کی تعمیر میں جو کچھ بھی خرچ کیا جائے وہ کسب حلال ہو اور زنا اور چوری اور سود وغیرہ کا کوئی پیسہ اس میں شامل نہ ہو صرف حلال مال اس کی تعمیر میں لگایا جائے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی کو پسند کرتا ہے۔ اس کے گھر میں پاک ہی پیسہ لگاؤ اور اس خیال سے کہ تعمیر بیت اللہ کے شرف سے کوئی محروم نہ رہ جائے اس لیے تعمیر بیت اللہ کو مختلف قبائل پر تقسیم کر دیا کہ فلاں قبیلہ بیت اللہ کا فلاں حصہ تعمیر کرے اور فلاں قبیلہ فلاں حصّہ تعمیر کرے۔

دروازے کی جانب بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے حصّہ میں آئی اور حجر اسود اور رکن یمانی کا درمیانی حصّہ بنی مخزوم اور دیگر قبائل قریش کے حصّہ میں آیا اور بیت اللہ کی پشت بنی جمح اور بنی سہم کے حصہ میں آئی اور حطیم بنی عبدالدار بن قصی اور ابن اسد اور بنی عدی کے حصہ میں آیا۔ اسی اثناء میں قریش کو یہ خبر لگی کہ ایک تجارتی جہاز جدہ کی بندرگاہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا ہے۔ ولید بن مغیرہ سنتے ہی جدہ پہنچا اور اس کے تختے خانہ کعبہ کی چھت کے لیے حاصل کر لیے اس جہاز میں ایک رومی معمار بھی تھا جس کا نام باقوم تھا۔ ولید نے تعمیر بیت اللہ کے لیے اس کو بھی ساتھ لے لیا۔ قال الحافظ فی الاصابۃ رجالہ ثقات مع ارسالہ[1] ان مراحل کے بعد جب قدیم عمارت کے منہدم کرنے کا وقت آیا تو کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ وہ بیت اللہ کے ڈھانے کے لیے کھڑا ہو۔ بالآخر ولید بن مغیرہ پھاوڑا لے کر کھڑا ہوا اور یہ کہا کہ:۔

---

[1] الاصابہ ج۱، ص:۱۳۷

اللھم لا نُرِیدُ اِلّا الخیر	اے اللہ ہم، صرف خیر اور بھلائی کی نیت رکھتے ہیں۔

معاذ اللہ ہماری نیت بری نہیں اور یہ کہہ کر حجر اسود اور رکن یمانی کی طرف سے ڈھانا شروع کیا۔ اہل مکہ نے کہا کہ رات کا انتظار کرو کہ ولید پر کوئی آسمانی بلا تو نازل نہیں ہوتی۔ اگر اس پر کوئی بلائے آسمانی اور آفت ناگہانی نازل ہوئی تو ہم بیت اللہ کو پھر اصلی حالت پر بنا دیں گے ورنہ ہم بھی ولید کے معین و مددگار ہوں گے۔ صبح ہوئی تو ولید صحیح و سالم پھر پھاؤلا لے کر حرم محترم میں آ پہنچا۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ ہمارے اس فعل سے اللہ راضی ہے اور سب کی ہمتیں بڑھ گئیں اور سب مل کر دل و جان سے اس کام میں شریک ہو گئے اور یہاں تک کھودا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی بنیادیں نمودار ہو گئیں۔ ایک قریشی نے جب بنیاد ابراہیمی پر پھاؤلا چلایا تو دفعۃً تمام مکہ میں ایک سخت دھماکہ ظاہر ہوا جس کی وجہ سے آگے کھودنے سے رُک گئے اور انہیں بنیادوں پر تعمیر شروع کر دی۔ تقسیم سابق کے مطابق ہر قبیلہ نے علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کر کے تعمیر شروع کر دی۔ جب تعمیر مکمل ہو گئی اور حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو سخت اختلاف ہوا تلواریں کھینچ گئیں اور لوگ جنگ و جدال اور قتل و قتال پر آمادہ ہو گئے۔ جب چار پانچ روز اسی طرح گذر گئے اور کوئی بات طے نہ ہوئی تو ابوامیہ بن مغیرہ مخزومی نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر اور سن رسیدہ تھا۔ یہ رائے دی کہ کل صبح کو جو شخص سب سے پہلے مسجد حرام کے دروازے سے داخل ہو اسی کو اپنا حکم بنا کر فیصلہ کرالو۔ سب نے رائے کو پسند کیا۔ صبح ہوئی اور تمام لوگ حرم میں پہنچے دیکھتے کیا ہیں کہ سب سے پہلے آنیوالے محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی سب کی زبانوں سے بے ساختہ یہ لفظ نکلے۔

ھذا محمّد الامین رضینا ھذا محمد الامین	یہ تو محمد امین ہیں۔ ہم ان کے حکم بنانے پر راضی ہیں۔ یہ تو محمد امین ہیں۔

آپ نے ایک چادر منگائی اور حجر اسود کو اس میں رکھ کر یہ فرمایا کہ ہر قبیلہ کا سردار اس

چادر کو تھام لے۔ تاکہ اس شرف سے کوئی قبیلہ محروم نہ رہے اس فیصلہ کو سب نے پسند کیا اور سب نے مل کر چادر اٹھائی۔ جب سب کے سب اس چادر کو اٹھائے اس جگہ پہنچے جہاں اسکو رکھنا تھا تو آپ بہ نفس نفیس آگے بڑھے اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھ دیا۔[1]

چوتھی بار عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیت اللہ کو شہید کر کے ازسرنو تعمیر کرایا۔

پانچویں بار اس کو حجاج بن یوسف نے بنایا کہ اولین اور آخرین میں جس کے جور وستم اور ظلم وتعدی کی نظیر نہیں۔ تفصیل کے لیے کتب تاریخ ملاحظہ ہوں۔

حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ الفیۃ السیر میں فرماتے ہیں

وَاِذْبَنَتْ قُرَیشٌ البیتَ اخْتَلَفْ ۔۔۔ مَلاَ ھُمْ تَنَازُعًا حَتّٰی وَقَفْ

اَمْرُھُمْ فِیمَنْ یَکُونُ یَضَعُ ۔۔۔ الحَجَرِ الاَسوَدَ حَیْثُ یُوْضَعُ

اِذْجَاءَ قالوا کلھم رَضِیْنا ۔۔۔ لوضعہ محمدا الامینا

فحط فی ثوب وقال یرفعْ ۔۔۔ کُلُّ قَبِیْلٍ طَرَفًا فَرَفَعُوْا

ثُمَّۃَ اَوْدَعَ الامینُ الحَجَرا ۔۔۔ مَکَانَہ وَقَدْ رَضُوا بِمَا جَرٰی

رُسوم جاہلیت سے خداداد تنفر اور بیزاری

انبیاء ومرسلین اگرچہ نبوت ورسالت سے پہلے نبی اور رسول نہیں ہوتے مگر ولی اور صدیق ضرور ہوتے ہیں اور ان کی ولایت ایسی کامل اور اتم ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑے ولی اور صدیق کی ولایت کو ان کی ولایت سے وہ نسبت بھی نہیں ہوتی جو قطرہ کو دریا کے ساتھ یا ذرہ کو آفتاب کے ساتھ ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد وَلَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰھِیْمَ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ وَ کُنَّا بِہٖ عٰلِمِیْنَ اور

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص: ۶۵، روض الانف ج ۱ ص: ۱۲۷، تاریخ طبری ج ۲ ص: ۲۰۰، زرقانی ج ۱ ص: ۲۰۳۔۲۰۶

حضرت یوسف علیہ السلام کا تمام واقعہ اور خصوصاً ان کا ارشاد وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ اور حق تعالیٰ شانہٗ کا حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ ارشاد وَاٰتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا وَّحَنَانًا. وغیر ذٰلك سب اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرات انبیاء نبوت و بعثت سے پہلے ہی اعلیٰ درجہ کے ولی اور صدیق ہوتے ہیں۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابتداء ہی سے شرک اور بُت پرستی سے اور تمام مراسم شرک سے بالکل پاک اور منزہ رہے جیسا کہ ابن ہشام کی روایت میں ہے۔

فشب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم والله يكلأه و يحفظه ويحوطه من اقذار الجاهلية لما يريد به من كرامة و رسالة حتى بلغ ان كان رجلا و افضل قومه مروء ة واحسنهم خلقا و اكرمهم حسبا و احسنهم جوارا واعظمهم حلما و اصدقهم حديثا و اعظمهم امانة و ابعدهم من الفحش والاخلاق التي تدنس الرجال تنزها و تكرما اسمه في قومه الامين لما جمع الله فيه من الامور الصالحة

(سیرت ابن ہشام ص ۶۲ ج ۱)

صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں جوان ہوئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت اور نگرانی فرماتے تھے اور جاہلیت کی تمام گندگیوں سے آپ کو پاک اور محفوظ رکھتے تھے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہو چکا تھا کہ آپ کو نبوت و رسالت اور ہر قسم کی عزت و کرامت سے سرفراز فرمائے۔ یہاں تک کہ آپ مرد کامل ہو گئے اور مروت اور حسن خلق اور حسب ونسب، حلم اور بردباری اور راست بازی اور صداقت و امانت میں سب سے بڑھ گئے اور فحش اور اخلاق رذیلہ سے انتہا درجہ دُور ہو گئے یہاں تک کہ آپ امین کے نام سے مشہور ہو گئے۔

حضرت علی سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کیا گیا کہ آپ

نے کبھی کسی بت کو پوجا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں پھر پوچھا گیا کہ کبھی آپ نے شراب پی ہے آپ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ سے ان چیزوں کو کفر سمجھتا تھا۔ اگرچہ مجھ کو کتاب اور ایمان کا علم نہ تھا (اخرجہ ابونعیم وابن عساکر)

مسند احمد میں عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت خدیجہ کے ایک ہمسایہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو حضرت خدیجہ سے یہ کہتے سنا کہ خدا کی قسم میں کبھی لات کی پرستش نہ کروں گا۔ خدا کی قسم کبھی عزیٰ کی پرستش نہ کروں گا[۱]

زید بن حارثہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں جب مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے تو اساف[۲] اور نائلہ کو چھوتے تھے ایک بار میں نے آپ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا جب ان بتوں کے پاس سے گذرا تو ان کو چھوا۔ آں حضرت ﷺ نے مجھ کو منع کیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ دیکھوں تو سہی کہ چھونے سے ہوتا کیا ہے اس لیے دوبارہ ان کو چھوا آپ نے پھر ذرا سختی سے منع فرمایا کہ کیا تم کو منع نہیں کیا تھا۔ زید فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس کے بعد کبھی کسی بت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت ورسالت سے سرفراز فرمایا اور آپ پر اپنا کلام اتارا۔ یہ روایت مستدرک حاکم اور دلائل ابی نعیم اور دلائل بیہقی میں مذکور ہے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ مجھ کو جاہلیت کی کسی بات کا کبھی خیال ہی نہیں آیا۔ صرف دو مرتبہ ایسا خیال آیا مگر اللہ نے بچایا اور مجھ کو اس سے محفوظ رکھا۔ ایک شب میں نے اپنے ساتھی سے کہا جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا کہ تم بکریوں کی خبر رکھنا اور میں مکہ میں جا کر کچھ قصے کہانیاں سن کر آتا ہوں۔ میں مکہ میں داخل ہوا ایک مکان سے گانے بجانے کی آواز سنائی دی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ فلاں کی شادی ہے میں بیٹھا ہی تھا کہ فوراً نیند آگئی اور خدا نے میرے کانوں پر مہر لگادی پھر سویا تو خدا کی قسم آفتاب کی تمازت ہی نے مجھ کو بیدار کیا اٹھ

---

[۱] الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص: ۹۰ [۲] اساف اور نائلہ یہ دو بتوں کے نام ہیں۔ ۱۲

کر اپنے ساتھی کے پاس آیا ساتھی نے دریافت کیا کہ بتلاؤ کیا دیکھا۔ آپ نے فرمایا کچھ بھی نہیں اور اپنے سونے کا واقعہ بیان فرمایا۔ دوسری شب آپ نے پھر یہی ارادہ فرمایا خدا کی طرف سے پھر یہی صورت پیش آئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس کے بعد پھر میرے دل میں اس قسم کا کوئی خیال ہی نہیں آیا یہاں تک کہ اللہ نے مجھ کو اپنی پیغمبری سے سرفراز فرمایا۔ یہ حدیث مسند بزار اور مسند اسحاق بن راہویہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند متصل اور حسن ہے اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ بخاری اور مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت آپ بھی پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے کہ آپ کے چچا حضرت عباس نے کہا کہ بیٹا تہبند کھول کر مونڈ پر رکھ لو تا کہ پتھروں کی رگڑ سے محفوظ رہو آپ نے چچا کے کہنے سے تہبند کھولا کھولتے ہی آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس کے بعد آپ کبھی برہنہ نہیں دیکھے گئے۔

ابوالطفیلؓ سے مروی ہے کہ اس وقت آپ کو غیب سے یہ آواز آئی **یا محمد عَوْرتَك** اے محمد اپنے ستر کی خبر لو۔ یہ غیبی آواز سب سے پہلی آواز تھی جو آپ کو سنائی دی۔ ابوالطفیل کی یہ روایت دلائل ابی نعیم اور دلائل بیہقی اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[۱]

ابن عباس کی روایت میں ہے کہ ابوطالب نے آپ سے پوچھا کیا ماجرا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایک سفید پوش آدمی دکھلائی دیا جس نے یہ کہا اے محمد اپنے ستر کو چھپاؤ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے اخرجہ ابن سعد وابن عدی والحاکم وصححہ وابونعیم من طریق عکرمۃ عن ابن عباس[۲] ایک مرتبہ قریش نے آپ کے سامنے لا کر کھانا رکھا۔ اس مجلس میں زید بن عمرو بن نفیل بھی تھے۔ آپ نے اس کے کھانے سے انکار کیا۔ بعد ازاں زید نے بھی انکار کیا اور کہا کہ میں بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور اور بتوں کے چڑھاوے نہیں کھاتا میں صرف وہی چیز کھاتا ہوں جس پر صرف اللہ کا نام لیا جائے۔ زید بن عمرو بن نفیل قریش سے یہ کہا کرتے تھے

۱ الخصائص الکبریٰ ج:۱ص:۸۸ ۲ ایضاً

کہ بکری کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور اللہ ہی نے اس کے لیے گھانس اُگایا۔ پھر تم اس کو غیر اللہ کے نام پر کیوں ذبح کرتے ہو۔ (فتح الباری ص ۱۰۸ ج ۷ حدیث زید بن عمرو بن نفیل۔)

زید عمرو بن نفیل۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی اور سعید بن زید کے (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) والد ماجد ہیں شرک اور بت پرستی سے بیزار اور دین حق کے متلاشی تھے۔ بعثت سے پانچ سال قبل جس وقت خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی اس وقت انتقال کیا۔ تفصیل کے لئے۔ فتح الباری ص ۱۰۸ ج ۷ تا ص ۱۱۰ ج ۷ باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل اور اصابہ ص ۵۶۹ ج ۱ ترجمۂ زید بن عمرو بن نفیل اور طبقات ابن سعد ص ۱۰۵ ج ۱ باب علامات النبوۃ قبل البعثت مطالعہ فرمائیں۔

بدء الوحی اور تباشیر نبوت[۱]

روایات مذکورۂ بالا سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ حضرات انبیاء اللہ نبی ہونے سے پیشتر ہی کفر اور شرک اور ہر قسم کے فحشاء اور منکر سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں ابتداء ہی سے ان حضرات کے قلوب مُطہرہ توحید و تفرید، خشیت و معرفت سے لبریز ہوتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ جو حضرات عنقریب کفر اور شرک کے مٹانے کے لیے اور ہر فحشاء اور منکر سے بچانے کے لیے اور خیر کی طرف دعوت دینے کے لیے من جانب اللہ مبعوث ہونے والے ہیں اور خدا کے مجتبیٰ اور مصطفےٰ برگزیدہ اور پسندیدہ بندے بننے والے ہیں معاذ اللہ وہ خود ہی منصب نبوت و رسالت اور خلعت اجتباء و اصطفاء کی سرفرازی سے پیشتر کفر اور شرک کی نجاست میں ملوث اور فواحش و منکرات کی گندگی سے آلودہ ہوں۔ حاشا ثم حاشا قطعاً ناممکن اور محال ہے۔ حضرات انبیاء نبوت اور بعثت سے پیشتر اگرچہ نبی اور رسول نہیں ہوتے مگر اعلیٰ درجہ کے اولیاء اور عُرفاء ضرور ہوتے ہیں۔ صفاتِ خداوندی سے جاہل نہیں ہوتے اور نہ ان کو کسی وقت صفات خداوندی میں کسی قسم کا دھوکا اور مغالطہ ہوتا ہے اور نہ کسی قسم کا شک اور اشتباہ آتا ہے۔

---

[۱] بدء الوحی سے مراد آغاز نبوت ہے یعنی وحی کی ابتداء کس طرح ہوئی اور تباشیر نبوت سے نبوت و رسالت کے مبشرات اور مبادی مراد ہیں یعنی وہ امور کہ جو صریح نبوت و رسالت تو نہیں مگر نبوت و رسالت کا دیباچہ اور پیش خیمہ ہیں ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

قَالَ اللّٰہ عزوجل وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰھِیْمَ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ وَ کُنَّابِہٖ عَالِمِیْنَ[۱]

اور تحقیق ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ان کی شان کے مطابق رشد عطا کیا تھا اور ہم ان کو اور ان کی استعداد کو پہلے سے ہی خوب جانتے تھے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ''رشد'' کے کیا معنی ہیں اور رشید اور راشد کس کو کہتے ہیں سورۂ حجرات کی یہ آیت شریفہ اس کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْیُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَ کَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ ○ فَضْلاً مِّنَ اللّٰہِ وَ نِعْمَۃً وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ[۲]

اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں بالفرض والتقدیر اگر بہت سی باتوں میں تمہارا کہنا ماننے لگیں تو بلاشبہ تم مشقت میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو اس مشقت سے اس طرح بچایا کہ ایمان اور اطاعت کو تمہارے دلوں میں محبوب اور مرغوب بنا دیا اور کفر اور فسق اور معصیت کی نفرت تمہارے دلوں میں ڈال دی، ایسے لوگ کہ جن کے دلوں میں ایمان و اطاعت کی محبت اور کفر و معصیت کی نفرت راسخ ہو چکی ہو اللہ کے فضل و انعام سے رشد و ہدایت والے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی علیم و حکیم ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ قلب میں ایمان و اطاعت خداوندی کی محبت اور کفر اور فسق اور معصیت کی نفرت و کراہت کے راسخ ہو جانے کا نام رُشد ہے اور یہ رُشد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو حق جل شانہٗ نے ابتداء ہی سے عطا فرما دیا تھا جیسا کہ سورۂ انبیاء کی

[۱] انبیاء، آیۃ۔۵۱ [۲] الحجرات، آیۃ:۷۔

اس آیت سے واضح ہے اور رُشد لغت عرب میں ضلالت اور گمراہی کے مقابلہ میں مستعمل ہوتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ رُشد اور ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابتداء ہی سے رُشد اور ہدایت پر تھے۔ معاذ اللہ گمراہ نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ستاروں اور چاند اور سورج کو دیکھ کر یہ فرمانا هذا ربی اس سے حال کے بعض[1] مصنفین کو یہ دھوکہ ہوا کہ معاذ اللہ ابھی حضرت ابراہیم شک وشبہ میں پڑے ہوئے تھے۔ جب غروب ہوتے دیکھا تب اشتباہ زائل ہوا۔ حاشا ثم حاشا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ابتدا ہی سے شمس وقمر کو خدا کی ادنیٰ مخلوق سمجھتے تھے قوم چونکہ کواکب پرستی میں مبتلا تھی۔ اس لیے ان کے عقیدۂ فاسدہ کے رد کرنے کے لیے فرمایا کہ اگر بطور فرض محال تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ستارہ تمہارے اعتقاد کے مطابق میرا رب ہے۔ تو بہت اچھا ذرا تھوڑی دیر اس کے غروب وافول کا انتظار کرو خود ہی اس کا فانی اور حادث ہونا منکشف ہو جائے گا۔ پھر اسی طرح شمس وقمر کا حادث اور فانی ہونا سمجھایا اس لیے کہ کواکب پرستوں کا عقیدہ یہ تھا کہ غروب کے بعد ستارہ میں وہ تاثیر باقی نہیں رہتی جو طلوع کے وقت تھی پس اگر یہ خدا ہوتے تو ان کی صفتِ تاثیر میں تغیر اور ضعف نہ آتا اس لیے کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات تغیر اور ضعف سے پاک اور منزہ ہے حضرت ابراہیم کا یہ تمام کلام اوّل سے آخر تک بطور محاجہ اور مناظرہ تھا جیسا کہ بعد کی آیتیں وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْنِّيْ فِي اللّٰهِ وَ

---

[1] علامہ شبلی سیرۃ النبی ص ۱۸۷ ج ا تقطیع خورد میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے ستاروں کو دیکھا تو چونکہ تجلی کی جھلک تھی، دھوکہ ہوا چاند نکلا تو اور بھی شبہ ہوا۔ آفتاب پر اس سے زیادہ لیکن جب سب نظروں سے غائب ہو گئے تو بے ساختہ پکار اُٹھے۔ انی لا احب الافلین۔ انتہی کلامہ۔ علامہ شبلی کا خیال سراپا اختلال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو دھوکہ لگا۔ معاذ اللہ حضرات انبیاء کرام کو خدا کی ذات وصفات میں کبھی دھوکہ نہیں لگتا اور حضرت ابراہیم کو تو انبیاء ورسل میں ایک خاص شان امتیازی حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملکوت السمٰوات والارض کا مشاہدہ کرایا اور ان کو موقنین میں سے بنایا ان کو خوب معلوم تھا کہ شمس وقمر اور کواکب اور نجوم سب حکم خداوندی کے مسخر اور تابعدار ہیں معاذ اللہ حضرت ابراہیم کو کوئی دھوکہ نہیں لگا۔ علامہ ہی کو عقائد اسلامیہ میں اور عربی عبارتوں کے ترجمہ میں دھوکہ لگتا ہے۔

در نیابد حال پختہ ہیچ خام
پس سخن کوتاہ باید والسلام

قَدْ هَدَان. اور آیۃ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ صراحۃً اس پر دال ہیں کہ یہ تمام تر کواکب پرستوں کے ساتھ مناظرہ اور مجادلہ تھا اور یہ وہ حجت اور برہان تھی کہ جو اللہ نے آپ کو مناظرہ کے لیے تلقین کی تھی۔ الحاصل یہ مناظرہ تھا۔ حضرت خلیل کی ذاتی نظر اور فکر نہ تھی۔ کیا حضرت ابراہیم نے اس سے پیشتر کبھی چانداور سورج کو نہ دیکھا تھا

نیز بخاری و مسلم اور دیگر کتب صحاح میں یہ حدیث موجود ہے۔

کلّ مولود یُولد علی الفطرۃ فابواہ یُھود انہ اویُنصّر انہ اویمجّسانہ۔	ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے بعد میں اس کے ماں باپ اسکو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنالیتے ہیں۔

اور یہ نہیں فرمایا کہ یُسلّمانہ کہ اس کے ماں باپ اس کو مسلمان بناتے ہیں اس لیے کہ فطرۃً وہ مُسلمان ہی پیدا ہوا ہے اور صحیح مسلم میں عیاض بن حمار سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

قَال اللّٰهُ اِنیّ خَلقتُ عبادی حُنفاء۔	حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بندوں کو فطرۃً حنیف پیدا کیا ہے۔

پس جب کہ ہر مولود ابتداہی سے حنیف اور فطرۃ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ تو جو شخص شیخ ہو تمام انبیاء کا اور امام ہو تمام حُنفاء کا اور مقتدا ہو تمام موحدین کا اور قدُوَہ اور اُسوہ ہو کفر اور شرک سے بری اور بیزاری ہونے والوں کا وہ بدرجۂ اولیٰ ابتداء ہی سے حنیف اور رشید ہوگا اس کی فطرت سب سے زیادہ سلیم اور اس کی طبیعت سب سے زیادہ مستقیم ہوگی۔ قرآن کریم میں جا بجا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابراہیم، حنیف کی ملّت کے اتباع کا حکم مذکور ہے۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ[۱]	پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم حنیف کی ملّت کا اتباع کیجیے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

---

[۱] النحل، آیۃ: ۱۲۳

وقال تعالٰی قُلْ اِنَّنِیْ ھَدَانِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ [1]

آپ کہہ دیجیے کہ اللہ نے مجھ کو ایک سیدھا راستہ بتایا ہے وہ ایک صحیح دین ہے جو ابراہیم کا طریقہ ہے جس میں ذرا برابر کجی نہ تھی اور نہ وہ کبھی مشرکین میں سے ہوئے۔

تفصیل اگر درکار ہے تو امام جلیل وکبیر حافظ عماد الدین ابن کثیر قدس اللہ روحہ ونور ضریحہ (آمین) کی تفسیر کی مراجعت فرمائیں۔

زمانۂ جاہلیت میں جب کہ کفر اور شرک کی ظلمتیں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں اس وقت زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل اور اس قسم کے موحدین اور حُنَفاء کے دلوں میں جو توحید کی روشنی جلوہ گر تھی وہ توحید ابراہیمی کا پرتو اور عکس نہ تھا تو پھر کس کا تھا۔ کیا معاذ اللہ زید اور ورقہ کی فطرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ سلیم تھی۔

قاضی عیاض قدس اللہ سرہٗ شفا میں فرماتے ہیں۔

اِعلم منحنا الله تعالٰی و ایاك توفیقه ان ماتعلق منه بطریق التوحید والعلم بالله وصفاته والایمان به و بما اوحی الیه فعلی غایة المعرفة ووضوح العلم والیقین والانتفاء عن الجهل بشیٔ من ذلك اوالشك اوالریب فیه والعصمة من کل ما یضاد المعرفة

اے عزیز خوب جان لے (اللہ تعالیٰ ہم کو اور تجھ کو اپنی توفیق کی نعمت عطا فرمائے) کہ جس چیز کا اللہ کی توحید اور معرفت اور ایمان اور وحی سے تعلق ہے وہ حضرات انبیاء کو نہایت کامل اور واضح طریق سے معلوم ہوتی ہے۔ حضرات انبیاء کو خدا کی ذات وصفات کا علم یقینی ہوتا ہے معاذ اللہ کسی چیز سے بے خبر نہیں ہوتے اور نہ ان کو اس بارہ میں کوئی شک اور تردد ہوتا ہے اور وہ ہر اس چیز سے معصوم اور پاک اور منزہ ہوتے ہیں کہ

[1] الانعام: آیۃ: ۱۶۱

بذالك واليقين۔ هذا ما وقع عليه اجماع المسلمين ولا يصح بالبراهين الواضحة ان يكون فی عقود الانبياء سواه[۱]

جو اس کی معرفت اور یقین کے منافی ہو اسی پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور براہین قاطعہ اور دلائل واضحہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء کے عقائد میں کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔

خلاصہ

یہ کہ حضرات انبیاء اللہ کے نفوس قدسیہ ابتداء ہی سے کفر اور شرک اور ہر قسم کے فحشاء اور منکر سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں۔ شروع ہی سے وہ حنیف اور رشید ہوتے ہیں فطری طور پر ہر بُری بات سے متنفر اور بیزار ہوتے ہیں۔ چنانچہ شدّاد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فلما نشاء ت بغضت الی الاوثان و بغض الی الشعر[۲]

کہ جب سے میرا نشوونما شروع ہوا اسی وقت سے بتوں کی شدید عداوت اور نفرت اور اشعار سے سخت نفرت میرے دل میں ڈال دی گئی۔

نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ سرتاپا حق اور صدق ہو اس کے قول میں اس کے فعل میں اس کی نیت میں اس کے عزم اور ارادہ میں کہیں کذب اور تخیل کا شائبہ اور نام ونشان بھی نہ ہو۔ لہٰذا مناسب ہوا کہ نبی شاعر نہ ہو اس لیے کہ شاعر کا کذب اور شوائب سے پاک اور منزہ ہونا اغلباً اور عادتاً ناممکن ہے اس لیے ارشاد ہوا۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنۢبَغِي لَهٗ۔[۳]

ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں عطا کیا اور یہ علم آپ کے لیے مناسب بھی نہیں۔

---

۱ شفاء قاضی عیاض۔ ج:۲، ص:۸۸ ۲ یہ روایت کنز العمال میں بحوالۂ ابی یعلی وابی نعیم ذکر کی گئی ہے۔۱۲ کنز العمال ج:۶، ص:۳۰۵ ۳ یٰس۔ آیۃ:۶۹۔

چونکہ منصب نبوت و رسالت آپ کے لیے مقدر ہو چکا تھا اس لیے حق جل شانہ نے ابتداء ہی سے آپ کے قلب مطہر کو ان تمام امور سے متنفر اور بیزار کر دیا کہ جو منصب نبوت و رسالت کے منافی اور مباین تھے اسی طرح اللہ نے آپ کو بڑھایا اور جوان کیا جب زمانہ نبوت کا قریب آ پہنچا۔ تو رؤیائے صادقہ[1] اور صالحہ سچے اور درست خواب دکھائی دینے لگے۔

نبی نَبَاء سے مشتق ہے۔ لغت عرب میں نَبَاء اس خبر کو کہتے ہیں کہ جو مہتم بالشان اور بالکل صحیح اور واقع کے مطابق ہو۔ مطلق خبر کو نبا نہیں کہتے۔ نبی کو نبی اس لیے کہتے ہیں کہ اس کو بذریعہ وحی کے انباء الغیب یعنی غیبی خبروں پر کہ جو نہایت مہتم بالشان اور بالکل صحیح اور واقع کے مطابق ہوتی ہیں اور کبھی غلط نہیں ہوسکتیں نبی کو بذریعہ وحی ایسی خبروں کی اطلاع دی جاتی ہے۔ امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہٗ اپنے ایک مکتوب میں مختصراً نبوت کی حقیقت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

وچنانچہ طور عقل ورائے طور حس است کہ آنچہ بحس مدرک نشود عقل ادراک آں می نماید ہمچنیں طور نبوت ورائے طور عقل ست آنچہ بعقل مدرک نشود بتوسل نبوت بدرک می دراید۔	جس طرح ادراک عقلی کا طریقہ ادراک حسی کے علاوہ ہے کہ جو شئ حس ظاہر سے نہ معلوم ہوسکے عقل اس کا ادراک کرلیتی ہے اسی طرح طور نبوت طور عقل سے سوا ہے کہ جن چیزوں کے ادراک سے عقل قاصر اور عاجز ہے وہ چیزیں بذریعہ نبوت ادراک کی جاسکتی ہیں۔

حس ظاہر سے فقط محسوسات کا اور عقل سے فقط معقولات کا ادراک ہوسکتا ہے لیکن وہ غیبی امور کہ جو حس اور عقل کے ادراک سے بالاتر ہیں۔ نہ وہاں حس کی رسائی ہے اور نہ عقل کی وہ غیبی امور بذریعہ وحی اور نبوت کے منکشف ہوتے ہیں امور غیبیہ کے ادراک کا ذریعہ اور وسیلہ صرف وحی نبوت ہے۔ وحی نبوت کی حقیقت تو حضرات انبیاء ہی سمجھ سکتے

[1] حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا خواب ہمیشہ صادق (سچا) ہوتا ہے۔ کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔ البتہ دنیا کے لحاظ سے کبھی صالحہ (ٹھیک) ہوتا ہے اور کبھی غیر صالحہ لیکن آخرت کے لحاظ سے ہمیشہ صالحہ ہی ہوتا ہے جیسے مصیبت مؤمن کے حق میں دنیا کے اعتبار سے مکروہ اور آخرت کے لحاظ سے محبوب اور پسندیدہ ہے ۱۲۔ کتاب التعبیر فتح الباری ص ۳۱۱ ج ۱۲

ہیں مگر حق تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے ہم جیسے نادانوں کے سمجھانے کے لئے وحی نبوت کا ایک نمونہ عطا فرمایا ہے کہ جس کو دیکھ کر کچھ نبوت کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔ وحی نبوت کا وہ نمونہ رؤیائے صالحہ (سچا خواب) ہے کہ جو حس اور عقل کے علاوہ غیبی امور کے انکشاف کا ایک ادنیٰ ذریعہ ہے۔

جس وقت انسان سوجاتا ہے اور اس کے تمام ظاہری اور باطنی قوائے ادراکیہ بالکل معطل اور بے کار ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اس کو من جانب اللہ بہت سے امور منکشف ہوتے ہیں۔ تفصیل کے لئے حجت الاسلام امام غزالی قدس اللہ سرہٗ کا رسالہ ''المنقذ من الضلال'' مطالعہ فرمائیں۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح غیبی امور کے انکشاف کا اعلیٰ ترین ذریعہ وحی نبوت ہے اسی طرح غیبی امور کے انکشاف کا ادنیٰ ترین ذریعہ رؤیائے صادقہ ہے اور رؤیائے صالحہ وحی نبوت کا ایک نمونہ ہے جس سے انبیاء کرام کی نبوت کا آغاز ہوتا ہے۔ چنانچہ دلائل ابی نعیم میں باسناد حسن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد علقمۃ بن قیس سے مرسلاً مروی ہے کہ اوّل انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو خواب دکھلائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب سچے خوابوں سے ان کے قلوب مطمئن ہو جاتے ہیں تب بحالت بیداری ان پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے [1] جیسے یوسف علیہ السلام کو نبوّت سے قبل ایک عجیب وغریب خواب دکھلایا گیا۔ اسی وجہ سے کہ رؤیائے صالحہ وحی نبوت کا ایک نمونہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ رؤیائے صالحہ نبوت کا ایک جز ہے۔ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خواب تو ہمیشہ سچا ہی ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء کے خواب میں کذب کا امکان بھی نہیں۔ البتہ صالحین کے خواب میں صدق غالب رہتا ہے شاذ ونادر ان کا خواب از قبیل اضغاث احلام ہوتا ہے۔ فساق و فجار کے خواب اکثر اضغاث احلام ہوتے ہیں صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

---

[1] فتح الباری باب کیف کان بدء الوحی۔ ج:۱ص:۷

أصدقهم رؤيا أصدقهم حديثا۔ | جو شخص اپنی بات میں سب سے زیادہ سچا ہے وہی خواب میں بھی سب سے زائد سچا ہے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ خواب کے صادق ہونے میں بیداری کے صدق کو خاص دخل ہے اور جو شخص جتنا زائد صادق الکلام ہے اسی قدر نبوت سے قریب ہے اور جس درجہ صدق سے دور ہے اتنا ہی نبوت سے دور ہے اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے کبھی یہ ارشاد فرمایا کہ رؤیائے صالحہ نبوت کا چھبیسواں جزء ہے اور کبھی یہ فرمایا کہ چالیسواں جزء ہے ایک حدیث میں ہے کہ پینتالیسواں جزء ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ پچاسواں جزء ہے ایک اور حدیث میں سترواں جزء ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ چھہترواں جزء ہے۔ امام غزالی قدس اللہ سرہ۔ احیاء العلوم کی کتاب الفقر والزہد میں فرماتے ہیں کہ حاشا ان مختلف کلمات کو یہ نہ سمجھو کہ باہم متعارض اور مضطرب ہیں بلکہ ان مختلف کلمات سے اختلاف مراتب کی طرف اشارہ سمجھو کہ خواب دیکھنے والے مختلف المراتب ہیں صدیقین کے خواب کو نبوت سے وہی نسبت ہوگی جو ایک کو چھبیس سے ہے اور کسی کے خواب کو نبوت سے وہی نسبت ہوگی جو ایک کو چالیس یا پچاس یا ستر یا چھہتر سے ہے[1] اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث **اصدقهم رؤيا صدقهم حديثا** (جس کو ہم ابھی نقل کر چکے ہیں) وہ بھی اسی اختلاف مراتب کی طرف مشیر معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ افعل التفضیل کا استعمال اسی محل پر مناسب ہے کہ جہاں مراتب اور درجات مختلف اور متفاوت اور متفاضل ہوں۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے صراحۃً منقول ہے کہ رؤیائے صالحہ کے جزء نبوت ہونے میں جس قدر بھی روایتیں مروی ہیں وہ سب اختلاف مراتب پر محمول ہیں[2] رہا یہ سوال کہ رؤیائے صالحہ کے جزء نبوت ہونے کے کیا معنی ہیں حضرات اہل علم اس کے حل کے لئے فتح الباری کی مراجعت کریں۔[3] اور بعد ازاں اپنے طلباء اور متوسلین کو سمجھائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اس فعلِ خیر کی جزاء عطا فرمائے۔ دلالت

[1] فتح الباری، ج:۱۲،ص:۳۱۹۔۱۲۴ [2] مدارج السالکین، ج:۱،ص:۲۸ [3] فتح الباری ج:۱۲،ص:۳۳۱،۳۳۲

علی الخیر کے اجر کا یہ ناچیز بھی اپنے پروردگار سے امیدوار ہے۔ تطویل کے اندیشہ نے اس وقت پہلوتہی پر مجبور کیا لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۔

اب اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ بخاری اور مسلم میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت صدیق سے مروی ہے۔

اوّل مابدئ به رسول الله ﷺ من الوحی الرؤیا الصالحة فی النوم فکان لایری رؤیا الا جاء ت مثل فلق الصبح۔

ﷺ پر وحی کی ابتدا رؤیائے صالحہ سے ہوئی جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو کر رہتا۔

ابن ابی حمزہ فرماتے ہیں کہ رؤیائے صالحہ کو صبح کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ ہنوز آفتاب نبوت نے طلوع نہ کیا تھا۔ جس طرح صبح صادق کی روشنی طلوع آفتاب کا دیباچہ ہے اسی طرح رؤیائے صالحہ آفتاب نبوت و رسالت کے طلوع کا دیباچہ تھا۔

رویائے صادقہ کی صبح صادق خبر دے رہی تھی کہ عنقریب آفتاب نبوت طلوع کرنے والا ہے اور جس طرح صبح کی روشنی آناً فاناً بڑھتی رہتی ہے اسی طرح رؤیائے صالحہ اور صادقہ کی روشنی بھی آناً فاناً بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ آفتاب نبوت و رسالت فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا، جو قلب کے بصیر اور بینا تھے مثلاً ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ سامنے آئے اور آفتاب نبوت کے انوار و تجلیات سے مستفید ہوئے اور جو کور باطن اور خفاش دل تھے جیسے ابوجہل آفتاب کے طلوع ہوتے ہی خفاش کی طرح ان کی آنکھیں بند ہو گئیں اور نبوت و رسالت کے آفتاب عالم تاب کی تمازت کی تاب نہ لا سکے۔

گرنہ بیند بروز شپرہ چشم ۔۔۔ چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

چہرۂ آفتاب خود فاش است ۔۔۔ بے نصیبی نصیب خفاش است

باقی جو لوگ ابوبکر اور ابوجہل کے بین بین تھے اپنی اپنی بصیرت نور قلبی کے موافق ہر شخص آفتاب نبوت سے مستفید ہوا[1]

---

[1] فتح الباری ج:۱۲ص:

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

ثم حُبّب الیہ الخلاء وکان یخلو بغار حِراء۔	پھر آپ کو خلوت اور تنہائی محبوب بنا دی گئی آپ غار حراء میں جا کر خلوت فرماتے۔

ام المؤمنین نے حُبّب کو بصیغۂ مجہول بظاہر اس لیے ذکر فرمایا کہ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کیا سبب اور کیا داعی تھا کہ جس نے خلوت اور عزلت کو آپ کے لیے محبوب بنا دیا وہ کوئی امر باطنی اور غیبی تھا کہ جس نے خلوت وتنہائی پر آپ کو مجبور کر دیا اللہ ہی کو معلوم ہے کہ وہ کیا تھا۔ اوروں کے حق میں وہ سراسر مجہول ہے اس لیے ام المؤمنین نے اس کو بصیغہ مجہول ذکر فرمایا۔

حق جل شانہٗ جب کسی کے ساتھ خاص رحمت کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے قلب میں خلوت وعزلت کا داعیہ پیدا فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ حق جل شانہ اصحاب کہف کے قصہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا [۱]	اور جب تم ان کافروں سے اور ان کے تمام معبودوں سے سوائے اللہ کے الگ ہو جاؤ تو ایک غار میں جا کر ٹھکانہ بناؤ تا کہ اطمینان سے اللہ کی عبادت کر سکو اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمتیں برسائے گا اور ہر کام میں تمہارے لیے سہولت پیدا فرمائے گا۔

یہ ضروری نہیں کہ خلوت وعزلت سے نبوت اور رسالت مل جائے اس لیے کہ نبوت اور رسالت کوئی اکتسابی شئ نہیں اللہ جس کو چاہے نبی اور رسول بنائے **واللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ**

تبارک اللہ ما وحی بمکتسب ولا نبی علی غیب بمتہم

[۱] الکہف، آیۃ: ۱۶

ہاں جس کو وہ خود اپنی رحمت سے نبی اور رسول بنانا چاہتے ہیں خلوت وعزلت ان کے حق میں نبوت ورسالت کا دیباچہ ہوتی ہے جیسا کہ رؤیائے صالحہ فقط ان حضرات کے لئے نبوت ورسالت کا پیش خیمہ ہوتا ہے جن کے لیے منصب نبوت پر فائز ہونا علم الٰہی میں مقدر ہو چکا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ جس کو رؤیائے صالحہ اور سچے خواب نظر آئیں، وہ نبی ہو جائے گا۔

وقال تعالٰی فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَ كُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا [1]

پس جب ابراہیم علیہ السلام کافروں سے اور سوائے خدا کے ان کے تمام معبودوں سے الگ ہوگئے تو ہم نے ابراہیم کو اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا کیا اور ہر ایک کو نبی بنایا۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کا منصب نبوت پر فائز ہونا عزلت ابراہیمی کی برکات میں سے تھا، پس اس طرح آپ بھی غار حراء میں جا کر اعتکاف فرماتے اور کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے اور وہاں رہ کر اللہ کی عبادت اور بندگی کرتے کسی حدیث میں آپ کی عبادت کی کیفیت مذکور نہیں بعض علماء فرماتے ہیں کہ ذکر الٰہی اور مراقبہ اور تفکر اور تذکر یہ آپ کی عبادت تھی علاوہ ازیں فساق وفجار مشرکین اور کفار سے علیحدہ رہنا یہ خود مستقل عبادت ہے (آخر ہجرت [2] جس کی مدح وثنا سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے وہ کیا ہے خدا اور رسول کے دشمنوں سے علیحدگی ہی کا تو نام ہے) اور جب توشہ ختم ہو جاتا تو گھر واپس آکر توشہ لے

[1] مریم، آیۃ: ۴۹

[2] بین القوسین جو عبارت ہے وہ مؤلف کی طرف سے ہے اس لیے اس کو علامہ زرقانی کے کلام سے ممتاز کر دیا گیا جس دلیل سے اللہ جل شانہٗ کو عباد مخلصین کا دیکھنا موجب خیر وبرکت ہے اسی دلیل سے اعداء اللہ کا دیکھنا سلیم طبیعتوں کے لیے موجب کدورت اور باعث ظلمت ہے کیا ہارون اور موسیٰ بن عمران اور فرعون، ہامان اور محمد رسول اللہ ﷺ اور ابو جہل عدو اللہ، ابوبکر صدیق اور مسیلمہ کذاب کا دیکھنا برابر ہے حاشا ثم حاشا ولا ینکر لک الامن سفہ نفسہ۔ والعاقل تکفیہ الاشارہ ۱۲

جاتے اور عبادت میں مشغول ہوجاتے۔ (زرقانی ص ۲۱۱ ج ۱) والمختار عندنا انه كان يعمل بما ظهر له من الكشف الصادق من شريعة ابراهيم وغيره كما في الدر المختار ص ۱۶۳ ج ۱۔

یعنی فقہاء حنفیہ کے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ آپ کو کشفِ صادق اور الہام صحیح سے جو ظاہر اور منکشف ہوتا کہ یہ امر حضرت ابراہیمؑ اور کسی نبی کی شریعت سے ہے اس کے مطابق عمل فرماتے جیسا کہ بعض روایات میں بجائے فَیَتَحَنَّث کے فَیَتَحَنَّفُ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ابراہیم حنیف کے طریقہ پر چلتے تھے یہ لفظ اس کی تائید کرتا ہے کہ آپ ملّت حنیفیہ کے مطابق اپنے کشف اور الہام سے عمل کرتے تھے۔

آفتاب رسالت کا فاران کی چوٹیوں سے طلوع

یہاں تک کہ جب عمر شریف چالیس[۱] سال کو پہنچی تو حسب معمول آپ ایک روز غار حراء میں تشریف فرما تھے کہ دفعۃً ایک فرشتہ غار کے اندر آیا اور آپ کو سلام کیا اور پھر یہ کہا اقرأ پڑھیئے آپ نے فرمایا۔ مَا اَنَا بقارئ میں پڑھ نہیں سکتا۔ اس پر فرشتہ نے پکڑ کر مجھ کو اس شدت سے دبایا کہ میری مشقت[۲] کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس کے بعد چھوڑ دیا اور کہا اقرأ میں نے پھر وہی جواب دیا۔ مَا اَنَا بِقَارِئٍ۔

فائدۂ جلیلہ

مَا اَنَا بِقَارِیٔ کے بظاہر معنی یہ ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں اُمّی ہوں لیکن اس معنی میں اشکال یہ ہے کہ قراءت یعنی زبان سے پڑھنا امیت کے منافی نہیں۔ اُمّی شخص بھی کسی

---

۱ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہونا ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح بخاری میں مذکور ہے اور ایسا ہی جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عطا اور سعید بن المسیب سے مروی ہے ۱۲ عیون الاثر و زرقانی ص ۲۰۷ ج ۱

۲ اس حدیث کو امام بخاری نے بدء الوحی اور کتاب التعبیر اور کتاب التفسیر میں ذکر کیا ہے مگر حتی بلغ منی الجهد کا لفظ بدء الوحی میں صرف پہلی اور دوسری بار کے ساتھ ذکر کیا ہے لیکن کتاب التفسیر اور کتاب التعبیر میں تیسری بار کے ساتھ بھی ذکر کیا ہے۔ ۱۲ منہ عفا عنہ

کی تعلیم و تلقین سے قراءت اور تلفظ کرسکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ فصاحت و بلاغت اس کی غلام ہو۔ اُمیّت۔ کتابت کے منافی ہے۔ اُمّی شخص لکھی ہوئی تحریر کو نہیں پڑھ سکتا، لیکن زبانی تعلیم و تلقین سے تلقین کردہ الفاظ کی قراءت کرسکتا ہے۔ پس اگر جبریل امین کوئی لکھی ہوئی تحریر لے کر آئے تھے کہ جس میں یہ آیتیں لکھی ہوئی تھیں اور اس کی نسبت یہ کہتے تھے کہ اقراء یعنی اس تحریر کو پڑھو تو پھر اس کے جواب میں **ما انا بقاری** کہنا ظاہر اور مناسب ہے جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ جبریل ایک حریری صحیفہ لے کر آئے جو جواہرات سے مرصع[1] تھا اور وہ صحیفہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ اقراء یعنی اس حریری صحیفہ کو پڑھیے۔ آپ نے فرمایا مَاانَا بِقَارِیْ یعنی میں امّی ہوں لکھی ہوئی تحریر کو پڑھ نہیں سکتا۔

بعض مفسرین[2] کا قول ہے کہ **الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ** میں اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے جس کو جبریل امین لے کر آئے تھے اور اگر جبریل امین کوئی تحریر لے کر نہیں آئے تھے اور اقرء سے کسی لکھی ہوئی تحریر کا پڑھنا مطلوب نہ تھا۔ بلکہ محض زبان سے قرائت اور تلفظ مطلوب تھا تو اس صورت میں **مَا اَنَا بِقَارِئٍ** کے یہ معنی نہیں کہ میں اُمّی ہوں پڑھا ہوا نہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ وحی کی ہیبت اور دہشت کی وجہ سے پڑھ نہیں سکتا۔ رؤیت ملک اور مشاہدۂ انوار وحی کی وجہ سے قلب پر اس درجہ ہیبت اور دہشت طاری ہے کہ زبان اٹھتی نہیں۔ کس طرح پڑھوں جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ **کیف اقرء** اس بناء پر ہم نے **ما انا بقاری** کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ جو اس معنی کے بھی مناسب ہے اور پہلے معنی کے ساتھ بھی درست ہوسکتا ہے۔ ہذا توضیح ما افادہ شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی فی اشعۃ اللمعات[3] مدارج النبوۃ[4] وکذا فی تیسیر القاری شرح بخاری بزبان فارسی الشیخ نور الحق دہلوی ص ۷ ج او شرح فارسی شیخ الاسلام دہلوی[5]

---

[1] زرقانی شرح مواہب ص ۲۱۸ ج ۱ میں ہے قد روی ابن اسحاق فی مرسل عبید بن عمیر جاء جبریل بنمط من دیباج فیہ کتاب۔ [2] مَالَمْ یَعْلَمْ تک پڑھنا کتاب التفسیر اور کتاب التعبیر میں مذکور ہے بدء الوحی کو روایت میں فقط وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ تک پڑھنا مذکور ہے۔ ۱۲ عفا عنہ [3] ج: ص ۴۳۰ [4] ج: ۱، ص ۳۳ [5] ج: ۴، ص: ۵۲۲

فرشتہ نے پھر تیسری بار مجھ کو پکڑا اور اسی شدت کے ساتھ دبایا اور چھوڑ دیا اور یہ کہا کہ پڑھو۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ[۱]	آپ اپنے پروردگار کے نام کی مدد سے پڑھیے جو خالق ہے تمام کائنات کا خصوصاً انسان کا کہ جس کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپ پڑھیے کہ آپ کا رب بہت ہی کریم ہے جس نے قلم سے علم سکھلایا اور انسان کو وہ چیز بتلائیں جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔

بعدازاں آپ گھر تشریف لائے اور بدن مبارک پر لرزہ اور کپکپی تھی آتے ہی حضرت خدیجہ سے فرمایا زمّلونی، زمّلونی مجھ کو کپھاڑھاؤ جب کچھ دیر کے بعد وہ گھبراہٹ اور پریشانی دُور ہوئی تو تمام واقعہ حضرت خدیجہ سے بیان کیا اور یہ کہا کہ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ میری جان نہ نکل جائے۔ چونکہ وحی اور فرشتہ کے انوار وتجلیات کا حضور کی بشریت پر دفعۃً نزول اور ورود ہوا اس لیے وحی کی عظمت اور جلال سے آپ کو یہ خیال ہوا کہ اگر وحی کی یہی شدّت رہی تو عجب نہیں کہ میری بشریت وحی کے اس ثقل اور بوجھ کو نہ برداشت کر سکے یا بارِنبوت سے مغلوب ہو کر فنا ہو جائے۔

چنانچہ اس آیت میں اسی ثقل کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّا سَنُلْقِىْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا	محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم تم پر ایک ثقیل اور گراں کلام نازل کرینگے۔

سوار ہونے کی حالت میں اگر وحی نازل ہو جاتی تو ناقہ وحی کی وجہ سے مجبوراً بیٹھ جاتی تھی۔ زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ کی ران میری ران پر تھی کہ وحی نازل ہوگئی۔ اس وقت آپ کی ران اس درجہ ثقیل معلوم ہوئی کہ مجھے اپنی ران کے چُور چُور

[۱] العلق، آیۃ، ۱

ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا ایک معمولی شئے اگر خلاف طبع پیش آ جاتی ہے تو انسان پریشان ہو جاتا ہے چہ جائیکہ ایسا عظیم الشان واقعہ پیش آئے کہ جو وہم وگمان سے بھی بالا ہو اس واقعہ سے گھبرا جانا کوئی مستبعد نہیں، موسیٰ علیہ السلام کو جب حق جل شانہ کی طرف سے معجزۂ عصا عطا ہوا اور حکم ہوا کہ اے موسیٰ اپنا عصا زمین پر ڈال دو جب دیکھا کہ وہ تو سانپ بن کر چلنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام الصلوٰۃ والسلام ڈر کر اس قدر بھاگے کہ منہ موڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس وقت آواز آئی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ اے موسیٰ واپس آؤ ڈرمت تم بالکل مامون رہو گے۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ ڈرنا اور بھاگنا طبیعت بشریہ کا اقتضاء تھا۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا کسی شک اور تردد کی وجہ سے نہ تھا۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی مرعوبی اور پریشانی بھی فقط اس بنا پر تھی کہ دفعۃً نبوت اور وحی کا بار گراں آ پڑا۔ کسی تردد اور شک کی بنا پر پریشانی نہ تھی۔ خوب سمجھ لو اور شک اور تردد میں نہ پڑو۔ بشریت پر دفعۃً ملکیۃ کے غلبہ سے آپ کا مرعوب اور خوف زدہ ہو جانا کوئی مستبعد نہیں رفتہ رفتہ جب ملائکہ کی آمد ورفت سے آپ کی بشریت ملکیت سے مانوس ہو گئی تو یہ خوف جاتا رہا اچانک بار نبوت پڑ جانے سے آپ گھبرا گئے اور آپ کو اندیشہ یہ ہوا کہ کہیں اس بار سے میری روح نہ پرواز کر جائے۔ معاذ اللہ نبوت ورسالت میں کوئی شک اور تردد نہ تھا اس لیے کہ نزول جبریل اور مشاہدۂ انوار وتجلیات کے بعد نبوت میں شک وتردد محال ہے چنانچہ ابن شہاب زہری کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ جبریل امین آئے اور میرا سینہ چاک کیا اور ایک نہایت عمدہ مسند پر بٹھلایا جو یواقیت اور جواہرات سے مرصع تھی۔

ثم استبان له جبرئيل فبشره برسالة الله حتى اطمان النبى ﷺ ثم قال لهٗ اقرأ فقال كيف اقرأ فقال اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ الى قوله مَالَمْ يَعْلَمْ فقبل الرسول رسالة ربه و انصرف فجعل لايمر على شجر

اور جبرئیل ظاہر ہوئے منجانب اللہ آپ کو منصب نبوت ورسالت کی بشارت دی یہاں تک کہ آپ مطمئن ہو گئے پھر کہا کہ پڑھو۔ آپ نے فرمایا کس طرح پڑھوں جبرئیل نے کہا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ...... مَالَمْ يَعْلَمْ تک آپ نے اللہ کے

ولا حجر الا سلم علیه فرجع مسروراً الی اهله موقنا قدرای امرا عظیما الحدیث۔

پیغام کو قبول کیا اور واپس ہوئے راستہ میں جس شجر اور حجر پر آپ کا گذر ہوتا وہ آپ کو السلام علیک یا رسول اللہ کہتا۔ پس اس طرح آپ شاداں وفرحاں اپنے گھر واپس آئے اور یہ یقین کیے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شئ عظیم عطا فرمائی یعنی نبوت ورسالت۔

یہ روایت دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں بطریق موسیٰ بن عقبہ مروی ہے[۱] اور یہ روایت عیون الاثر میں حافظ ابو بشر دولابی کی سند سے مذکور ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ عبید بن عمر کی مرسل روایت میں ہے کہ جبریل آئے اور مجھ کو ایک مسند پر بٹھلایا کہ جو جواہرات سے مرصع تھی اور زہری کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ مجھ کو ایسی عمدہ مسند پر بٹھلایا جس کو دیکھ کر تعجب ہوتا تھا۔[۲] غرض یہ کہ آپ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے تمام واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ فرمایا۔ آپ کو بشارت ہو آپ ہرگز نہ ڈریئے۔ خدا کی قسم اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کریگا آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں۔ آپ کی صلہ رحمی بالکل محقق ہے۔ ہمیشہ آپ سچ بولتے ہیں لوگوں کے بوجھ کو اٹھاتے ہیں یعنی دوسروں کے قرضے اپنے سر رکھتے ہیں اور ناداروں کی خبر گیری فرماتے ہیں، امین ہیں لوگوں کی امانتیں ادا کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کا حق ادا کرتے ہیں حق بجانب امور میں آپ ہمیشہ امین اور مددگار رہتے ہیں۔ یہ روایت بخاری اور مسلم کی ہے ابن جریر کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بھی فرمایا مَا اَتَیْتَ فَاحِشَةً قَطُّ آپ کبھی کسی فاحشہ کے پاس بھی نہیں پھٹکے[۳] خلاصہ یہ کہ جو شخص ایسے محاسن اور کمالات اور ایسے محامد اور پاکیزہ صفات اور ایسے اخلاق وشمائل اور ایسے معانی اور فضائل کا مخزن اور معدن ہو اس کی رسوائی ناممکن ہے وہ نہ دنیا میں رسوا ہو سکتا ہے نہ آخرت میں حق تعالیٰ شانہٗ

[۱] الخصائص الکبریٰ ج:۱،ص:۹۳ [۲] فتح الباری، ج:۱۲،ص:۳۱۳ [۳] فتح الباری، ج:۱۲،ص:۳۱۳

جس کو اپنی رحمت سے یہ محاسن اور کمالات عطا فرماتے ہیں اس کو ہر بلا اور ہر آفت سے بھی محفوظ رکھتے ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو تسلی دی اور یہ کہا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں خدیجہ کی جان ہے میں قوی امید رکھتی ہوں کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے[۱] اور ایک روایت میں ہے۔

واخبرها بما جاء به فقالت ابشر فوالله لايفعل الله بك الاخيرا فاقبل الذی جاء ك من الله فانه حق وابشر فانك رسول الله حقا رواه البیهقی فی الدلائل من طریق ابی میسرة مرسلا[۲]	آپ نے تمام واقعہ حضرت خدیجہ سے بیان کیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا مبارک ہو اور آپ کو بشارت ہو خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو ساتھ سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہ کریگا جو منصب اللہ کی جانب سے آپ کے پاس آیا ہے اس کو قبول کیجیے وہ بلاشبہ حق ہے اور پھر کہتی ہوں کہ آپ کو بشارت ہو آپ یقیناً اللہ کے رسول برحق ہیں۔

حافظ عسقلانی اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ روایت صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہے کہ علی الاطلاق سب سے پہلے حضرت خدیجہ ایمان لائیں۔ بعد ازاں خدیجہ تنہا اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو توریت اور انجیل کے بڑے عالم تھے اور سریانی زبان سے عربی زبان میں انجیل کا ترجمہ کرتے تھے اور زمانۂ جاہلیت میں بُت پرستی سے بیزار ہو کر نصرانی بن گئے تھے اور اس وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ ان سے یہ تمام واقعہ بیان کیا۔ ورقہ نے سن کر یہ کہا۔

لئن کنتِ صدقتنی انه لیاتیه ناموس عیسیٰ[۳]	اگر تو سچ کہتی ہے تو تحقیق ان کے پاس وہی فرشتہ آتا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔

---

[۱] ابن ہشام، ج:۱، ص:۸۱ [۲] فتح الباری، ج ۱۲، ص:۳۱۵ [۳] خیر کی خبر لانے والے کو ناموس کہتے ہیں اور شر کی خبر لانے والے کو جاسوس کہتے ہیں ۱۲ فتح الباری ص ۲۴ ج ۱۲

یہ روایت دلائل ابی نعیم میں باسناد حسن مذکور ہے اس کے بعد حضرت خدیجہ آپ کو اپنے ہمراہ لے کر ورقہ کے پاس گئیں اور کہا اے میرے چچازاد بھائی ذرا اپنے بھتیجے کا حال (یعنی اخودان کی زبان سے) سنئے۔ ورقہ نے آپ سے، مخاطب ہو کر کہا اے بھتیجے بتلاؤ کیا دیکھا آپ نے تمام واقعہ بیان فرمایا۔

فلما سمع کلامه ایقن بالحق و اعترف به [۲] (فتح الباری ص ۳۱۷ ج ۱۲ کتاب التعبیر)

ورقہ نے جب آپ کا کلام سُنا تو سنتے ہی حق کا یقین آ گیا کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ بالکل حق ہے اور ورقہ نے اس حق کا اعتراف کیا اور اس کو تسلیم کیا۔

ورقہ نے آپ کا تمام حال سُن کر یہ کہا کہ یہ وہی ناموس "فرشتہ" ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترتا تھا۔ کاش میں تمہارے زمانۂ پیغمبری میں قوی اور توانا ہوتا جب کہ تمہاری قوم تم کو وطن سے نکالے گی یا کم از کم زندہ ہی ہوتا۔ آپ نے بہت تعجب سے فرمایا کیا وہ مجھ کو نکالیں گے۔ ورقہ نے کہا ایک تم ہی پر موقوف نہیں جو شخص بھی پیغمبر ہو کر اللہ کا کلام اور اس کا پیام لے کر آیا لوگ اسی کے دشمن ہوئے اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا تو میں نہایت

---

[۱] بین القوسین یعنی الخ کا اس لیے اضافہ کیا گیا تا کہ بخاری اور دلائل ابی نعیم کی روایت میں تعارض کا توہم نہ ہو ۱۲۔

[۲] سمع اور یقین اور اعتراف کی تمام ضمائر ورقہ کی طرف راجع ہیں علامہ شبلی نے تمام ضمائر کو نبی اکرم ﷺ کی طرف راجع سمجھ کر اس طرح ترجمہ کیا جب آپ نے ورقہ کا کلام سنا تو آپ کو حق کا یقین ہو گیا اور آپ نے اس کا اعتراف کیا سیرۃ النبی ص ۱۸۹ ج ۱ تقطیع خورد۔ علامہ شبلی نے یہ سمجھا کہ حضور پُر نور کو اپنی نبوت و رسالت میں شک تھا ورقہ کے کہنے سے آپ کو اپنی نبوت کا یقین آیا علامہ شبلی کا یہ خیال بالکل غلط ہے حضور پُر نور کو اپنی نبوت و رسالت کا اول ہی میں علم اور یقین حاصل ہو گیا تھا۔ جب جبرئیل امین غار حراء میں داخل ہوئے تو اولاً آپ کو سلام کیا جیسا کہ ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے دیکھو زرقانی ص ۲۱۱ ج ۱۔ وفتح الباری ص ۳۱۳ ج ۱۲ کتاب التعبیر اور پھر آپ کو رسالت الٰہیہ کی بشارت دی یہاں تک کہ آپ مطمئن ہو گئے پھر آپ سے کہا اقرأ اور سورۂ اقرأ کی آیتیں آپ کو پڑھائیں بعد ازاں جب آپ غار حراء سے واپس ہوئے تو ہر شجر و حجر میں سے السلام علیک یا رسول اللہ کی آوازیں آپ سنتے تھے۔ دیکھو خصائص الکبریٰ ص ۹۳ ج ۱، ص ۹۴ ج ۱ غرض یہ کہ ان تمام امور سے آپ کو اپنی نبوت کا یقین کامل حاصل ہو چکا تھا۔ البتہ ورقہ کو آپ کا کلام سننے کے بعد آپ کی نبوت کا یقین آیا اور پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی ہے اور آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی علامہ نے غلطی سے سمع والیقین واعتراف کی ضمیریں بجائے ورقہ کے حضور پُر نور کی طرف راجع کیں اور غلطی میں مبتلا ہوئے۔

زور سے آپ کی مدد کروں گا مگر کچھ زیادہ دن گزرنے نہ پائے کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے اور ابومیسرہ کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ ورقہ نے کہا۔

ابشر فانا اشهد انك الذی بشر به ابن مریم وانك علی مثل ناموس موسیٰ وانك نبی مرسل وانك تومر بالجهاد[1]	آپ کو بشارت ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی حضرت مسیح بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے اور آپ مثل موسیٰ علیہ السّلام کے نبی مرسل ہیں اور آپ کو عنقریب اللہ کی طرف سے جہاد کا حکم کیا جائے گا۔

چونکہ آپ بھی موسیٰ علیہ السّلام کی طرح نبی الجہاد ہیں اور شریعت موسویہ کی طرح آپ کی شریعت بھی حدود وتعزیرات جہاد وقصاص۔ حلال وحرام کے احکام پر علی وجہ الاتم مشتمل ہے اس لیے اس وقت ورقہ نے باوجود نصرانی ہونے کے یہ کہا کہ یہ وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا اور جس وقت اول بار حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کی غیاب میں ورقہ سے آپ کا حال بیان کیا تو اس وقت ورقہ نے نصرانی ہونے کے باعث آپ کے ناموس (فرشتہ) کو ناموس عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی اور ایک روایت میں ہے کہ چلتے وقت ورقہ نے آپ کے سر کو بوسہ دیا[2] آپ گھر واپس آگئے اور وحی کا آنا چند روز کے لئے رک گیا تاکہ[3] دل سے گذشتہ دہشت اور خوف دور ہو جائے اور آئندہ وحی کا شوق اور انتظار قلب میں پیدا ہو جائے۔

دیرست کہ دلدار پیامے نفرستاد نوشت سلامے وکلامے نفرستاد

وحی کے رک جانے سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر حزن و ملال ہوا کہ بار بار پہاڑ پر جاتے کہ اپنے کو پہاڑ کی چوٹی سے گرادیں۔

۱؎ فتح الباری، ج:۸،ص:۴۵۴، عیون الاثر، ج:۱،ص:۸۴ ۲؎ عیون الاثر، ج:۱،ص:۸۷

۳؎ وحی کے رک جانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کا نازل ہونا چند روز کے لئے بند ہو گیا اور یہ مطلب نہیں کہ جبریل کا آنا بند ہو گیا۔ جبریل امین کی آمد ورفت برابر جاری رہی۔ عمدۃ القاری ص ۳۷ ج ۱

ہر دل سالک ہزاراں غم بود گرز باغ دل خلالے کم بود
ہجر سے بڑھ کر مصیبت کچھ نہیں اس سے بہتر ہے کہ مر جاؤں کہیں

مگر آپ جب ایسا ارادہ فرماتے تو فوراً جبرئیل امین ظاہر ہوتے اور یہ فرماتے۔

یا محمد انک رسول اللہ حقا ⁝ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ یقیناً بلاشبہ اللہ کے رسول برحق ہیں۔

یہ سن کر آپ کے قلب کو سکون ہو جاتا[1]

ایک بار حضرت خدیجہ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کیا کہ اگر ممکن ہو تو جس وقت وہ ناموس آپ کے پاس آئے تو مجھ کو ضرور مطلع فرمائیں چنانچہ جبرئیل امین جب آپ کے پاس آئے حسب وعدہ آپ نے حضرت خدیجہ کو اطلاع دی۔ حضرت خدیجہ نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری آغوش میں آجائیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کی آغوش میں آگئے تو حضرت خدیجہ نے اپنا سر کھول دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی جبرئیل کو دیکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ حضرت خدیجہ نے فرمایا آپ کو بشارت ہو۔ خدا کی قسم یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں۔ اس روایت کو محمد بن اسحٰق نے اسماعیل بن حکیم سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام)[2] اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت خدیجہ نے یہ فرمایا کہ آپ کو مبارک ہو یہ فرشتہ ہے اگر شیطان ہوتا تو نہ شرماتا۔ رواہ ابونعیم فی الدلائل بسند ضعیف عن عائشہ رضی اللہ عنہا[3]

خلاصہ

یہ کہ حضرت خدیجہ کا یہ استدلال آپ کی نبوت و رسالت پر عقلی تھا کہ ایسے محاسن اور شمائل اور کمالات وفضائل کا منبع اور سرچشمہ نبی ہی کی ذات بابرکات ہو سکتی ہے اور ورقہ کا استدلال نقلی تھا کہ یہ وہی نبی و رسول ہیں جن کی حضرت مسیح بن مریم نے بشارت دی

[1] فتح الباری، ج:۱۲،ص:۳۱۷، زرقانی، ج:۱،ص:۲۱۶ [2] الخصائص الکبریٰ ج:۱،ص:۹۵
[3] الاصابہ ج:۴،ص:۲۸۱۔

ہے۔ سلیمان تیمی اور موسیٰ بن عقبہ نے اپنی کتاب المغازی میں ذکر کیا ہے کہ حضرت خدیجہ ورقہ سے پہلے عدّاس [۱] کے پاس گئیں اور جبرئیل کا آنا بیان کیا۔ عدّاس نے جبرئیل کا نام سنتے ہی یہ کہا قدوس قدوس یعنی سبحان اللہ سبحان اللہ ان بُت پرستوں کی سرزمین میں جبرئیل کا کیا ذکر وہ تو اللہ کے امین ہیں اُس کے اور اس کے پیغمبر کے مابین سفیر ہیں اور موسیٰ اور عیسیٰ کے دوست ہیں بعد ازاں ورقہ کے پاس گئیں [۲] بعض کتب سیر میں ہے کہ حضرت خدیجہ بحیرا راہب کے پاس بھی گئیں اور واقعہ بیان کیا۔ بحیرا کے جواب کے الفاظ تقریباً وہی تھے جو عدّاس کے جواب کے ہیں۔ ترمذی میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہ نے ایک بار آپ سے عرض کیا کہ ورقہ نے آپ کی نبوت ورسالت کی تصدیق کی لیکن اعلان دعوت سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ورقہ کو خواب میں دیکھا کہ سفید لباس میں ہے اگر وہ اہل نار میں سے ہوتے تو کسی اور لباس میں ہوتے۔ (فتح الباری کتاب التفسیر سورۂ اقرأ) مسند بزار اور مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ورقہ کو بُرا مت کہو میں نے اس کے لیے جنت میں ایک باغ یا دو باغ دیکھے ہیں۔ [۳]

فائدۂ جلیلہ

حضرت خدیجہ کا حضور پُر نور کو کبھی ورقہ کے پاس لے جانا اور کبھی عدّاس کے پاس لیجانا اور آپ کا حال بیان کرنا اس سے کسی شک اور تردد کا ازالہ اور یقین کا حاصل کرنا مقصود نہ تھا بلکہ حضور کی تسلی اور تشفی مقصود تھی کہ نزول وحی کی وجہ سے جو حضورؐ پر ایک خاص خشیت اور دہشت طاری ہے وہ مبدّل بہ سکون ہو جائے اور چونکہ حضرت خدیجہ نے حضورؐ پُر نور سے جو نکاح کیا تھا وہ غیبی کرامتیں اور خوارق دیکھ کر اس اُمید پر کیا تھا کہ جس

---

[۱] عدّاس عتبہ بن ربیعہ کے غلام تھے شہر نینوی کے باشندے تھے جہاں یونس علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مبعوث ہوئے مذہب ان کا نصرانی تھا۔ بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔ اصابہ ص ۲۶۶ ج ۲ ترجمہ عداس۔

[۲] الخصاص الکبریٰ ج: ۱ص: ۹۵

[۳] فتح الباری، ج: ۸، ص: ۵۵۴، عمدۃ القاری ج ۱ ص: ۸۵

نبی آخر الزماں کی بشارتیں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے بار بار سنی تھیں۔اس کا مصداق حضور ہوں گے چنانچہ جب آپ پر وحی نازل ہوئی اور غار حراء سے واپس آکر خدیجۃ الکبریٰ سے بیان کیا تو حضرت خدیجہ کو سنتے ہی نبوت کا یقین آگیا تھا لیکن فرطِ مسرت اور جوش محبت میں مزید اطمینان کے لیے کبھی آپ کو ورقہ کے پاس اور کبھی عدّ اس کے پاس لے جاتیں کہ جس امید پر نکاح کیا تھا بحمد اللہ وہ اُمید بر آئی حضرت خدیجہ فقط آپ کی پریشانی سے پریشان تھیں ورنہ اپنے دل میں بے انتہا شاد ماں و فرحاں تھیں اور حضور کا مقصد بھی تسلی و تشفی ہی تھا۔معاذ اللہ۔آپ کو اپنی نبوت و رسالت میں ذرہ برابر شک اور تردد نہ تھا اور مشاہدۂ جبرئیل اور معائنۂ انوار و اسرار کے بعد تردد اور شک کا ہونا بھی ناممکن اور محال ہے وجہ یہ تھی کہ ورقہ اگر چہ عالم تھے مگر صاحب حال اور صاحب کیفیت نہ تھے آپ کے قلب مبارک پر جو وحی کی کیفیت گذر رہی تھی اس کی اصل حقیقت اور اصل لذت اور اس لذت کی کیفیت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو معلوم تھی۔ورقہ اس کیفیت کو ذوقی طور پر نہیں جانتے تھے۔ذوقاً اس سے بالکل ناآشنا تھے بلکہ محض علمی طور پر جانتے تھے کہ حضرات انبیاء پر نزول وحی کے وقت یہ کیفیات گذرتی ہیں اس لیے وہ آپ کی تسلی کرتے تھے اور ایسے وقت میں تسلی و تشفی وہی کر سکتا ہے کہ جس پر یہ حالت اور کیفیت طاری نہ ہو اور کچھ اجمالی طور پر اس قسم کی چیزوں سے باخبر ہو جیسے تیماردار بیمار کی تسلی کرتا ہے۔ورنہ جس پر یہ کیفیت اور یہ حالت طاری ہوگی وہ خود ہی خوف زدہ اور بیہوش ہو جائے گا اسے اپنی ہی خبر نہ رہے گی وہ دوسرے کی کیا تسلی کرے گا اور عقلاً اور شرعاً یہ ضروری نہیں کہ تسلی دینے والا صاحب حال سے افضل اور اکمل یا اعلم اور افہم ہو۔فافہم ذالک واستقم۔

تاریخ بعثت

اس پر تو تمام محدثین و مؤرخین کا اتفاق ہے کہ بروز دوشنبہ آپ کو نبوت و رسالت کا خلعت عطا ہوا۔لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آپ کس مہینہ میں مبعوث ہوئے حافظ ابن

عبدالبر فرماتے ہیں ماہ ربیع الاول کی آٹھ تاریخ کو خلعت نبوت عطا ہوا۔ اس بناء پر بعثت کے وقت آپ کی عمر شریف ٹھیک چالیس سال کی تھی اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ سترہ رمضان المبارک کو آپ منصب نبوت پر فائز ہوئے۔

واتت علیه اربعون فاشرقت شمس النبوة منه فی رمضان

اس اعتبار سے بعثت کے وقت آپ کی عمر شریف چالیس سال اور چھ ماہ کی تھی حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں اسی قول کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ غار حراء کا اعتکاف آپ رمضان ہی میں فرماتے تھے تفصیل کے لیے زرقانی ص ۲۰۷ ج ۱ و فتح الباری ص ۳۱۳ ج ۱۲ کتاب التعبیر وص ۱۵۱ ج ۸ کتاب التفسیر وص ۲۶ ج ۱ بدء الوحی کی مراجعت فرمائیں۔

فوائد ولطائف

(۱) منصب نبوت ورسالت کی سرفرازی کے لیے چالیس سال کا سن اس لیے تجویز کیا گیا کہ انسان کی قوائے جسمانیہ اور روحانیہ چالیس ہی سال کی عمر میں حد کمال کو پہنچتے ہیں کما قال تعالیٰ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۔ اصل عمر تو انسان کی چالیس ہی سال ہے۔ اس کے بعد تو انحطاط اور زوال ہے اسی طرح جب آپ کے قوائے جسمانیہ وروحانیہ حد کمال کو پہنچ گئے اور تجلیات الٰہیہ اور نفحات قدسیہ کے قبول کرنے کی استعداد مکمل ہوگئی تب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے آپ کو نبوت ورسالت کا خلعت عطا فرمایا وَ اللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ [1]

(۲) شعبی کی ایک مرسل روایت میں ہے جس کو امام احمد بن حنبل نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ بعثت کے بعد سے کچھ عرصہ تک اسرافیل علیہ السلام آپ کی معیت اور رفاقت کیلئے مامور ہوئے وقتاً فوقتاً آپ کو محاسن آداب وغیرہ کی تلقین وتعلیم فرماتے مگر ان کے توسط سے کبھی قرآن کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ سند اس روایت کی صحیح ہے [2]

[1] البقرہ، آیہ: ۱۰۵ [2] زرقانی ج: ۱ ص ۲۳۶

اسرافیل علیہ السلام کی معیت و رفاقت میں اس طرف اشارہ تھا کہ یہ نبی آخری نبی ہیں ان کے بعد قیامت کا انتظار کرنا چاہیے اس لیے کہ اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نفخ صور کے لیے مامور ہو چکے ہیں انہیں کے صور پھونکنے سے قیامت قائم ہوگی ذکرہ السیوطی فی الاتقان نقلا عن بعض الایمة.

(۳) حدیث کا یہ لفظ ثم حبب الیه الخلاء یعنی خلوت و عزلت کی محبت ڈال دی گئی۔ صیغۂ مجہول لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ خلوت کی محبت خود بخود پیدا نہیں ہوئی بلکہ کسی ڈالنے والے نے دل میں ڈال دی ہے یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا عطیہ ہے اور خلوت کی محبت اس لیے دل میں ڈالی گئی کہ خلوت اور عزلت یعنی مخلوق سے علیحدگی اور تنہائی تمام عبادتوں کی جڑ ہے بلکہ خلوت خود مستقل عبادت ہے اور اگر خلوت کے ساتھ ذکر و فکر کی عبادت بھی مل جائے تو سبحان اللہ نورٌ علیٰ نور ہے۔

(۴) اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ مبتدی کے لیے خلوت اور عزلت ہی مناسب ہے گھر میں اور اہل و عیال میں رہ کر اچھی طرح عبادت نہیں کر سکتا۔ منتہی کے لیے خاص خلوت کی ضرورت نہیں اس لیے کہ کامل اور منتہی کیلئے اہل و عیال کی صحبت۔ تعلق مع اللہ سے مانع نہیں ہوتی۔ کما قال تعالیٰ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ الاية[1]

اے چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں ۔۔۔ از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ باش

مگر منتہی کے لیے بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ دن میں کچھ نہ کچھ وقت خلوت کے لیے مخصوص کرے۔ کما قال تعالیٰ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ.[2]

(۵) غار حراء جاتے وقت آپ کا توشہ لے جانا اس کی دلیل ہے کہ کھانے اور پینے کا انتظام توکل کے منافی نہیں۔ بلکہ رزق خداوندی کی طرف اپنے فقر و فاقہ اور ضرورت و حاجت کا اظہار ہے جو عین عبادت ہے۔ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ[3]

---

۱ نور، آیۃ: ۳۷۔ ۲ الم نشرح، آیۃ: ۸ ۳ قصص: آیت ۲۴۔

والفقرلی وصف ذاتٍ لازمٌ ابداً کما ان الغنی ابد اوصف له ذاتی

فقر اور حاجت میرا وصف ذاتی ہے میری ذات اور حقیقت کو لازم ہے کبھی جدا نہیں ہوسکتا جیسا کہ غنا اور بے نیازی خدا کا وصف ذاتی ہے پس جیسے خدا کے لئے استغناء اور بے نیازی لازم ہے اسی طرح فقر اور احتیاج بندہ کے لئے لازم ذات ہے۔

یہ شعر حافظ ابن تیمیہ قدس اللہ سرہٗ کا ہے حافظ موصوف اس شعر کو کثرت سے پڑھا کرتے تھے پورا قصیدہ مدارج السالکین میں مذکور ہے اور اسی مضمون کو اس ناچیز نے ان اشعار میں ذکر کیا ہے۔

تو غنی مطلقی اے ذوالجلال — من فقیر مطلقم بے قیل و قال

تو کریمی من گدائے مطلقم — تو عزیزی من ذلیل مطلقم

ذات پاکت منبع جودو نوال — ماز سر تا پاشدہ نقش سوال

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب مدین پہنچ کر بھوک لاحق ہوئی تو بارگاہ خداوندی میں اپنے فقر وفاقہ کو اس طرح پیش کیا۔

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ[1] — اے پروردگار آپ جو خیر بھی نازل فرمائیں میں اس کا محتاج ہوں۔

رزق خداوندی کی طرف اپنے فقر اور احتیاج کو ملحوظ رکھنا عین عبادت ہے اور حضرات انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوٰۃ اللہ کی سنت ہے اور توشہ نہ لینے میں در پردہ اِدعاءِ توکل ہے۔ چنانچہ بعض صالحین کا یہ معمول تھا کہ کئی کئی روز کا صوم وصال رکھتے لیکن تکیہ کے نیچے ایک روٹی ضرور رکھی رہتی تھی۔ ایک دن کسی مرید نے شیخ کے تکیہ کے نیچے سے اس روٹی کو اٹھالیا۔ شیخ کی جب نظر پڑی تو دیکھا روٹی ندارد ہے متوسلین پر بہت ناراض ہوئے اور سخت وست کہا۔ مریدین نے کہا کہ حضرت کو اس کی کیا ضرورت ہے شیخ نے فرمایا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں کئی کئی روز صوم وصال رکھنے پر قادر ہوں اس لیے روٹی رکھنے کی کوئی

---

[1] القصص، آیۃ: ۲۴۔

ضرورت نہیں۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے میں اپنی قوت کے بھروسہ پر روزہ نہیں رکھتا بلکہ محض خداوند ذوالجلال کے فضل وکرم کے بھروسہ پر رکھتا ہوں اور ہر وقت اپنے ضعف اور ناتوانی سے ڈرتا رہتا ہوں نہ معلوم کس وقت مجھ سے یہ توفیق اور تائید روحانی روک لی جائے اور بشریت اور جسمانیت کی طرف لوٹا دیا جائے اور اُس رزاق ذوالقوۃ المتین کی سوکھی ہوئی روٹی کا محتاج ہو جاؤں بندہ اپنی ذات سے ایک لمحہ کے لئے بھی رزق خداوندی سے مستغنی نہیں ہو سکتا نفس کے اطمینان کے لیے روٹی ہر وقت پاس رکھتا ہوں تا کہ نفس کو کسی قسم کا اضطراب لاحق نہ ہو سالک کو بجائے نفس کے رزق پر فقط رزق ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ رزق خداوندی ہونے کی حیثیت سے اعتماد اور بھروسہ کرنا بہتر ہے۔[1]

(۶) غار حراء کی خلوت وعزلت میں آپ کا یہ معمول رہا کہ کبھی کبھی آپ گھر تشریف لاتے اور چند روز کا توشہ لے کر گھر سے واپس ہو جاتے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اصحاب خلوت وعزلت کے لیے انقطاع کلی مناسب نہیں اہل وعیال کے حقوق کی رعایت بھی ضروری ہے اسی وجہ سے ارشاد فرمایا **لا رھبانیة فی الاسلام**. اسلام میں رہبانیت نہیں باطنی امراض کے معالجہ کے لیے اور عبادت میں پختگی اور رسوخ پیدا کرنے کے لیے اگر کسی غار یا پہاڑ میں مدّت معینہ کے لیے خلوت کی جائے (جیسا کہ حضرات صوفیہ کا طریقہ ہے) تو یہ عین سنت ہے۔ بدعت نہیں ہے۔

(۷) نیز اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص کسی غار یا پہاڑ میں خلوت اور عزلت کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ اہل خانہ کو مقام خلوت سے ضرور مطلع کر دے تا کہ ان کو کسی قسم کی تشویش نہ ہو اس کی طرف سے قلب میں کوئی بدگمانی نہ ہو۔ عند الضرورت اس کی خبر گیری کر سکیں۔ بیمار ہو تو تیمارداری کر سکیں وغیر ذالک۔

(۸) جبرئیل امین کا آپ کو تین بار دبانا ملکی اور روحانی فیض پہونچانے کے لیے تھا تا کہ جبرئیل کی روحانیت اور ملکیت آپ کی بشریت پر غالب آجائے اور قلب مبارک آیات الٰہیہ

---

[1] بہجۃ النفوس، ج ۱، ص: ۱۱

اوراسرار غیبیہ اور علوم ربانیہ کا تحمل کر سکے اور آپ کی ذات بابرکات خالق اور مخلوق کے مابین واسطہ اور عالمِ شہادت کا منتہیٰ اور عالم غیب کا مبدأ بن سکے۔ حضرات عارفین کا اس طرح سے کسی کو فیض پہونچانا بطریق تواتر ثابت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بار نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ کو اپنے سینۂ مبارک سے لگایا اور یہ دعا فرمائی۔ اللّٰھم عَلِّمه الکتاب (بخاری شریف) اے اللہ اس کو اپنی کتاب کا علم عطا فرما۔

نبی اکرم ﷺ کا ابن عباس کو اپنے سینہ سے لگانا ایسا ہی تھا جیسے کہ جبریل امین نے آپ کو اپنے سینہ سے لگایا تھا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں بسا اوقات آپ سے حدیث سنتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنی چادر بچھاؤ میں نے چادر بچھائی۔ آپ نے دست مبارک سے کچھ اشارہ فرمایا جیسا کوئی دولپ بھر کر کچھ ڈالتا ہو اور یہ کہا کہ اب اس چادر کو اپنے سینہ سے لگالو۔ میں نے اُس چادر کو اپنے سینہ سے لگالیا اسکے بعد میں کسی حدیث کو نہیں بھولا۔[۱]

حافظ عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ کسی حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ آپ نے دولپ بھر کر ابو ہریرہ کی چادر میں کیا ڈالا۔ لیکن یہ بندۂ ناچیز کہتا ہے۔ ان کان صواباً فمن اللّٰه عزوجل۔ وانْ کان خطأ فمنّي و من الشیطان گمان یہ ہے کہ عالمِ غیب میں جو خزانہ حفظ ہے آں حضرت ﷺ نے اس خزانہ سے حفظ کی دولپ بھر کر ابو ہریرہ کی چادر میں ڈالیں اور پھر وہ حفظ چادر سے ابو ہریرہ کے سینہ میں پہنچا حفظ اگرچہ عالم شہادت والوں کے نزدیک غیر محسوس ہے مگر محرمانِ عالم غیب کے دوربین نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی نہیں۔ اس قسم کی باتوں کے وہی لوگ منکر ہیں جو حضرات انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوات اللہ کے حواس سے بیگانہ ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حفظ کا ایک اور بھی عجیب واقعہ ہے جس کا اس مقام سے تعلق نہیں حضرات اہل علم فتح الباری باب حفظ العلم ص ۱۹۲ ج ۱ کی مراجعت فرمائیں۔

---

[۱] بخاری شریف، ج:۱، ص:۲۲

(۹) علامہ طیبی طیّب اللہ ثراہ۔ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ سورۂ اقرأ کی نازل شدہ آیتوں میں آپ کے اس کے شبہ کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ مَا اَنَا بِقَارِئٍ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں وہ یہ کہ بے شک تم پڑھے ہوئے نہیں مگر اپنے رب کے نام پاک کی اعانت اور امداد سے پڑھو سب آسان ہو جائے گا اور سمجھ لو کہ حق جل شانہٗ کسی کو علم کتاب اور قلم کے واسطہ سے عطا فرماتے ہیں جس کو اصطلاح میں علم کتابی کہتے ہیں علم بالقلم میں اسی طرف اشارہ ہے اور کسی کو براہ راست بغیر اسباب ظاہری کے وساطت کے علم عطا فرماتے ہیں جس کو اصطلاح میں علم لدنی کہتے ہیں اور علم الانسان مالم یعلم میں اسی طرف اشارہ ہے خلاصۂ جواب یہ ہے کہ اگرچہ آپ پڑھے ہوئے نہیں مگر حق جل وعلا کی قدرت بہت وسیع ہے بغیر اسباب ظاہری کی وساطت کے بھی جس کو چاہتا ہے علوم ومعارف سے سرفراز فرماتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو بھی علم ومعرفت عطا فرمائے گا۔ کما قال تعالیٰ

وَ عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيماً [۱]	اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ باتیں بتلائیں کہ جن کو آپ بغیر خدا کے بتلائے ازخود جان بھی نہیں سکتے تھے اور اللہ کا فضل آپ پر بہت ہی بڑا ہے۔

(۱۰) حضرت خدیجہ کے تسلی آمیز جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلۂ رحمی اور مہمانداری اور سخاوت اور ہمدردی کی وجہ سے دنیا میں بھی انسان آفتوں سے ماموں ومصئون رہتا ہے [۲]

(۱۱) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ کی تسلی کے لیے آپ کے محاسن اور کمالات کا ذکر کرنا اس کی دلیل ہے کہ کسی کے واقعی اور نفس الامری محاسن اور کمالات اس کے منہ پر بیان کرنا بشرطیکہ ممدوح کے اعجاب اور خود پسندی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو صرف جائز نہیں بلکہ مستحسن ہے [۳]

(۱۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے اس واقعہ کا حضرت خدیجہ سے ذکر کرنا اس امر کی

---

[۱] نساء، آیۃ: ۱۱۳ [۲] عمدۃ القاری ج ۱ ص: ۷۵ [۳] عمدۃ القاری ج: ۱ ص: ۷۵

دلیل ہے کہ انسان پر اگر کوئی اہم واقعہ پیش آئے تو اگر اس کے اہل خانہ دیندار اور سمجھدار ہوں تو سب سے پہلے ان سے تذکرہ کرے اور بعد میں جو اہلِ علم اور اہل فہم ہوں ان سے ذکر کرے۔

(۱۳) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اس واقعہ کو سن کر آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جانا۔

جو اس زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے اس امر کی دلیل ہے کہ جب کوئی نادر واقعہ پیش آئے تو علمائے ربانیین پر پیش کرنا چاہیے۔

(۱۴) نیز اہل علم کی خدمت میں کسی کے توسط سے حاضر ہونا زیادہ بہتر ہے جیسے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وساطت سے ورقہ بن نوفل سے ملاقات فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ تنہا ورقہ کے پاس تشریف نہیں لے گئے بلکہ خدیجہ کو ساتھ لیا جن کی ورقہ سے قرابت تھی۔ معلوم ہوا کہ علماء اور صلحاء کی ملاقات کے لیے اگر کسی رہنما کو ساتھ لے لیا جائے تو مناسب ہے تا کہ گفتگو میں سہولت رہے۔

(۱۵) جو شخص اپنے سے عمر میں بڑا ہو اُس کی توقیر اور تعظیم وتکریم ضروری ہے اگر چہ یہ کم عمر علم اور فضل، مرتبہ اور کمال میں سارے عالم سے فائق اور برتر ہو۔

(۱۶) چھوٹا اگر چہ مرتبہ میں بڑا ہو مگر بڑی عمر والے کے لیے یہ جائز ہے کہ مخاطبت میں اپنے سے کم عمر والے کے لیے وہی الفاظ استعمال کرے جو اصاغر کے لیے کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ورقہ نے باوجود آپ کو نبی اور رسول ماننے کے یا ابن اخی اے میرے بھتیجے کہہ کر خطاب کیا۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصاغر جب اکابر کی مجلس میں حاضر ہوں تو اکابر کے ادب کو ملحوظ رکھیں جب تک اکابر۔ خود ابتداء کلام نہ فرمائیں اس وقت تک اصاغر کو ابتداء کلام نہ چاہیے۔

چنانچہ حضرت خدیجہ جب آپ ﷺ کو ورقہ کے پاس لے کر گئیں اور یہ کہا۔

یا ابن عم اسمع من ابن اخیك ! اے ابن عم اپنے بھتیجے سے کچھ سنیے۔

تو آپ خاموش رہے جب ورقہ نے خود ابتداء بالکلام کی اور یہ کہا۔

یا ابن اخی ماذا تری۔ | اے میرے بھتیجے کیا دیکھا۔

تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام واقعہ کی خبر دی۔[۱]

(۱۸) ورقہ کے جواب میں آپ کا یہ فرمانا او مخرجی ھم کیا یہ لوگ مجھ کو مکہ سے نکالیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وطن کی مفارقت حضرات انبیاء پر بھی شاق ہے۔[۲]

(۱۹) نیز اس وقت ورقہ کا یہ کہنا کہ کاش میں اس وقت قوی اور توانا ہوتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکالے گی یہ اس کی دلیل ہے کہ انسان کو کسی خیر کی تمنا جائز ہے اگرچہ اس خیر کے حصول کی امید نہ ہو۔[۳]

(۲۰) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ جبرئیل نام رکھنا کیسا ہے تو ناپسند فرمایا۔[۴]

توحید ورسالت کے بعد سب سے پہلا فرض

توحید ورسالت کے بعد سب سے پہلے جس چیز کی آپ کو تعلیم دی گئی وہ وضوء اور نماز تھی۔ اوّل جبرئیل نے زمین پر اپنی ایڑی سے ایک ٹھوکر ماری جس سے پانی کا ایک چشمہ جاری ہوگیا جبرئیل نے اس سے وضوء کیا اور آپ دیکھتے رہے بعدازاں آپ نے بھی اسی طرح وضوء کیا پھر جبرئیل نے دو رکعت نماز پڑھائی اور آپ نے اقتداء کی اور وضوء اور نماز سے فارغ ہوکر گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ کو وضوء اور نماز کی تعلیم دی یہ روایت دلائل ابی نعیم ص ۷۰ ج ۱ میں حضرت عائشہ سے مروی ہے حافظ عسقلانی فرماتے ہیں سند اس کی ضعیف ہے۔[۵]

اسامۃ بن زید اپنے باپ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابتداء بعثت ونزول وحی کے وقت جبرئیل میرے پاس آئے اور وضوء اور

---

[۱] بہجۃ النفوس، ج:۱، ص:۲۰ [۲] روض الانف، ج:۱، ص:۱۵۸ [۳] بہجۃ النفوس، ج:۱، ص:۲۱
[۴] روض الانف، ج ۱، ص:۱۵۶ [۵] الاصابہ، ج:۴، ص:۲۸۱

نماز کی مجھ کو تعلیم دی۔ یہ روایت مسند احمد اور سنن دار قطنی اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے۔علامہ عزیزی شرح جامع صغیر میں اس حدیث کی بابت فرماتے ہیں۔قال الشیخ ہذا حدیث صحیح (السراج المنیر ص۲۹ ج۱) اور یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں بھی مذکور ہے اور علامہ سہیلی نے بھی اس کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے ان دونوں سندوں میں عبداللہ بن لہیعہ واقع ہے جس میں محدثین کو کلام ہے۔حافظ ابن سید الناس قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں جس طرح یہ حدیث زید بن حارثہؓ سے مروی ہے اسی طرح براء بن عازب اور عبداللہ بن عباس کی حدیث میں ہے کہ یہ پہلا فرض تھا (عیون الاثر ص۹۱) علامہ سہیلی اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں پس وضوء باعتبار فرضیت کے مکی ہے اور باعتبار تلاوت کے مدنی ہے اس لیے کہ آیت وضوء کا نزول ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوا۔[۱]

ابتداء بعثت ہی سے آپ کا نماز پڑھنا تو قطعاً ثابت ہے اختلاف اس میں ہے کہ پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے (کہ جو شب معراج میں فرض ہوئیں) ان سے پہلے آپ پر کوئی نماز فرض تھی یا نہیں بعض علماء کے نزدیک معراج سے پہلے کوئی نماز فرض نہ تھی آپ جس قدر چاہتے نماز پڑھتے۔صرف صلوٰۃ اللیل کا حکم نازل ہوا تھا اور بعض علماء کے نزدیک ابتداء بعثت سے دو نمازیں فرض تھیں دو رکعتیں صبح کی اور دو رکعتیں عصر کی۔

كما قال تعالى وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ [۲]	اور اللہ کی تسبیح وتحمید کرو شام اور صبح
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا [۳]	اور طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے اللہ کی تسبیح وتحمید کرو۔
وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ [۴]	اور نماز قائم کرو دن کے دونوں کناروں (یعنی صبح وشام) میں

---

[۱] روض الانف ج۱،ص:۱۶۳ [۲] غافر، آیۃ:۵۵، [۳] طٰہٰ، آیۃ:۱۳۰ [۴] ہود، آیۃ:۱۱۴

اور بعد چندے سورۂ مزمل نازل ہوئی ۔ (فتح الباری کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوٰۃ) علامہ سہیلی فرماتے ہیں مزنی اور یحییٰ بن سلام سے ایسا ہی منقول ہے ۔[1]

مقاتل بن سلیمان سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء اسلام میں دو رکعتیں صبح کی اور دو رکعتیں شام کی فرض کیں اور پھر پانچ نمازیں شب معراج میں فرض کیں[2]

سابقین اوّلین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ[3]

سب سے پہلے آپ کی حرم محترم صدیقۃ النساء خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسلام قبول کیا اور بروز دوشنبہ شام کے وقت سب سے پہلے آپ کے ہمراہ نماز پڑھی لہٰذا اوّل اہل قبلہ آپ ہی ہیں (اصابہ عیون الاثر) اور پھر ورقہ بن نوفل مشرف باسلام ہوئے بعد ازاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو مدت سے آپ کی آغوش تربیت[4] میں تھے دس سال کی عمر میں اسلام لائے اور بعثت سے اگلے روز بروز سہ شنبہ آپ کے ہمراہ نماز پڑھی[5] ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ بعثت سے اگلے روز حضرت علی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ کو نماز پڑھتے دیکھا تو دریافت کیا کہ یہ کیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کا دین ہے یہی دین لے کر پیغمبر دنیا میں آئے میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں کہ اسی کی عبادت کرو اور لات وعزیٰ کا انکار کرو حضرت علی نے کہا یہ بالکل ایک نئی شئے ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی جب تک میں اپنے باپ ابوطالب سے اس کا ذکر نہ کرلوں اس

---

[1] روض الانف، ج۱ص:۱۶۲ [2] عیون الاثر، ج۱ص:۹۱۔ [3] ترجمہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہوئے۔ حضرات صحابہ کے متعلق قرآن کریم میں جابجا یہی کلمات مذکور ہیں یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ راضی اسی سے ہوتے ہیں جس کا خاتمہ ایمان اور اخلاص پر ہو فاسق اور منافق سے خدا تعالیٰ کبھی راضی نہیں ہوتا ۱۲۔

[4] ایک بار جب مکہ میں قحط سالی ہوئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس سے فرمایا کہ ابوطالب کثیر العیال ہیں اور زمانہ قحط سالی کا ہے ابوطالب کی کوئی اعانت اور امداد کرنی چاہیے جس سے انکا بار ہلکا ہو بعض اولاد کے تم اور بعض اولاد کا میں کفیل ہو جاؤں آپ اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں ملکر ابوطالب کے پاس گئے اور یہی درخواست کی ابوطالب نے یہ کہا عقیل کو میرے لیے چھوڑ دو اور باقی جس کو چاہے لے لو۔ آپ نے علی کو اور حضرت عباس نے جعفر کو اپنی کفالت کے لیے پسند فرمایا ۱۲ سیرۃ ابن ہشام ص۸۴ ج۱۔ [5] عیون الاثر ج:۱ص:۹۳

وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ پر یہ بات شاق گذری کہ آپ کا راز کسی پر فاش ہو اس لیے حضرت علی سے یہ فرمایا کہ اے علی اگر تم اسلام نہیں قبول کرتے تو اس کا کسی سے مت ذکر کرو۔ حضرت علی خاموش ہو گئے۔ ایک رات گذرنے نہ پائی کہ اللہ تعالیٰ نے دل میں اسلام ڈال دیا جب صبح ہوئی تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ گواہی دو کہ اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور لات وعزیٰ کا انکار کرو اور بت پرستی سے نفرت اور بیزاری ظاہر کرو۔ حضرت علی نے اسلام قبول کیا۔ اور عرصہ تک (یعنی ایک سال تک جیسا کہ بعض روایت میں ہے) اپنے اسلام کو ابوطالب سے مخفی رکھا[1] بعد ازاں آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ اسلام لائے اور آپ کے ہمراہ نماز ادا کی[2]

اسلام ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ

جب تمام اہل بیت اسلام میں داخل ہو گئے۔ تب آپ نے احباب و مخلصین کو اس رحمت کبریٰ اور نعمت عظمیٰ میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے صدیق با اخلاص اور محبّ با اختصاص اور رفیق قدیم اور ولی حمیم یعنی ابوبکر صدیق کو ایمان و اسلام کی دعوت دی۔ ابوبکر نے بلا کسی تامل اور تفکر کے اور بغیر کسی غور اور تدبر کے اوّل وہلہ میں آپ کی دعوت کو قبول کیا۔

چشم احمد برابوبکرے زدہ　　　وزیکے تصدیق صدیق آمدہ

آپ نے صدق کو پیش کیا اور ابوبکر نے تصدیق کی ایک ہی تصدیق نے صدیق بنا دیا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ میں نے جس کسی پر بھی اسلام پیش کیا وہ اسلام سے کچھ نہ کچھ ضرور جھجکا مگر ابوبکر کہ اس نے اسلام کے قبول کرنے میں ذرہ برابر کوئی توقف نہیں

[1] البدایۃ والنہایۃ ج:۳، ص:۲۴　　[2] عیون الاثر ج:۱، ص:۹۴

کیا۔[1] امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ سب سے پہلے کون مسلمان ہوا تو یہ ارشاد فرمایا کہ رجال احرار یعنی آزاد مردوں میں سے سب سے پہلے ابوبکر اسلام لائے اور عورتوں میں سے حضرت خدیجہ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ اور لڑکوں میں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین[2]

بدءالوحی کی روایات سے اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی پہلے اسلام لائے مگران کا یہ تقدم موجب فضیلت و برتری نہیں اس لیے کہ حضرت خدیجہ تو آپ کی بیوی تھیں اور آپ کے تابع تھیں اور حضرت علی صغیر السن تھے اور آپ کی آغوش تربیت میں تھے۔ گھر کی عورتوں اور بچوں میں یہ طاقت اور مجال نہیں ہوتی کہ وہ بڑے کی رائے کو دفع کرسکیں۔ بخلاف ابوبکر کے کہ وہ مستقل اور آزاد تھے کسی کے تابع اور زیر اثر نہ تھے ان کا بلاکسی تردد اور بلاکسی دباؤ اور بلاکسی کے تبعیت کے اسلام قبول کرنا موجب صد فضیلت ہے۔ نیز حضرت خدیجہ اور حضرت علی کا اسلام ان کی ذات تک محدود تھا بخلاف ابوبکر کے کہ ان کا اسلام متعدی تھا اور خیر متعدی۔ خیر لازم سے افضل ہوتی ہے اس لیے کہ ابوبکر اسلام میں داخل ہوتے ہی اسلام کی نشر و اشاعت اور تبلیغ و دعوت میں مصروف ہوگئے اور حضور پُرنور کو مدد پہنچائی اور آپ کے لیے موجب تقویت بنے اور جناب علی رضی اللہ عنہ اس وقت ایک صغیر السن بچے تھے وہ دعوت اسلام میں کیا مدد دے سکتے تھے حضرت علی تو اپنے اسلام کو اپنے باپ سے بھی چھپائے ہوئے تھے (دیکھو زرقانی ص ۲۴۴ ج ۱) اور ابو طالب کی غربت کی وجہ سے حضور پُرنور کی تربیت میں تھے ایسی حالت میں وہ حضور پُرنور کو اور اسلام کو کوئی مالی مدد بھی نہیں پہنچا سکتے تھے نیز بچوں کی عادت ہے کہ جب وہ کسی کی صحبت اور تربیت میں ہوتے ہیں تو جو کام اس کو کرتے دیکھتے ہیں اس کی رِیس میں وہی کام کرنے لگتے ہیں بچوں میں کسی کام کے نفع اور ضرر اور حسن و قبح کے سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت اور تمیز نہیں ہوتی۔ یہی حال اس وقت حضرت علی کا تھا بخلاف ابوبکر کے کہ وہ بڑے عاقل اور ہوشمند زیرک تھے اور نفع اور

---

[1] عیون الاثر ج:۱ص:۹۵ [2] البدایۃ والنہایۃ ج:۳ص:۲۹

ضرر اور حسن و قبح میں تمیز کی پوری صلاحیت رکھتے تھے اور نبی اکرم ﷺ کے ہم عمر تھے اور مکہ کے ذی ثروت اور ذی شوکت اور ذی اثر لوگوں میں سے تھے ابوبکر نے ایسی حالت میں بلا کسی دباؤ کے اوّل وہلہ میں اسلام کی دعوت کو قبول کیا اور لوگوں پر اپنے اسلام کو ظاہر کیا۔ کسی باپ اور بھائی سے اپنے اسلام کو مخفی نہیں رکھا اور اپنے احباب خاص پر خاص طور سے پر اپنے اسلام کو ظاہر کیا اور اس دین میں داخل ہونے کی دعوت دی ایسا اسلام موجب صد فضیلت ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ ابوبکر ایسے شخص تھے کہ جو آزاد اور مستقل تھے اور ہوشمند اور صاحب شوکت اور مرتبت تھے وہ اوّل وہلہ میں اسلام لائے اور ابتداء ہی سے دعوت اسلام میں آں حضرت ﷺ کے دست و باز و بنے اور مال و متاع اور زندگی کا کل سرمایہ اسلام کے لیے وقف کر دیا اور کامل تیرہ سال تک ہر طرح کی تکلیف اور مصیبت میں آنحضرت ﷺ کا ساتھ دیا اور دشمنوں کی مدافعت کی۔ حضرت علی میں کم سن ہونے کی وجہ سے دشمنوں کی مدافعت اور اُن کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام میں داخل ہوتے ہی اسلام کی تبلیغ شروع کر دی آپ کے احباب و مخلصین میں سے جو آپ کے پاس آتا یا آپ جس کے پاس جاتے اُس کو اسلام کی دعوت دیتے چنانچہ آپ کے رفقاء اور مصاحبین میں سے آپ کی تبلیغ سے یہ حضرات اسلام میں داخل ہوئے۔[۱] عثمان بن عفان اور زبیر بن عوام اور عبدالرحمٰن بن عوف اور طلحہ بن عبیداللہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین یہ اعیان قریش اور شرفاء خاندان آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔

ابوبکرؓ ان سب کو لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے سب نے اسلام قبول کیا اور آپ کے ہمراہ نماز پڑھی، بعد ازاں یہ حضرات مشرف باسلام ہوئے ابوعبیدہ عامر بن الجراح۔[۱] ارقم بن ابی الارقم۔ مظعون بن حبیب کے تینوں بیٹے۔ عثمان بن مظعون اور قدامۃ بن مظعون اور عبداللہ بن مظعون اور عبیدۃ بن الحارث اور سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی بیوی فاطمہ بنت خطاب یعنی حضرت عمر کی بہن اور اسماء بنت ابی

[۱] مکہ کے معزز اور سر برآوردہ لوگوں میں سے گیارہ یا بارہ صحابہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے

بکر اور خباب بن الارت اور عمیرہ ابن ابی وقاص یعنی سعد بن ابی وقاص کے بھائی اور عبداللہ بن مسعود[۱] اور مسعود بن القاری اور سلیط بن عمرو اور عیاش بن ابی ربیعة اور ان کی بیوی اسماء بنت سلامہ اور خنیس بن حذافہ اور عامر بن ربیعہ اور عبداللہ بن جحش اور ان کے بھائی ابواحمد بن جحش اور جعفر بن ابی طالب اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیس اور حاطب بن الحارث اور ان کی بیوی فاطمہ بنت مجلل اور اس کے بھائی خطاب بن حارث اور اس کی بیوی فکیہہ بنت یسار اور معمر بن حارث اور سائب بن عثمان بن مظعون اور مطلب بن ازہر اور ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف اور نعیم بن عبداللہ النحام[۲] اور عامر بن فہیرہ ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام اور خالد بن سعید بن العاص اور ان کی بیوی اُمَیمہ بنت خلف اور حاطب بن عمرو اور ابوحذیفہ عتبہ اور واقد بن عبداللہ اور بکیر بن عبد یالیل کے چاروں بیٹے [۳] خالد اور عامر اور عاقل اور ایاس اور عمار بن یاسر اور صہیب بن سنان عبداللہ بن جدعان کے آزاد کردہ غلام رضی اللہ تعالیٰ عنا وعنہم اجمعین۔

---

[۱] عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گلہ کی طرف سے گذرے اور ابوبکر آپ کے ہمراہ تھے آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے پاس دودھ ہے میں نے کہا کہ میں امین ہوں آپ نے فرمایا کوئی بے دودھ کی بکری ہو تو لاؤ میں نے ایک بے دودھ کی بکری پیش کی آپ نے اس کے تھنوں پر اپنا دست مبارک رکھا اور دودھ دوہا پہلے ابوبکر کو اور بعد میں مجھ کو دودھ پلایا جس سے ہم دونوں سیراب ہو گئے بعد ازاں تھن کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ اقلص۔ اے دودھ تو اس تھن سے منقطع ہو جا یہ فرماتے ہی بکری پھر ویسے ہی بغیر دودھ کے رہ گئی۔ یہ معجزہ دیکھ کر میں مسلمان ہو گیا اور آپ سے عرض کیا۔ علمنی یا رسول الله اے اللہ کے رسول مجھ کو تعلیم دیجئے آپ نے اپنا دست مبارک میرے سر پر پھیرا اور فرمایا۔ بارك الله فيك فانك غلام معلم اللہ تجھ میں برکت دے تو خدا کا تعلیم کردہ نونہال ہے حافظ ابن سید الناس نے اس روایت کو اپنی سند سے بیان کیا ہے ۱۲ عیون الاثر [۲] نحام نحم سے مشتق ہے جس کے معنی آواز کے ہیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا لقد سمعت نحمۃ فی الجنۃ میں نے نعیم بن عبداللہ کی آواز جنت میں سنی ہے۔ سیرۃ ابن ہشام راجع اصابہ ص ۵۶۷ ج ۳ وطبقات ص ۱۰۲ ج ۴ قسم اوّل [۴] عامر بن فہیرہؓ غزوہ بیرٔ معونہ میں شہید ہوئے اور فرشتے ان کی نعش کو آسمان پر اٹھا لے گئے ۱۲ روض الانف ص ۱۶۸ ج ۱

[۳] دارارقم میں یہی چاروں بھائی خالد اور عامر اور عاقل اور ایاس سب سے پہلے مشرف با اسلام ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جب ہجرت کا حکم نازل ہوا تو سب نے مع عورتوں اور بچوں کے ہجرت کی اہل خانہ میں سے کوئی شخص مکہ میں باقی نہ رہا مکانوں کو قفل ڈال کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے رفاعۃ بن عبدالمنذر کے مکان پر جا کر اترے۔ طبقات ابن سعد ص ۳۸۲ ج ۳ قسم اوّل۔ عاقل کا نام اصل میں غافل تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے غافل کے عاقل رکھا۔ اصابہ ص ۲۴۷ ج ۲ پہلے آخرت کے غافل تھے اب عاقل ہو گئے۔

جب نماز کا وقت آتا تو آپ کسی گھاٹی یا درہ میں جا کر پوشیدہ نماز پڑھتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ اور حضرت علی کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ یکا یک ابوطالب اس طرف آ نکلے۔ حضرت علی نے اس وقت تک اپنے اسلام کو اپنے ماں باپ اور اعمام اور دیگر اقارب پر ظاہر نہیں ہونے دیا تھا ابوطالب نے آں حضرت ﷺ سے مخاطب ہو کر دریافت کیا کہ اے بھتیجے یہ کیا دین ہے اور یہ کیسی عبادت ہے آپ نے فرمایا اے چچا یہی دین ہے اللہ کا اور اس کے تمام فرشتوں کا اور پیغمبروں کا اور خاص کر ہمارے جد امجد ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا دین ہے اور اللہ نے مجھ کو اپنے تمام بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ سب سے زیادہ آپ میری نصیحت کے مستحق ہیں کہ آپ کو خیر اور ہدایت کی طرف بلاؤں اور آپ کو چاہیے کہ آپ سب سے پہلے اس ہدایت اور دین برحق کو قبول کریں اور اس بارہ میں میرے معین اور مددگار ثابت ہوں۔

ابوطالب نے کہا اے بھتیجے میں اپنا آبائی مذہب تو نہیں چھوڑ سکتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ تم کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا۔ بعد ازاں حضرت علی کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے بیٹے یہ کیا دین ہے جس کو تم نے اختیار کیا ہے۔ حضرت علی نے کہا باپ میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کچھ وہ من جانب اللہ لے کر آئے اس کی تصدیق کی اور ان کے ساتھ اللہ کی عبادت اور بندگی کرتا ہوں اور ان کا متبع اور پیرو ہوں۔ ابوطالب نے کہا بہتر ہے تم کو بھلائی اور خیر ہی کی طرف بلایا ہے۔ ان کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ سیرۃ ابن ہشام ص ۸۷ ج ۱۔)

اسلام جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ[۱]

ایک روز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشغول عبادت تھے حضرت علی آپ کے دائیں جانب تھے اتفاق سے ابوطالب اُدھر سے گذرے جعفر بھی

[۱] حضرت علی کے عینی بھائی حضرت علی سے عمر میں دس سال بڑے تھے نجاشی شاہ حبشہ آپ ہی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے اس غزوہ میں نوے سے زیادہ جسم مبارک پر زخم آئے۔ مفصل تذکرہ انشاء اللہ تعالیٰ غزوۂ موتہ کے بیان میں آئے گا ۱۲ اصابہ۔

آپ کے ہمراہ تھے آپ کو جب نماز پڑھتے دیکھا تو جعفر سے مخاطب ہو کر کہا اے بیٹا تم بھی علی کی طرح اپنے چچازاد بھائی کے قوت بازو ہو جاؤ اور بائیں جانب کھڑے ہو کر ان کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاؤ۔ (اسد الغابہ ص ۲۸۷ ج ۱) جعفرؓ سابقین اسلام میں سے ہیں۔ اکتیس یا پچیس صحابہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ (اصابہ ص ۲۳۷ ج ۱)

اِسلام عفیف کندی رضی اللہ عنہ[۱]

عفیف کندی حضرت عباس کے دوست تھے عطر کی تجارت کرتے تھے۔ اسی سلسلۂ تجارت میں یمن بھی آمد ورفت رہتی تھی۔ عفیف کندی فرماتے ہیں کہ ایک بار میں منیٰ میں حضرت عباس کے ساتھ تھا کہ ایک شخص آیا اور اول نہایت عمدہ طریقہ سے وضو کیا اور پھر نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ایک عورت آئی اس نے بھی وضو کی اور پھر نماز کے لئے کھڑی ہو گئی پھر ایک گیارہ سالہ لڑکا آیا اس نے بھی وضو کی اور آپ کے برابر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا میں نے عباس سے پوچھا یہ کیا دین ہے، حضرت عباس نے کہا یہ میرے بھتیجے محمد رسول اللہ کا دین ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور یہ لڑکا علی بن ابی طالب بھی میرا بھتیجا ہے جو اس دین کا پیرو ہے اور یہ عورت محمد بن عبداللہ کی بیوی ہیں۔ عفیف بعد میں مشرف باسلام ہوئے اور یہ کہا کرتے تھے کہ کاش میں چوتھا مسلمان ہوتا (عیون الاثر) قال ابن عبدالبر ہذا حدیث حسن جدا۔ حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہایت عمدہ ہے اس کے حسن ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام بخاری نے بھی اپنی تاریخ میں اور بغوی اور ابن مندہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ اس میں اس قدر اور زائد ہے کہ حضرۃ عباس نے یہ فرمایا کہ میرا بھتیجا یہ بھی کہتا ہے کہ قیصر وکسریٰ کے خزائن بھی اس پر فتح ہوں گے۔ (اصابہ ص ۴۸۷ ج ۲ ترجمہ عفیف کندی۔)

---

[۱] عفیف اصل میں لقب ہے۔ حافظ فرماتے ہیں ان کا نام شراحیل تھا عفت اور پاکدامنی کی وجہ سے عفیف کے لقب سے ملقب ہوئے۔ چنانچہ حضرت عفیف کے اشعار میں سے ایک شعر یہ بھی ہے وقالت لی ھلم الی التعابی۔ فقلت عَفَفتُ عمّا تعلمینا۔ اس نے مجھ کو لہو ولعب کی طرف بلایا میں نے کہا کہ تجھ کو میری عفت اور عصمت خوب معلوم ہے۔ اصابہ ص ۴۸۷ ج ۲۔

اسلام طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ میں بغرض تجارت بصری گیا ہوا تھا ایک روز بصری کے بازار میں تھا کہ ایک راہب اپنے صومعہ میں ہے سے یہ پکار رہا تھا کہ دریافت کرو کہ ان لوگوں میں کوئی حرم مکہ کا رہنے والا تو نہیں۔ طلحہ نے کہا کہ میں حرم مکہ کا رہنے والا ہوں۔ راہب نے کہا کہ کیا احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور ہو گیا۔ میں نے کہا احمد کون (صلی اللہ علیہ وسلم) راہب نے کہا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے بیٹے۔ یہ مہینہ ان کے ظہور کا ہے حرم مکہ میں ظاہر ہوں گے ایک پتھریلی اور نخلستانی زمین کی طرف ہجرت کریں گے۔ وہو آخر الانبیاء اور وہ آخری نبی ہیں۔ دیکھو تم پیچھے نہ رہنا راہب کی اس گفتگو سے میرے دل پر خاص اثر ہوا۔ فوراً مکہ واپس آیا اور لوگوں سے دریافت کیا کیا کوئی نئی بات پیش آئی لوگوں نے کہا ہاں۔ محمد امین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ابن ابی قحافہ یعنی ابوبکر ان کے ساتھ ہو گئے ہیں میں فوراً ابوبکر کے پاس پہنچا۔ ابوبکر مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ حاضر ہو کر میں مشرف باسلام ہوا اور آپ سے راہب کا تمام واقعہ بیان کیا۔ (اصابہ ص ۲۲۹ ج ۲ ترجمہ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اسلام سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں نے اسلام لانے سے تین شب قبل یہ خواب دیکھا کہ میں ایک شدید ظلمت اور سخت تاریکی میں ہوں تاریکی کی وجہ سے کوئی شئ مجھ کو نظر نہیں آتی۔ اچانک ایک ماہتاب طلوع ہوا اور میں اس کے پیچھے ہولیا دیکھا تو زید بن حارثہ اور علی اور ابوبکرؓ مجھ سے پہلے اس نور کی طرف سبقت کر چکے ہیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ کی وحدانیت اور اپنے رسول اللہ ہونے کی شہادت کی طرف تم کو بلاتا ہوں میں نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھدن محمدا رسول اللہ. اخرجه ابن ابی الدنیا و ابن عساکر۔ (خصائص کبری ص ۱۲۲ ج ۱۔)

اسلام خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

سابقین اوّلین میں سے ہیں چوتھے یا پانچویں مسلمان ہیں[۱] اسلام لانے سے پیشتر یہ خواب دیکھا کہ ایک نہایت وسیع اور گہری آگ کی خندق کے کنارے پر کھڑا ہوں میرا باپ سعید مجھ کو اسکی طرف دھکیلنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ ناگہاں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور میری کمر پکڑ کر کھینچ لیا۔ خواب سے بیدار ہوا اور قسم کھا کر میں نے یہ کہا واللہ یہ خواب حق ہے۔

ابوبکرؓ کے پاس آیا اور یہ خواب ذکر کیا۔ ابوبکرؓ نے یہ کہا کہ اللہ نے تیرے ساتھ کچھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے یہ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کا اتباع کر اور اسلام کو قبول کر اور انشاء اللہ تو رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرے گا اور اسلام میں داخل ہوگا اور اسلام ہی تجھ کو آگ میں گرنے سے بچائے گا مگر تیرا باپ آگ میں گرتا نظر آتا ہے۔ پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے محمد (ﷺ) آپ ہم کو کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

ادعوك الى اللّٰه وحده لاشريك له وان محمداً عبده و رسوله تخلع [۲] ما كنت عليه من عبادة حجر لا يضرو لا ينفع ولا يدرى من عبده ممن لم يعبده۔	میں تجھ کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ بتوں کی پرستش کو چھوڑ دو کہ جو نہ نفع اور ضرر کے مالک ہیں اور نہ ان کو یہ علم ہے کہ کس نے ان کی پرستش کی اور کس نے نہیں کی۔

---

[۱] الاصابہ۔ ج:۱، ص:۴۰۶

[۲] اقرار توحید و رسالت کے بعد کفر و شرک سے علیحدگی کا حکم دینا یہ کفر سے تبری اور بیزاری کی طرف اشارہ ہے جو اسلام و ایمان کے لیے شرط ہے۔ جس کو ہم عنقریب بیان کریں گے ۱۲ منہ عفی عنہ

خالد کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور آپ اس کے رسول برحق ہیں اور اسلام میں داخل ہو گیا۔ باپ کو جب میرے اسلام کا علم ہوا تو مجھ کو اس قدر مارا کہ سر زخمی ہو گیا اور ایک چھڑی کو میرے سر پر توڑ ڈالا اور پھر یہ کہا تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع کیا جس نے ساری قوم کے خلاف کیا اور ہمارے معبودوں کو برا اور ہمارے آباؤ اجداد کو احمق اور جاہل بتلاتا ہے۔ خالد کہتے ہیں۔ میں نے اپنے باپ سے کہا۔ واللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالکل سچ فرماتے ہیں۔ باپ کو اور بھی غصہ آ گیا اور مجھ کو سخت سست کہا اور گالیاں دیں اور یہ کہا اے کمینہ تو میرے سامنے سے دور ہو جا۔ واللہ میں تیرا کھانا پینا بند کر دوں گا۔ میں نے کہا اگر تم کھانا بند کر لو گے تو اللہ عزوجل مجھ کو رزق عطا فرمائیں گے اس پر باپ نے مجھ کو اپنے گھر سے نکال دیا اور اپنے بیٹوں سے کہا کہ کوئی اس سے کلام نہ کرے اور جو اس سے کلام کرے گا اس کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے گا۔ خالد اپنے باپ کا در چھوڑ کر رسول اللہ کے در دولت پر آ پڑے۔ آپ خالد کا بہت اکرام فرماتے تھے[1] اور حافظ عسقلانی نے بھی اصابہ میں اس واقعہ کو اجمالاً ذکر کیا ہے۔ انسان کسی کا در چھوڑ کر ذلیل اور رسوا نہیں ہوتا مگر اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا در چھوڑ کر کہیں عزت نہیں پا سکتا۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اس آیت سے ظاہر ہے کہ عزت تو ایمان میں ہے کفر میں تو ذلت ہی ذلت ہے کفر میں تو عزت کا امکان ہی نہیں۔

عزیز یکہ از در گہش سر بتافت بہر در کہ شد ہیچ عزت نہ یافت

خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا باپ ایک بار بیمار ہوا تو یہ کہا کہ اگر اللہ نے مجھ کو اس مرض سے عافیت بخشی تو مکہ میں اس خدا کی عبادت نہ ہونے دوں گا جس کی عبادت کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حکم کرتے ہیں۔ خالد کہتے ہیں کہ میں نے اللہ سے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ میرے باپ کو اس مرض سے اٹھنے کے قابل نہ بنا۔ چنانچہ اسی مرض میں میرا باپ مر گیا۔[2]

---

[1] المستدرک، ج:۳ ص:۲۴۸ [2] ایضاج ۳ ص ۲۴۹

اسلام عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ میں ایک بار گھر میں گیا تو اپنی خالہ سعدای کو گھر والوں کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ میری خالہ کہانت بھی کیا کرتی تھیں۔ مجھ کو دیکھتے ہی یہ کہا۔

اَبْشِرْو حُیِّیتَ ثَلَاثاً وِتْرَا ثُمَّ ثَلَاثاً و ثَلَاثا اُخْریٰ

اے عثمان تجھ کو بشارت ہو اور سلامتی ہو تین بار اور پھر تین بار اور پھر تین بار

ثُمَّ بِاُخْریٰ لِکَیْ تُتمّمَّ عَشْراً لَقِیتَ خَیْرا وَوُقِیتَ شَرّاً

اور ایک بار تاکہ دس پورے ہو جائیں تو خیر سے ملا اور شر سے محفوظ ہوا

نَکَحْتَ وَاللّٰهِ حَصَانًا زَهْرَا وَاَنْتَ بِکْرٌ و لَقِیتَ بِکْرَا

خدا کی قسم تو نے ایک نہایت پاکدامن اور حسین عورت سے نکاح کیا تو خود بھی ناکت خدا ہے اور ناکت خدا سے تیری شادی ہوئی ہے

یہ سن کر مجھ کو بہت تعجب ہوا اور میں نے کہا اے خالہ کیا کہتی ہو اس پر سعدی نے یہ اشعار پڑھے۔

عُثْمَانُ یَا عُثْمَانُ یَا عُثْمَانُ لَکَ الجمَالُ وَلَکَ الشَّانُ

اے عثمان اے عثمان تیرے لیے جمال بھی ہے اور تیرے لیے شان بھی ہے

هَدا نَبِیٌّ مَعَه الْبُرْهَانُ اَرْسَلَهٗ بِحَقِّهِ الدَّیَّانُ

یہ نبی ہیں جن کی ساتھ نبوت و رسالت کے براہین اور دلائل بھی ہیں رب الجزاء نے ان کو حق دے کر بھیجا ہے

وَجَآءَهُ التنزیل وَالفُرقانُ فَاتَّبِعْهُ لَا تَغْیَابکَ الاَوْثَانُ

ان پر اللہ کا کلام اترتا ہے جو حق اور باطل میں تمیز کرتا ہے پس تو ان کا اتباع کر کہیں بت تجھ کو گمراہ نہ کر دیں

میں نے کہا کہ اے خالہ آپ تو ایسی شئے کا ذکر کرتی ہیں کہ جس کا شہر میں کبھی نام بھی نہیں سُنا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس پر سعدی نے یہ کہا:۔

محمد بن عبدالله رسول من عندالله جاء بتنزیل الله یدعوا الی الله قوله صلاح و دینه فلاح و امره نجاح ما ینفع الصیاح لووقع الرماح وسلت الصفاح و مدت الرماح۔

محمد بیٹے عبداللہ کے رسول ہیں اللہ کی طرف سے اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ قول ان کا سراسر فلاح اور بہبود ہے اور ان کا حال کامیاب ہے ان کے مقابلہ میں کسی کی چیخ و پکار نفع نہ دے گی اگرچہ کتنی ہی تلواریں اور نیزے ان کے مقابلے میں چلائی جائیں۔

یہ کہہ کر اُٹھ گئیں مگر ان کا کلام میرے دل پر اثر کر گیا۔ اسی وقت سے غور اور فکر میں پڑ گیا۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میرے تعلقات اور روابط تھے ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ابو بکر نے مجھ کو متفکر دیکھ کر دریافت فرمایا۔ متفکر کیوں ہو میں نے اپنی خالہ سے جو سُنا تھا من وعن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کر دیا۔ اس پر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے عثمان ماشاء اللہ تم ہوشیار اور سمجھ دار ہو۔ حق اور باطل کے فرق کو خوب سمجھ سکتے ہو۔ تم جیسے کو حق اور باطل میں اشتباہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بت کیا چیز ہیں جن کی پرستش میں ہماری قوم مبتلا ہے کیا یہ بت اندھے اور بہرے نہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ کسی کو ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا خدا کی قسم بے شک ایسے ہی ہیں جیسے تم کہتے ہو اس پر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا واللہ تمہاری خالہ نے بالکل سچ کہا۔ یہ محمد بن عبداللہ۔ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنا پیام دے کر تمام مخلوق کی طرف بھیجا ہے تم اگر مناسب سمجھو تو آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر آپ کا کلام سنو یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ حُسن اتفاق دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گذرتے ہوئے دکھلائی دیئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور کوئی کپڑا آپ کے

ہاتھ میں تھا۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اٹھے اور آہستہ سے گوش مبارک میں کچھ عرض کیا آپ تشریف لائے اور بیٹھ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر یہ فرمایا کہ اے عثمان اللہ جنت کی دعوت دیتا ہے تو تم اللہ کی دعوت کو قبول کرو اور میں اللہ کا رسول ہوں جو تیری طرف اور تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

فو اللّٰہ ماتمالکت حین سمعت قوله ان اسلمت واشهدت ان لا الٰه الا اللّٰه وحده لاشريكَ لـه وان محمدا عبده و رسوله	خدا کی قسم آپ کا کلام سنتے ہی ایسا بے خود اور بے اختیار ہوا کہ فوراً اسلام لے آیا اور یہ کلمات زبان پر جاری ہو گئے اشہدان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ وان محمداً عبدہٗ و رسولہ

در دل ہر امتی کز حق مزہ است　　روئے و آواز پیمبر معجزہ است

کچھ روز نہ گذرے کہ آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا میرے نکاح میں آئیں اور سب نے اس زواج واقتران کو بنظر استحسان دیکھا اور میری خالد سُعدی نے اس بارہ میں یہ اشعار پڑھے۔

هَدی اللّٰه عُثمانَ الصفیَّ بِقَوْلِهٖ　　فَاَرْشَدَهٗ واللّٰهُ یَهْدِیْ اِلی الحقِ

اللہ نے اپنے بندے عثمان کو ہدایت دی　　اور اللہ ہی حق کی ہدایت دیتا ہے

فَتَابَع بالرأیِ السَّدِیْدِ محمدًا　　وَ کَان ابْنَ اَرْوَی لَا یَصُدُّ عَنِ الْحَقِ

پس عثمان نے اپنی صحیح رائے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا اور آخر اروی کا بیٹا تھا فکر اور رویہ یعنی سمجھ سے کام لیا اور حق سے اعراض نہ کیا۔

اروی بنت کریز حضرت عثمان کی والدہ کا نام ہے۔

وَاَنکحهُ المبعُوثُ اِحدٰی بَناتِه

فَکَان کَبَدرٍ مَازَجَ الشمس فی الافُقِ

اوراس پیغمبر برحق ﷺ نے اپنی صاحبزادی اس کے نکاح میں دی پس یہ التقاء ایسا ہوا جیسے شمس بدر کا افق میں اجتماع ہوا۔

فِدی لک یَاابنَ الھا شمیین مُھجَتیِ

فَانتَ اَمِینُ اللّٰہ اُرسِلتَ لِلخَلقِ

اے ہاشم کے بیٹے محمد بن عبداللہ ﷺ میری جان آپ پر قربان ہو آپ تو اللہ کے امین ہیں مخلوق کی ہدایت کیلئے بھیجے گئے ہیں [۱]

حضرت عثمان بن عفان کے اسلام لانے کے دوسرے روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان حضرات کو آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔

عثمان بن مظعون [۲]۔ ابوعبیدۃ بن الجراح [۳] عبدالرحمٰن بن عوف۔ ابوسلمۃ بن عبد الاسد [۴] ارقم بن الارقم یہ سب کے سب ایک ہی مجلس میں مشرف باسلام ہوئے (الریاض النصرۃ ج۱:ص۸۵) یزید بن رومان سے مروی ہے کہ عثمان بن مظعون اور عبیدۃ بن الحارث اور ابوعبیدۃ بن الجراح اور عبدالرحمٰن بن عوف اور ابوسلمۃ بن عبدالاسد یہ سب مل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے اسلام پیش کیا اور احکام

---

[۱] الاصابۂ ج:۱ص:۳۲۷ [۲] عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانہ جاہلیت ہی سے شراب سے متنفر اور بیزار تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ میں ایسی شئی کو ہرگز نہ پیوں گا جو عقل کو سلب کرلے اور میرے سے کمتر اور ادنیٰ آدمی کو مجھ پر ہنسنے کا موقع دے اور بے خبری میں اپنی بیٹی کا ایسے شخص سے نکاح کرادے جس سے نکاح کرانا میں پسند نہیں کرتا جب تحریم خمر کے بارے میں سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی تو ایک شخص نے آکر وہ آیت آپ کو سنائی تو یہ کہا کہ خدا اس شراب کو ہلاک اور برباد کرے میری نگاہ اس بارے میں پہلے ہی سے بصیر تھی۔ طبقات ابن سعد ص ۲۸۶ ج ۳ قسم اول

[۳] ابوعبیدہ کنیت ہے اور عامر نام ہے اور امین الامۃ ان کا لقب ہے، سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ دو مرتبہ ہجرت کی اول بجانب حبشہ دوسری بجانب مدینہ منورہ تمام غزوات میں شریک رہے فاروق اعظم کے زمانے میں شامی افواج کے سپہ سالار تھے۔ طاعون عمواس ۱۸ھ میں شام ہی میں انتقال فرمایا حضرت عمر اپنی وفات کے وقت فرماتے تھے اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ بناتا۔ [۴] ابوسلمہ آں حضرت ﷺ کے رضاعی بھائی اور ام المومنین ام سلمہؓ کے زوج اول ہیں۔

اسلام سے آگاہ اور خبر دار کیا۔ بیک وقت سب نے اسلام قبول کیا اور یہ سب حضرات دار ارقم میں پناہ گزیں ہونے سے قبل اسلام لائے۔[1]

اسلام عمّار و صہیب رضی اللہ عنہما

عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ دار ارقم کے دروازہ پر صہیب بن سنان سے میری ملاقات ہوئی اور رسول اللہ ﷺ اندر تشریف فرما تھے میں نے صہیب سے پوچھا کیا ارادہ ہے صہیب نے بھی مجھ سے یہی سوال کیا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے میں نے کہا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ آپ کے پاس حاضر ہوں اور آپ کا کلام سنوں ہم دونوں دار ارقم میں داخل ہوئے آپ نے ہم پر اسلام کو پیش کیا ہم اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے۔[2]

اسلام عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عمرو بن عبسہؓ فرماتے ہیں کہ میں ابتداء ہی سے بت پرستی سے بیزار اور متنفر تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ یہ بت کسی نفع اور ضرر کے اصلا مالک نہیں محض پتھر ہیں۔ علماء اہل کتاب میں سے ایک عالم سے مل کر یہ دریافت کیا کہ سب سے افضل اور بہتر کونسا دین ہے اس عالم نے یہ کہا کہ ایک شخص مکہ میں ظاہر ہوگا۔ بت پرستی سے اللہ کی توحید کی طرف بلائے گا سب سے بہتر اور افضل دین لائے گا۔ تم اگر ان کو پاؤ تو ضرور ان کا اتباع کرنا۔ عمرو بن عبسہ فرماتے ہیں اس وقت سے ہر وقت مجھ کو مکہ ہی کا خیال رہتا تھا۔ ہر وارد و صادر سے مکہ کی خبریں دریافت کرتا تھا۔ یہاں تک کہ مجھ کو آں حضرت ﷺ کی خبر ملی۔ یہ روایت معجم طبرانی اور دلائل ابی نعیم میں مذکور ہے۔ (تذکرہ عمرو بن عبسہؓ) آپ کی خبر ملنے پر میں مکہ مکرمہ حاضر ہوا اور مخفی طور پر آپ سے ملا اور عرض کیا کہ آپ کون ہیں آپ نے فرمایا

---

[1] طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۲۸۶۔ [2] طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۲۱۲

میں اللہ کا نبی ہوں میں نے کہا اللہ نے آپ کو بھیجا ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ میں نے کہا اللہ نے آپ کو کیا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ کو ایک مانا جائے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانا جائے بتوں کو توڑا جائے اور صلہ رحمی کی جائے۔ میں نے عرض کیا کہ اس بارہ میں کون آپ کے ساتھ ہے آپ نے فرمایا کہ ایک آزاد اور ایک غلام یعنی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نے عرض کیا میں بھی آپ کا پیرو اور متبع ہوں آپ کے ہمراہ رہوں گا آپ نے فرمایا اس وقت تو اپنے وطن لوٹ جاؤ جب میرے غلبہ کا علم ہو اس وقت آجانا عمرو بن عبسہؓ فرماتے ہیں میں مسلمان ہو کر وطن واپس ہو گیا اور آپ کی خبریں دریافت کرتا رہا جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ نے مجھ کو پہچانا بھی آپ نے فرمایا ہاں تم وہی ہو جو مکہ میں میرے پاس آئے تھے میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں وہی ہوں مجھ کو کچھ تعلیم دیجیے۔ الیٰ آخر الحدیث۔ پوری حدیث مسند احمد میں مذکور ہے اور یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی مذکور ہے[۱]

اسلام ابی ذر رضی اللہ عنہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوذر غفاری کو جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر پہنچی تو اپنے بھائی انیس[۲] سے کہا کہ مکہ جاؤ اُس شخص کی خبر لے کر آؤ جو دعویٰ کرتا ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور آسمان سے مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اس کا کلام بھی سنو۔ ابوذر کی ہدایت کے مطابق انیس مکہ آئے اور آپ سے مل کر واپس ہوئے۔ ابوذر نے دریافت کیا کیا خبر لائے۔ انیس نے کہا کہ جب میں مکہ پہنچا تو کوئی آپ کو کاذب وساحر کہتا تھا کوئی کاہن وشاعر۔ واللہ وہ نہ شاعر ہے نہ کاہن۔ انیس خود بھی بہت بڑے شاعر تھے۔ اس لیے فرماتے ہیں میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے۔ ان کا کلام کاہنوں کے کلام

[۱] الاصابہ، ج:۳، ص:۶۔ [۲] انیس عمر میں ابوذر سے بڑے تھے۔ اصابہ ص ۶۷ ج ۱

سے مشابہ نہیں ان کے کلام کو اوزان شعر پر رکھ کر دیکھا شعر بھی نہیں و اللہ انه لصادق خدا کی قسم وہ بالکل صادق ہے۔ اور یہ بھی کہا۔

رأيته يامر بالخير وينهىٰ عن الشر ورايته يامر بمكارم الاخلاق و كلاما ماهو بالشعر۔	اس شخص کو میں نے صرف خیر اور بھلائی کا حکم کرتے ہوئے اور شر اور برائی ہی سے منع کرتے ہوئے دیکھا اور عمدہ اور پاکیزہ اخلاق کا حکم کرتے دیکھا اور ان سے ایک کلام سنا جس کو شعر سے کوئی تعلق نہیں۔

ابوذر نے سن کر یہ کہا کہ دل کو پوری شفا نہیں ہوئی۔ غالباً ابوذر آپ کے حالات اور واقعات تفصیل کے ساتھ سننا چاہتے تھے اتنا اجمال ان کے لئے کافی اور شافی نہ ہوا اس لیے ابوذر خود کچھ توشہ اور مشکیزہ لے کر مکہ روانہ ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے توسط سے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور آپ کا کلام سُنا اسی وقت اسلام لائے اور حرم میں پہنچ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ کفار نے اتنا مارا کہ زمین پر لٹا دیا۔ حضرت عباس نے آکر بچایا۔ آپ نے فرمایا اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کو بھی اس سے آگاہ کرو۔ جب ہمارے ظہور اور غلبہ کی خبر سنو تب آنا۔ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس ہوئے۔ دونوں بھائیوں نے مل کر والدہ کو اسلام کی دعوت دی والدہ نے نہایت خوشی سے اس دعوت کو قبول کیا۔ بعد از اں قبیلہ غفار کو دعوت دی نصف قبیلہ اسی وقت مشرف باسلام ہوا۔[1]

فائدہ

عمرو بن عبسہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما کے واقعہ سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دین الٰہی کے ظہور اور غلبہ کا کامل یقین تھا اور اس بے سروسامانی میں یہ یقین بدون وحی الٰہی کے ممکن نہیں۔

[1] الاصابہ، ج:۲، ص:۶۲

مسلمانوں کا دارارقم میں اجتماع

جب اسی طرح رفتہ رفتہ لوگ اسلام میں داخل ہوتے رہے مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت ہوگئی تو حضرت ارقم[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان جمع ہونے کے لیے تجویز ہوا کہ وہاں سب جمع ہوا کریں۔ حضرت ارقمؓ سابقین اولین میں سے ہیں۔ ساتویں یا دسویں مسلمان ہیں کوہِ صفا پر آپ کا مکان تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے تک رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام وہیں جمع ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لے آنے کے بعد جہاں چاہتے جمع ہوتے۔[۲]

حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَاتَّخَذَ النبیُّ دارا لاَرْقَم ۔۔۔ لِلصَّحبِ مُسْتَخْفِیْن عَنْ قَوْمِهِم
وَ قِیلَ کَانوا یَخْرُجُون تَتریٰ ۔۔۔ الی الشعاب لِلصَّلوة سِرًّا
حَتّٰی مضت ثلٰثةُ سِنِیْنَا ۔۔۔ وَ اَظْهَرَ الرحمٰنُ بَعْدُ الدِّینا
وَصَدَّع النبیُ جهراً مُعْلنًا ۔۔۔ اِذ نَزَلَتْ فاصْدَع بما فما وَفیٰ
وَ اَنْذَرَ العشائرَ التی ذُکِرُ ۔۔۔ یَجْمعهم اِذْنَزَلت وَ اَنذِرُ

اعلان دعوت

تین سال تک آں حضرت ﷺ مخفی طور پر اسلام کی دعوت دیتے رہے اور اسی طرح لوگ آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہوتے رہے تین سال کے بعد یہ حکم نازل ہوا کہ علی الاعلان اسلام کی طرف بلائیں۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ۔ ۔۔۔ جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کا صاف صاف اعلان کردیجیے اور مشرکین کی پروانہ کیجیے

[۱] ارقم بدر اور دیگر مشاہد میں حاضر ہوئے حضرت معاویہ کے زمانہ خلافت میں ۵۵ھ میں وفات پائی۔ اصابہ ص ۲۸ ج ۱
[۲] الاصابہ، ج:۱، ص:۲۸۔

وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ

اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو کفر اور شرک سے ڈرایئے۔ اور جو ایمان لاکر آپ کا اتباع کرے اس کے ساتھ نرمی اور شفقت کا معاملہ فرمایئے۔

وَ قُلۡ اِنِّیۡۤ اَنَا النَّذِیۡرُ الۡمُبِیۡنُ

اور آپ یہ اعلان کر دیجیے کہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔

چنانچہ آپ کوہ صفا پر چڑھے اور قبائل قریش کو نام بنام پکارا جب سب جمع ہو گئے تو یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ پہاڑ کے عقب میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے۔ سب نے ایک زبان ہو کر کہا بیشک ہم نے تو آپ سے سوائے صدق اور سچائی کے کچھ دیکھا ہی نہیں۔ تب آپ نے فرمایا میں تم کو ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔ ابولہب نے کہا تف ہے تجھ پر کیا ہم کو اس لئے جمع کیا تھا اس پر تبت یدا ابی لھب وتب یہ تمام سورت اسی کے بارہ میں نازل ہوئی (بخاری)

دعوتِ اسلام اور دعوتِ طعام

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو حکم دیا کہ ایک صاع غلہ اور بکری کا ایک دست اور دودھ کا ایک پیالہ مہیا کرو اور بعد ازاں اولاد مطلب کو جمع کرو میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی۔ کم وبیش چالیس آدمی جمع ہو گئے جس میں آپ کے اعمام ابوطالب اور حمزہ اور عباس اور ابولہب بھی شامل تھے۔ آپ نے وہ گوشت کا ٹکڑا لے کر دندان مبارک سے چیرا اور پھر اسی پیالے میں رکھ دیا اور فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ اسی ایک پیالہ گوشت سے سب کے سب سیر ہو گئے اور کچھ بچ بھی گیا۔ حالانکہ وہ کھانا صرف اتنا تھا کہ ایک شخص کے لیے کافی ہو سکتا تھا اور اس کے بعد مجھ کو حکم دیا کہ دودھ کا پیالہ لاؤ اور لوگوں

کو پلاؤ اسی ایک پیالہ دودھ سے سب سیراب ہو گئے حالانکہ ایک پیالہ دودھ کی اتنی زیادہ مقدار نہ تھی۔ ایک پیالہ دودھ تو ایک آدمی بھی پی سکتا ہے چہ جائیکہ چالیس آدمی۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ نے کچھ فرمانے کا ارادہ کیا تو ابولہب نے یہ کہا اے لوگو اُٹھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو آج تمہارے کھانے پر جادو کر دیا ہے ایسا جادو تو کبھی دیکھا ہی نہیں۔ یہ کہتے ہی لوگ متفرق ہو گئے اور آپ کو فرمانے کی نوبت نہ آئی۔ دوسرے روز آپ نے پھر حضرت علی کو اسی طرح کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح دوسرے روز سب جمع ہوئے جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ جو شئے میں نے تمہارے سامنے پیش کی ہے کسی شخص نے بھی اس سے بہتر شئے اپنی قوم کے سامنے پیش نہیں کی۔ میں تمہارے واسطے دنیا اور آخرت کی خیر لے کر آیا ہوں۔ اخرجہ ابن اسحاق والبیہقی وابونعیم[1]

ابولہب اگرچہ رشتہ میں آپ کا چچا تھا لیکن جس طرح تصدیق اور جاں نثاری اور صداقت و محبت میں ابوبکر صدیق سب سے اوّل رہے اسی طرح تکذیب اور ایذاء اور استہزاء، بغض اور عداوت میں ابولہب سب سے اوّل رہا۔ سخط اللہ علیہ۔ اسی عداوت میں آپ کی صاحبزادیوں کو یعنی حضرت رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جو قبل از بعثت عتبہ اور عتیبہ سے منسوب تھیں اپنے بیٹوں سے طلاق دلائی تاکہ آپ کو ان کے طلاق دیئے جانے سے صدمہ ہو۔ مگر حقیقت میں یہ اللہ کی عظیم الشان رحمت تھی بعد میں دونوں صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں اور حضرت عثمان ذی النورین کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار حضرات انبیاء و مرسلین صلوٰت اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کے صحابہ کرام میں سے صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ الرحمٰن ایک ایسے صحابی ہیں کہ جن کی زوجیت میں یکے بعد دیگرے پیغمبر کی دو صاحبزادیاں آئیں اور ذی النورین کہلائے۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو صرف اسلام کی دعوت دیتے رہے اس وقت تک قریش نے آپ سے کوئی تعرض نہیں کیا لیکن

---

[1] الخصائص الکبریٰ۔ ج:۱، ص:۱۲۳

جب علی الاعلان دعوت اور بت پرستوں کی برائیاں بیان کرنا شروع کی اور کفر اور شرک سے روکنا شروع کیا۔ تب قریش عداوت اور مخالفت پر آمادہ ہوئے مگر ابوطالب آپ کے حامی اور مددگار رہے ایک مرتبہ قریش کے چند آدمی جمع ہو کر ابوطالب کے پاس آئے کہ تمہارا بھتیجا ہمارے بتوں کی برائیاں کرتا ہے اور ہمارے دین کو برا اور ہم کو احمق اور نادان اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتلاتا ہے آپ یا تو ان کو منع کر دیں یا ہمارے اور ان کے درمیان میں نہ پڑیں ہم خود سمجھ لیں گے۔ ابوطالب نے ان کو خوش اسلوبی اور نرمی سے ٹلا دیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح توحید کی دعوت اور کفر اور شرک کی مذمت میں مشغول رہے۔ ابولہب اور اس کے ہم خیالوں کی بغض و عداوت کی آگ میں التہاب اور اشتعال پیدا ہوا اور ان لوگوں کا ایک جھنڈ دوبارہ ابوطالب کے پاس آیا اور کہا آپ کا شرف اور آپ کی بزرگی ہم کو مسلم ہے لیکن ہم اپنے معبودوں کی مذمت اور آباؤ اجداد کی تجہیل و تحمیق پر کسی طرح صبر نہیں کر سکتے۔ آپ یا تو اپنے بھتیجے کو منع کر دیں ورنہ لڑ کر ہم سے ایک نہ ایک فریق ہلاک ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔ ابوطالب پر خاندان اور پوری قوم کی مخالفت اور عداوت کا ایک اثر پڑا۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو یہ کہا کہ اے جان عم تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور یہ کہہ کر گئے ہیں۔ لہٰذا تم مجھ پر بھی رحم کرو اور اپنے پر بھی رحم کھاؤ اور مجھ پر ناقابل تحمل بار نہ ڈالو۔ ابوطالب کی اس گفتگو سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید ابوطالب میری نصرت و حمایت سے کنارہ کش ہو جانا چاہتے ہیں تو آپ نے اس وقت چشم پرنم اور دل پرغم سے یہ فرمایا اے چچا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب بھی لا کر رکھ دیں اور یہ کہیں کہ اس کام کو چھوڑ دو تو میں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ میرے دین کو غالب کرے یا میں ہلاک ہو جاؤں اور یہ کہہ کر رو پڑے اور اُٹھ کر جانے لگے۔ ابوطالب نے آواز دی اور یہ کہا اے جان عم تم جو چاہو کرو میں تمہیں کبھی دشمنوں کے حوالے نہ کروں گا۔[۱]

---

[۱] البدایۃ والنہایۃ۔ ج:۳، ص:۴۷

نکتہ: ظاہر نظر میں آفتاب و ماہتاب سے زائد کوئی شے روشن اور منور نہیں۔ لیکن اربابِ بصیرت کے نزدیک وہ نور مبین جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر دنیا میں آئے وہ آفتاب اور ماہتاب سے کہیں زائد روشن اور منور ہے۔ مشرکین اس نور مبین کو بجھانا چاہتے تھے۔ کما قال تعالیٰ۔

يُرِيدُونَ اَنْ يُّطْفِؤُا نُورَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ[1]	یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو بغیر کمال تک پہنچائے ہرگز نہیں مانے گا اگرچہ کافر اس کو پسند نہ کریں۔

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آفتاب اور ماہتاب کا ذکر فرمایا اور یہ بتلا دیا کہ جس نور مبین کو میں لے کر آیا ہوں اس کے سامنے آفتاب اور ماہتاب کی بھی کوئی حقیقت نہیں آفتاب اور ماہتاب کو اس نور مبین کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو ذرہ کو آفتاب کے ساتھ ہے۔ لہٰذا تم احمقوں کے کہنے سے میں نور اعلیٰ کو چھوڑ کر نور ادنیٰ کو کیسے اختیار کر سکتا ہوں۔ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ اور جس طرح دایاں ہاتھ بہ نسبت بائیں ہاتھ کے زیادہ اشرف اور افضل ہے اسی طرح آفتاب بھی ماہتاب سے کہیں اعلیٰ اور برتر ہے اس لیے نبی کریم افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے آفتاب کا دائیں ہاتھ میں اور ماہتاب کا بائیں ہاتھ میں رکھنا بیان فرمایا۔[2]

فائدہ جلیلہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علی الاعلان کفر و شرک کی ممانعت اور بتوں اور بت پرستوں کی مذمت اور اعداء اللہ کی باوجود شدید عداوت اور مخالفت کے آپ کی اور آپ کے صحابۂ کرام کی

---

[1] توبہ، آیۃ: ۳۲۔ [2] خص الشمس بالیمین لانہا الآیۃ المبصرۃ وخص القمر بالشمال لانہا الآیۃ المحوۃ وقد قال عمر رحمہ اللہ تعالیٰ لرجل قال لہ انی رأیت فی المنام کان الشمس والقمر یقتتلان ومع کل واحد منہما نجوم فقال عمر مع ایہما کنت فقال مع القمر قال کنت مع الآیۃ المحوۃ اذہب فلا تعمل لی عملا وکان عاملا لہ فعزلہ فقتل الرجل فی صفین مع معاویۃؓ واسمہ عابس بن سعد ۱۲۔ روض الانف ص ۱۷۷ ج ۱

استقامت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام کے لیے فقط تصدیق قلبی یا لسانی کافی نہیں بلکہ کفر اور کافری اور خصائص شرک اور لوازم سے تبری اور بیزاری بھی لازمی اور ضروری ہے۔

ع: تولا بے تبرا نیست ممکن۔ اس جگہ صادق آتا ہے۔ وقد قال تعالیٰ

قَدۡ كَانَتۡ لَكُمۡ أُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ فِيٓ إِبۡرَٰهِيمَ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ إِذۡ قَالُواْ لِقَوۡمِهِمۡ إِنَّا بُرَءَٰٓؤُاْ مِنكُمۡ وَمِمَّا تَعۡبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ كَفَرۡنَا بِكُمۡ وَبَدَا بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمُ ٱلۡعَدَٰوَةُ وَٱلۡبَغۡضَآءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤۡمِنُواْ بِٱللَّهِ وَحۡدَهُۥٓ[1]

تحقیق تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں ایک عمدہ نمونہ ہے۔ تمہیں لازم ہے کہ اس نمونہ کا اتباع کرو۔ جس وقت ان لوگوں نے اپنی قوم سے یہ صاف صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے سوائے خدا کے تمہارے معبودوں سے بری اور بیزار ہیں ہم اللہ کے مؤمن اور تمہارے کافر اور منکر ہیں اور ظاہراً بھی ہمارے تمہارے درمیان میں کھلی عداوت اور نفرت ہے جب تک کہ تم ایک خدا پر ایمان نہ لاؤ۔

وقال تعالیٰ:

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُۥٓ أَنَّهُۥ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنۡهُ[2]

جب حضرت ابراہیمؑ پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ (آذر) اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بری اور بیزار ہوگئے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح اہل ایمان کے لیے حق جل وعلا اور اس کے رسول مصطفےٰ اور نبی مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اطاعت کا اعلان ضروری ہے اسی طرح خدا کے دشمنوں سے بغض اور عداوت کا اعلان بھی ضروری ہے جیسا کہ آپ نے ۹ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خاص اس لیے روانہ فرمایا کہ موسم حج میں براءت کا اعلان فرمائیں جس کے لیے سورۂ براءت کی آیتیں نازہ ہوئیں تھیں اور حدیث میں ہے مَن احبّ لِلّٰہ و ابغضَ لِلّٰہ فقد اِستکمل الایمان جس نے اللہ کے لیے محبت کی

[1] الممتحنۃ آیۃ: ۵ [2] توبہ، آیۃ: ۱۱۴۔

اور اللہ کے لیے بغض رکھا اُس نے ایمان کو مکمل کرلیا۔ اللہ کی محبت اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتی ہے جب تک اللہ کے دشمنوں سے بغض اور عداوت کامل نہ ہو۔ قلب میں جس قدر خدا کے دشمنوں کے لیے گنجائش ہے اسی قدر قلب اللہ کی محبت سے خالی ہے۔ مَـا جَعَـلَ اللّٰـهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ اللہ نے کسی کے لیے دو دل نہیں بنائے لہٰذا ایک قلب میں دو متضاد چیزیں کیسے سما سکتی ہیں مؤمن کامل تو وہی ہے کہ ایک خدا کی رضا اور خوشنودی کے مقابلہ میں سارے عالم کی ناراضی کی ذرہ برابر پرواہ نہ رکھتا ہو۔ ع

اَسْخطتُ کلّ الناس فی اِرْضائہٖ

حضرت انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوٰت اللہ کی یہ سنت ہے کہ جس طرح وہ خداوند ذوالملک والملکوت کے ایمان وتصدیق کی دعوت دیتے ہیں اسی طرح کفر اور شرک اور طاغوت کی تکذیب اور انکار کا بھی حکم دیتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ۔[1]	یہ لوگ شیطان کے پاس اپنے مقدمات لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا کفر کریں یعنی اس کا حکم نہ مانیں۔

تفصیل اگر درکار ہے تو امام ربّانی شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات ص ۳۲۵ دفتر اوّل مکتوب ۲۶۶ کی مراجعت فرمائیں۔

قریش نے جب یہ دیکھا کہ ابوطالب آپ کی امداد اور حمایت پر تلے ہوئے ہیں تو پھر تیسری بار مشورہ کر کے ابوطالب کے پاس آئے اور یہ کہا کہ ابوطالب یہ عمارۃ بن الولید قریش کا نہایت حسین وجمیل اور خوب صورت ہوشیار اور سمجھدار نوجوان ہے آپ اس کو لے لیں اور پھر اپنے بھتیجے کو جس نے ہماری تمام قوم میں تفریق ڈال دی ہے اس کو

[1] نساء آیۃ: ۶۰

ہمارے حوالے کریں تا کہ ہم ان کو قتل کر کے قوم کو اس مصیبت سے نجات دلائیں ابو طالب نے کہا واہ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ اپنے پالے ہوئے بیٹے کو قتل کے لیے تمہارے حوالے کردوں اور تمہارے بیٹے کو لے کر پالوں اور پرورش کروں۔ خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ مطعم بن عدی نے کہا اے ابو طالب خدا کی قسم آپ کی قوم نے ایک عادلانہ اور منصفانہ رائے اور اس مصیبت سے رہائی کی بہترین صورت آپ کے سامنے پیش کی تھی مگر آپ نے اس کو قبول نہیں کیا۔ ابو طالب نے کہا خدا کی قسم میری قوم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا تم سے جو ہوسکتا ہے وہ کر گزرو، قریش جب ابو طالب سے بالکل ناامید ہوگئے تو کھلم کھلا مخالفت پر آمادہ ہوگئے اور جس قبیلہ میں کوئی بے کس اور بے سہارا مسلمان تھا اُس کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے۔ ابوطالب نے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو رسول اللہ ﷺ کی نصرت وحمایت کی دعوت دی۔ ابو طالب کی اس آواز پر تمام بنی ہاشم اور بنی المطلب نے لبیک کہا۔ بنی ہاشم میں سے ابولہب آپ کے دشمنوں کا شریک حال ہوا (عیون الاثر) ربیعۃ بن عباد[1] کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو بازار عکاظ اور بازار ذی المجاز میں دیکھا لوگوں سے یہ فرماتے تھے۔

یا ایھا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا۔	اے لوگو لا الہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے۔

اور ایک بھینگا شخص آپ کے پیچھے پیچھے یہ کہتا پھرتا ہے کہ یہ شخص صابی (بے دین) اور جھوٹا ہے۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا یہ کون شخص ہے معلوم ہوا کہ یہ آپ کا چچا ابولہب ہے یہ حدیث مسند احمد اور معجم طبرانی میں مذکور ہے۔ (اصابہ۔ ترجمہ ربیعۃ بن عباد) اور حافظ ابن سید الناسؒ نے بھی اپنی سند سے اس حدیث کو ذکر فرمایا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ آپ لوگوں سے یہ فرماتے تھے[2]

---

[1] عباد بکسر المہملۃ وتخفیف الموحدۃ الدیلی ویقال فی بیہ بالفتح والتثقیل والاول الصواب قالہ ابن معین وغیرہ ۱۲۔ اصابہ

[2] الاصابہ ج:۲، ص:۵۰۹

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَعْبُدُوْهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئاً۔	اے لوگو تحقیق اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

اور ابولہب آپ کے پیچھے پیچھے یہ کہتا پھرتا ہے۔

یا ایھا الناس ان ھذا یامرکم ان تترکوا دین اٰباءکم (عیون الاثر ص ۱۰۱)	اے لوگو یہ شخص تم کو حکم دیتا ہے کہ اپنے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ دو۔

برگزیدۂ انام علیہ افضل الصلوٰۃ والسّلام تو اسلام اور دارالسلام کی طرف بلاتے تھے اور ابولہب نارٌ ذات لہب (دہکتی ہوئی آگ) کی طرف بلاتا تھا۔

اشاعت اسلام روکنے کے لیے قریش کا مشورہ

قریش نے جب یہ دیکھا کہ روز بروز سلام کی رفتار بڑھ رہی ہے تو ایک روز ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے جوان میں معمر اور سن رسیدہ تھا اور یہ کہا کہ موسم حج کا قریب آ گیا ہے اور آپ کا ذکر اور چرچا سب جگہ پھیل چکا ہے اب اطراف واکناف سے آنے والے تمہارے اس صاحب (محمد رسول اللہ ﷺ) کے متعلق تم سے دریافت کریں گے لہٰذا مل کر آپ کے متعلق یہ رائے قائم کر لینی چاہیے اور سب کے سب متفق الرائے ہو جائیں اختلاف نہ رہنا چاہئے ورنہ خود ہم میں ہی بعض بعض کی تکذیب اور تردید کرے گا اور یہ اچھا نہ ہوگا اے ابوعبدشمس (ولید کی کنیت) آپ ہمارے لیے کوئی رائے قائم کر دیجیے ہم سب اس پر کاربند رہیں گے۔ ولید نے کہا تم لوگ کہو میں سنوں گا اور اس کے بعد کوئی رائے قائم کروں گا۔ لوگوں نے کہا معاذ اللہ آپ کاہن ہیں ولید نے کہا غلط کہتے ہو۔ خدا کی قسم آپ کاہن نہیں میں نے کاہنوں کو خوب دیکھا ہے نہ آپ میں کاہنوں کی کوئی علامت ہے اور نہ آپ کا کلام کاہنوں کے (زمزمہ) گنگناہٹ اور آواز سے لگہ کھاتا

ہے۔لوگوں نے کہا آپ مجنون ہیں ولید نے کہا آپ مجنون بھی نہیں ہیں جنون اور دیوانگی کی حقیقت سے بھی واقف ہوں آپ میں کوئی علامت جنون کی نہیں پاتا۔لوگوں نے کہا آپ شاعر ہیں۔ ولید نے کہا میں خود شاعر ہوں شعر اور اس کے تمام انواع واقسام مثلاً رجز اور ہزج، مقبوض اور مبسوط وغیرہ سے بخوبی واقف ہوں آپ کے کلام کو شعر سے کوئی نسبت نہیں۔لوگوں نے کہا آپ ساحر (جادوگر) ہیں ولید نے کہا آپ ساحر بھی نہیں نہ ساحروں کا سا پھونکنا اور دم کرنا ہے۔اور نہ ساحروں جیسا گرہ لگانا ہے۔لوگوں نے کہا اے ابوعبدشمس آخر پھر کیا ہے۔ ولید نے کہا واللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام میں ایک عجیب حلاوت اور شیرینی ہے اور اس پر عجیب قسم کی رونق ہے اور اس قول کی جڑ نہایت تروتازہ اور اس کی شاخیں ثمردار ہیں (یعنی یہ اسلام بمنزلۂ شجرۂ طیبہ کے ہے کہ جڑیں اس کی محکم اور مضبوط اور زمین میں راسخ ہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچتی ہیں فواکہ اور ثمرات سے لدا ہوا ہے) اور جو کچھ تم نے کہا ہے میں خوب جانتا ہوں کہ وہ سب باطل اور لغو ہے میرے خیال میں سب سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ کہو کہ یہ شخص ساحر ہے اور اس کا کلام بھی سحر ہے جو میاں بیوی اور باپ بیٹے، بھائی بھائی اور قبیلہ اور کنبہ میں تفریق ڈالتا ہے جو خاصہ سحر کا ہے۔ مجلس برخواست ہوگئی جب حج کا موسم آیا اور باہر سے لوگ آنے شروع ہوئے۔تو قریش نے آدمی راستوں اور گزرگاہوں پر بٹھلا دیئے جو شخص ادھر سے گذرتا اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہتے کہ یہ ساحر ہے اس سے بچتے رہنا مگر قریش کی اس تدبیر سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ اطراف واکناف سے آنیوالے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بخوبی واقف ہوگئے[2] علامہ زرقانی فرماتے ہیں اس حدیث کو ابن اسحٰق اور حاکم اور بیہقی نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے[3] حق تعالیٰ شانہ نے اسی ولید بن مغیرہ کے بارہ میں سورۂ مدثر کی یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

---

[1] اور مستدرک کی روایت میں اس قدر اور زائد ہے وانه لَيَعلُو و ما يُعلى وانه ليحطم ما تحته یعنی یہ کلام بلند اور غالب ہو کر رہیگا مغلوب نہ ہوگا اور یہ سب کو کچل کر رکھ دے گا۔۱۲ مستدرک ص ۵۰۷ ج ۲

[2] عیون الاثر ج:۱ ص:۱۰۱۔ [3] البدایۃ والنہایۃ۔ج:۳۔ص:۶۱

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ○ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ○ وَّ بَنِیْنَ شُهُوْدًا ○ وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ○ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ○ كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ○ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ○ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ○ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ○ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ○ ثُمَّ نَظَرَ ○ ثُمَّ عَبَسَ ○ وَ بَسَرَ ○ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ○ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ○ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ○ سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ الیٰ آخر الآیات [۱]

آپ چھوڑ دیجیے مجھ کو اور اس شخص کو جس کو میں نے تنہا پیدا کیا یعنی خود اس سے نمٹ لوں گا آپ فکر نہ کریں اور میں نے ہی اس کو مال فراواں دیا اور ایسے بیٹے دیئے کہ جو مجلس میں حاضر ہوں اور دنیاوی عزت اور سرداری کے سامان اس کے لئے مہیا کیے پھر طمع رکھتا ہے کہ اور زیادہ دوں ہرگز نہیں وہ اس قابل نہیں وہ ہماری آیتوں کا معاند اور مخالف ہے میں ضرور اس کو دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا اور پھر اوپر سے نیچے گراؤں گا۔ اس نے کچھ فکر کیا اور دل میں کچھ اندازہ ٹھہرایا۔ پس مارا ہو اس پر اللہ کی۔ کیا اندازہ کیا پھر مار ہو کیسا اندازہ ٹھہرایا پھر ادھر ادھر دیکھا اور تیوری چڑھائی اور منہ بنایا اور پھر پشت پھیری اور غرور کیا اور پھر بولا یہ قرآن کچھ نہیں مگر ایک جادو ہے جو چلا آتا ہے۔ نہیں ہے یہ قرآن مگر ایک آدمی کا کلام اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کو ضرور آگ میں ڈالوں گا۔ الیٰ آخر الآیات

ایک مرسل روایت میں ہے کہ آپ نے اس پر یہ آیتیں پڑھیں۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ [۲] جو مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی جامع ہے [۳]

---

۱ البدایۃ، مدثر، آیۃ: ۱۱ ۲ النحل، آیۃ: ۹۰ ۳ البدایۃ والنہایۃ ج: ۳، ص: ۶۱

اسلام حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[۱]

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوہ صفا کی طرف سے گذر رہے تھے۔ اتفاق سے ابوجہل بھی اسی طرف سے آنکلا۔ آپ کو دیکھ کر بہت کچھ سخت وسست کہا مگر آپ نے ابوجہل کے ناشائستہ کلمات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ''جوابِ جاہلاں باشد خموشی'' اور تشریف لے گئے۔ عبداللہ بن جُدعان کی باندی یہ تمام واقعہ دیکھ رہی تھی۔ اتنے ہی میں حضرت حمزہ شکار سے اپنا تیر کمان لئے ہوئے واپس آئے عبداللہ بن جدعان کی باندی نے حضرت حمزہ کو دیکھ کر کہا اے ابوعمارہ کاش تم اس وقت موجود ہوتے جب ابوجہل تمہارے بھتیجے کو نہایت سخت اور سست اور نازیبا کلمات کہہ رہا تھا۔

سنتے ہی حضرت حمزہ کی حمیت اور غیرت جوش میں آگئی وہیں سے ابوجہل کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ حضرت حمزہ کا یہ معمول تھا کہ جب شکار سے واپس آتے تو سب سے پہلے حرم میں حاضر ہوتے اسی معمول کے مطابق حرم میں پہنچے دیکھتے کیا ہیں کہ ابوجہل قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا ہے۔ پہنچتے ہی اس کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ سر زخمی ہوگیا اور کہا تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے میں خود ان کے دین پر ہوں بعض حاضرین مجلس نے چاہا کہ ابوجہل کی حمایت کیلئے کھڑے ہوں لیکن ابوجہل نے خود ہی سب کو روک دیا اور کہا آج میں نے ان کے بھتیجے کو بہت سخت سُست کہا ہے۔ حمزہ کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ بعض حاضرین مجلس نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہو کر یہ کہا اے حمزہ کیا تم صابی (بے دین) ہوگئے ہو۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقانیت اور صداقت خوب منکشف ہوگئی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو آپ فرماتے ہیں وہ سراسر حق ہے میں کبھی اس سے باز نہیں آؤں گا۔ تم سے جو ہوسکتا ہے کرلو حضرت حمزہ یہ کہہ کر گھر واپس آئے۔ شیطان نے

---

[۱] ابن جوزی فرماتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ۶ نبوی میں اسلام لائے اور یہی مشہور قول ہے حافظ ابن حجر اصابہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت حمزہ ۲ نبوی میں اسلام لائے۔ ۱۲ زرقانی ص ۲۵۶ ج ۱

وسوسہ ڈالا کہ اے حمزہ تم قریش کے سردار ہو تم نے اس صابی کا کیسے اتباع کیا اور اپنے آباؤ اجداد کا دین کیوں چھوڑ دیا اس سے مر جانا بہتر ہے جس سے حمزہ کچھ تردد اور اشتباہ میں پڑ گئے۔ حضرت حمزہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ جل شانہ سے دُعا مانگی۔

اللّٰھم ان کان رشد افاجعل تصدیقه فی قلبی والا فاجعل لی مما وقعت فیه مخرجا۔ (مستدرک ص۱۹۳ ج ۳)[۱]	اے اللہ اگر یہ ہدایت ہے تو اس کی تصدیق میرے قلب میں ڈال دے۔ ورنہ اس سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا فرما۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تمام شب اسی بے چینی اور اضطراب میں گذری ایک لمحہ کے لئے بھی آنکھ نہ لگی۔ جب کسی طرح یہ اضطراب اور بے چینی رفع نہ ہوئی تو حرم میں حاضر ہوا اور نہایت تضرع اور زاری سے دعا مانگی اے اللہ میرا سینہ حق کے لیے کھول دے اور اس شک اور تردد کو دور فرما۔ دعا ابھی ختم نہ کرنے پایا تھا کہ یک لخت تمام خیالات باطلہ میرے قلب سے صاف ہو گئے اور دل اذعان اور ایقان سے لبریز ہو گیا۔ صبح ہوتے ہی آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور تمام واقعہ عرض کیا۔ آپ نے میرے استقامت اور اسلام پر قائم اور ثابت رہنے کی دعا فرمائی[۱] مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت حمزہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ کہا۔

اَشهد انك لصَادق شهادةَ المُصدّق والعارف۔	میں گواہی دیتا ہوں کہ تحقیق آپ یقیناً سچے نبی ہیں تصدیق کرنیوالے اور پہچاننے والے کی سی گواہی دیتا ہوں۔

اے میرے بھتیجے آپ اپنے دین کو علی الاعلان ظاہر فرمائیے خدا کی قسم مجھ کو دنیا و مافیہا بھی ملے تب بھی آپ کا دین چھوڑ کر آبائی دین اختیار نہ کروں گا۔ اور یہ شعر پڑھے۔

[۱] روض الانف۔ ج:۱،ص:۱۸۶

حَمِدْتُ اللّٰهَ حِيْنَ هدىٰ فُؤَادِى   اِلَى الْاِسْلَامِ وَالدِّيْنِ الْحَنِيْفِ

اور میں نے خدا کی حمد و ثنا کی جب کہ اس نے میرے دل کو اسلام اور دین ابراہیمی کے قبول کرنے کی توفیق دی۔

لِدِيْنٍ جَآءَ مِنْ رَبٍّ عَزِيْزٍ   خَبِيْرٍ بِالْعِبَادِ بِهِمْ لَطِيْفٍ

اس دین کی توفیق دی جو ایسے پروردگار کی طرف سے آیا ہے جو کہ بندوں کے حال سے باخبر اور ان پر مہربان ہے۔

اِذَا تُلِيَتْ رَسَائِلُهُ عَلَيْنَا   تَحَدَّرَ دَمْعُ ذِى اللُّبِّ الْحَصِيْفِ

جب اس کے پیام ہم پر پڑھے جاتے ہیں تو کامل العقل انسان کے آنسو بہنے لگتے ہیں۔

رَسَآئِلُ جَاءَ اَحْمَدُ مَنْ هَدَاهَا   بِاٰيَاتٍ مُبَيِّنَةِ الْحُرُوْفِ

وہ خدا کے پیام جن کو احمد مجتبیٰ ﷺ لوگوں کی ہدایت کے لیے لیکر آئے ہیں جو صاف صاف اور واضح آیتیں ہیں۔

وَاَحْمَدُ مُصْطَفٰى فِيْنَا مُطَاعٌ   فَلَا تَغْشَوْهُ بِالْقَوْلِ الْعَنِيْفِ

اور احمد مجتبیٰ خدا کے برگزیدہ ہم میں واجب الاطاعت ہیں جو حق وہ لیکر آئے ہیں اس کو درشت کلامی سے نہ چھپاؤ۔

فَلَا وَاللّٰهِ نُسْلِمُهُ لِقَوْمٍ   وَلَمَّا نَقْضِ فِيْهِمْ بِالسُّيُوْفِ

خدا کی قسم جب تک ہم تلوار سے فیصلہ نہ کرلیں اس وقت تک محمد ﷺ کو ہرگز لوگوں کے حوالے نہ کریں گے۔

حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے قریش یہ سمجھ گئے کہ اب آپ کو ایذاء اور تکلیف دینا کوئی آسان نہیں۔

فائدہ: جس وقت عبداللہ بن جدعان کی باندی نے حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابوجہل کے سخت وسست کہنے کا واقعہ بیان کیا تو حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غیظ وغضب سے بھڑک اٹھے۔ سیرۃ

ابن ہشام اور مستدرک حاکم اور عیون الاثر میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غیظ و غضب ان الفاظ میں مروی ہے۔

فاحتمل الغضب لما اراد اللّٰہ بہ من کرامتہ.	حضرت حمزہ غصہ میں آ گئے اس لیے کہ اللہ نے ان کو کرامت اور شرف عطا کرنے کا ارادہ فرمایا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حق جل شانہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کے قلب میں اپنے دشمنوں کا غیظ وغضب ڈالتے ہیں۔ ایمان کی میزان (ترازو) جب ہی سواء سواء (برابر) رہتی ہے کہ جب اس کا دایاں پلہ حب فی اللہ سے اور بایاں پلہ بغض فی اللہ سے بھرا رہے کما قال النبی ﷺ من احب للّٰہ و ابغض للّٰہ فقد استکمل الایمان. یعنی جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے بغض رکھا اس نے ایمان مکمل کر لیا۔ اس ناچیز کے خیال میں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ میں تلازم ہے ایک کا دوسرے سے انفکاک اور انفصال ناممکن اور محال معلوم ہوتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ کبھی جب فی اللہ کا ظہور پہلے ہوتا ہے اور کبھی بغض فی اللہ کا نیز حبّ فی اللہ مقصود بالذات ہے اور بغض فی اللہ مقصود بالعرض ہے۔ اس لیے حبّ فی اللہ کا ترازوئے ایمان کے دائیں پلہ میں اور بغض فی اللہ کا بائیں پلہ میں رکھا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔

سردارانِ قریش کی طرف سے دعوتِ اسلام کو بند کر دینے کے لیے مال و دولت اور حکومت و ریاست کی طمع اور آپ ﷺ کا جواب باصواب

قریش نے جب یہ دیکھا کہ حضرت حمزہ بھی اسلام لے آئے اور دن بدن مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے تو ابوجہل اور عتبہ اور شیبہ اور ولید بن مغیرہ اور امیہ بن خلف اور اسود

بن المطلب اور دیگر رؤسائے قریش نے مشورہ کر کے آپ سے گفتگو کرنے کے لیے عتبہ بن ربیعۃ کو منتخب کیا جو سحر اور کہانت اور شعر گوئی میں اپنے زمانہ کا یکتا تھا۔

عتبہ آپ کے پاس آیا اور کہا اے محمدؐ آپ کے حسیب ونسیب لائق وفائق ہونے میں کوئی تردد نہیں مگر افسوس کہ آپ نے تمام قوم میں تفریق ڈال دی۔ ہمارے بتوں کو بُرا کہتے ہیں آباؤ اجداد کو احمق اور نادان بتلاتے ہیں اس لیے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اے ابوالولید کہو میں سنتا ہوں۔

عتبہ نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے تمہارا ان باتوں سے کیا مقصد ہے۔ اگر تم مال ودولت کے خواہاں ہو تو ہم سب تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیں کہ بڑے سے بڑا امیر بھی تمہاری ہمسری نہ کر سکے گا اور اگر تم شادی کرنا چاہتے ہو تو جس عورت سے اور جتنی عورتوں سے چاہو ہم شادی کرا دیں اور اگر عزت اور سرداری مطلوب ہے تو ہم سب آپ کو اپنا سردار بنالیں اور اگر حکومت اور ریاست چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ بنالیں اور اگر تم کو آسیب ہے تو ہم علاج کرائیں۔

آپ نے فرمایا اے ابوالولید کیا تم کو جو کہنا تھا وہ کہہ چکے۔ عتبہ نے کہا۔ ہاں آپ نے فرمایا اچھا اب جو میں کہتا ہوں وہ سنو مجھ کو نہ تمہارا مال ودولت درکار ہے اور نہ تمہاری حکومت اور سرداری مطلوب ہے، میں تو اللہ کا رسول ہوں اللہ نے مجھ کو تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر ایک کتاب اتاری اور مجھ کو یہ حکم دیا کہ میں تم کو اللہ کے ثواب کی بشارت سناؤں اور اس کے عذاب سے ڈراؤں میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور بطور نصیحت وخیر خواہی اس سے تمہیں آگاہ کر دیا اگر تم اس کو قبول کرو تو تمہارے لیے سعادت دارین اور فلاح کونین کا باعث ہے اور اگر نہ مانو تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان میں فیصلہ فرمائے اور یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
حٰمٓ تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ○ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُہُمۡ فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ○ وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ وَفِیۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّ مِنۡۢ بَیۡنِنَا وَبَیۡنِکَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ○ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاسۡتَقِیۡمُوۡۤا اِلَیۡہِ وَاسۡتَغۡفِرُوۡہُ وَوَیۡلٌ لِّلۡمُشۡرِکِیۡنَ ○ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ ○ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ○ قُلۡ اَئِنَّکُمۡ لَتَکۡفُرُوۡنَ بِالَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ وَ تَجۡعَلُوۡنَ لَہٗۤ اَنۡدَادًا ذٰلِکَ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○ وَجَعَلَ فِیۡہَا رَوَاسِیَ مِنۡ فَوۡقِہَا وَبٰرَکَ فِیۡہَا وَقَدَّرَ فِیۡہَاۤ اَقۡوَاتَہَا فِیۡۤ اَرۡبَعَۃِ اَیَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَہِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَہَا وَلِلۡاَرۡضِ ائۡتِیَا طَوۡعًا اَوۡ کَرۡہًا قَالَتَاۤ اَتَیۡنَا طَآئِعِیۡنَ ○ فَقَضٰہُنَّ سَبۡعَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ کلام ہے جو رحمان اور رحیم کی طرف سے نازل کیا گیا۔ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف اور واضح ہیں۔ ایسا قرآن ہے جو عربی زبان میں اتارا گیا ہے ان لوگوں کے لئے ناصح ہے جو سمجھدار ہیں بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے حق تو یہ تھا کہ اس پر ایمان لاتے مگر اکثر لوگوں نے اس درجہ اعراض کیا کہ سنتے ہی نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں۔ اس چیز سے کہ جس کی طرف آپ ہم کو دعوت دیتے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے آپ کے درمیان ایک بڑا حجاب حائل ہے جس کی وجہ سے آپ کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ پس آپ اپنا کام کیجئے اور ہم اپنا کام کرتے ہیں آپ ان کو جواب میں کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا فقط حق کی دعوت پر اکتفاء کرتا ہوں۔ جز ایں نیست کہ میں تم جیسا بشر ہوں لیکن حق تعالیٰ نے مجھ کو نبوت اور رسالت سے سرفراز فرمایا ہے مجھ پر اللہ کی وحی آتی ہے کہ تم کو یہ بتلا دوں کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے پس سیدھے اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور غیر اللہ کی پرستش سے توبہ اور استغفار کرو اور بڑی خرابی ہے شرک کرنے والوں کے لیے کہ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں۔ تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف نہیں ہوگا۔ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ کیا تم اُس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے تمام زمین کو دو دن میں بنایا اور اس کے لیے شریک تجویز کرتے ہو۔ یہی زمین کا بنانے والا تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور اسی

سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ حِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۝[۱]

نے زمین پر پہاڑ بنائے اسی نے زمین میں برکتیں رکھیں یعنی نباتات وحیوانات پیدا کیے اور اسی میں ان کی غذائیں مقرر کیں۔ یہ سب چار دن میں ہوا۔ پوچھنے والوں کے لیے حقیقت حال کو بتلا دیا گیا پھر یہ سب کچھ پیدا کر کے آسمان کے بنانے کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اس وقت آسمان ایک دھواں سا تھا۔ اس کو موجودہ صورت پر بنایا اور پھر آسمان اور زمین سب سے یہ فرمایا کہ میری حکم کی طرف آؤ خوشی سے یا خوشی سے دونوں نے عرض کیا کہ ہم نہایت خوشی سے تعمیل حکم کے لئے حاضر ہیں پس دو روز میں اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے اور ہر آسمان میں اس کے احکام بھیجے اور آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کیا اور استراق شیاطین سے ان کو محفوظ کیا۔ یہ ہے تدبیر خدائے غالب اور دانا کی پس اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کہہ دیجیے کہ میں تم کو ایسے آسمانی عذاب سے ڈراتا ہوں جیسے قوم عاد اور ثمود پر میں نے نازل کیا تھا۔

آپ تلاوت فرماتے رہے اور عتبہ دونوں ہاتھ پیچھے کی جانب زمین پر ٹیکے ہوئے مبہوت سنتا رہا لیکن آپ جب اس آخری آیت فان اعرضوا الآیۃ پر پہنچے تو عتبہ نے اپنا ہاتھ آپ کے منہ پر رکھ دیا آپ کو قسم دے کر کہا اللہ آپ ہم پر رحم فرمائیں عتبہ کو ڈر ہوا کہ کہیں قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح اسی وقت مجھ پر کوئی عذاب نازل نہ ہو جائے۔ اس کے بعد آپ نے پھر سجدہ تک آیتیں تلاوت فرمائیں اور سجدہ تلاوت فرمایا جب تلاوت ختم فرما چکے تو عتبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے ابوالولید جو کچھ سُننا تھا وہ تم سُن چکے اب تم کو اختیار ہے۔ عتبہ آپ سے رخصت ہو کر اپنے رفقاء کے پاس آیا لیکن عتبہ وہ عتبہ ہی نہ تھا۔ چنانچہ ابوجہل بول اٹھا کہ عتبہ وہ عتبہ نظر نہیں آتا۔ عتبہ تو صابی ہو گیا۔ عتبہ نے کہا میں نے ان کا کلام سُنا۔ واللہ میں نے کبھی ایسا نہیں سُنا نہ وہ شعر ہے نہ وہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے۔ وہ تو کوئی اور ہی چیز ہے۔ اے قوم اگر تم میرا کہنا مانو تو محمد کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ خدا کی قسم

---

[۱] حٰم السجدۃ، آیۃ: ۱۔۱۳

جو کلام میں ان سے سُن کر آیا ہوں عنقریب اس کی ایک شان ہوگی۔ اگر عرب نے ان کو ہلاک کر دیا تو پھر تمہیں کسی فکر کی ضرورت ہی نہیں اور اگر محمد عرب پر غالب آئے تو ان کی عزت تمہاری عزت ہے اور ان کی حکومت تمہاری حکومت ہے اس لیے کہ وہ تمہاری ہی قوم کے ہیں۔ قریش نے کہا اے ابوالولید! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم پر سحر کر دیا ہے عتبہ نے کہا میری رائے تو یہی ہے تم جو چاہو کرو[۱]

نزول قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ

ابن عباس سے مروی ہے کہ قریش نے آپ سے یہ درخواست کی کہ یا تو آپ ہمارے بتوں کی مذمت سے باز آجائیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ہمارے اور آپ کے درمیان فیصلہ کی ایک یہ صورت ہے کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی پرستش کیجیے اور ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت اور بندگی کریں گے معجم طبرانی میں ہے کہ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ۔[۲]

آپ کہہ دیجیے اے منکرو نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔

ابن جریر طبری کی روایت میں ہے کہ سورۂ کافرون کے علاوہ یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

---

[۱] عیون الاثر ج:۱ص:۱۰۵، زرقانی شرح مواہب ج۱ص:۲۵۷ الخصائص الکبریٰ ج:۱ص:۱۱۴ [۲] سورۂ الکافرون

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّىْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجَاهِلُوْنَ وَ لَقَدْ اُوْحِىَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشَّاكِرِيْنَ [1]

آپ ان سے کہہ دیجیے اے جاہلو کیا تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کا مشورہ دیتے ہو اور البتہ تحقیق آپ کی طرف اور تمام گزشتہ پیغمبروں کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اے مخاطب اگر تو شرک کریگا تو تیرے تمام اعمال غارت اور برباد ہو جائیں گے اور تو خسارہ میں پڑ جائے گا اے مخاطب کبھی شرک نہ کرنا بلکہ ہمیشہ اللہ ہی کی عبادت کرنا اور اللہ کے شکر گزار بندوں میں سے رہنا۔

مشرکین مکہ کے چند مہمل اور بیہودہ سوالات

اس کے بعد قریش نے آپ سے یہ کہا خیر اگر آپ کو یہ منظور نہیں تو ہم ایک اور شے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں اس کو منظور کیجیے وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی قوم نہایت تنگ دست ہے اور یہ شہر مکہ بھی بہت تنگ ہے ہر طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں سبزی اور شادابی کا کہیں نام نہیں لہٰذا آپ اپنے رب سے جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے آپ یہ درخواست کیجیے کہ اس شہر کے پہاڑوں [2] کو یہاں سے ہٹا دے تاکہ شہر میں وسعت ہو اور شام و عراق کی طرح اس شہر میں نہریں جاری کر دے اور ہمارے آباؤ اجداد اور خصوصاً قصی [3] بن کلاب کو زندہ فرمائے تاکہ ہم ان سے تمہاری بابت دریافت کر لیں

---

[1] الزمر آیۃ ۶۴-۶۶ [2] کما قال تعالیٰ ولوان قرانا سیرت به الجبال اوقطعت به الارض او کلم به الموتیٰ بل لله الامر جمیعا افلم یائس الذین آمنوا ان لویشاء الله لهدی الناس جمیعا ۱۲۔
[3] البدایۃ والنہایہ ص ۵۱ ج ۴ میں ہے کہ آپ سے قصی بن کلاب کے زندہ کرنے کے جب درخواست کی تو اس کی یہ علت بیان کی فانه کان شیخا صدوقا یعنی قصی بزرگ اور سچے تھے۔ وقال تعالیٰ وقالوا مال ہذا الرسول یا کل الطعام ویمشی فی الاسواق لولا انزل الیه ملك فیکون معه نذیرا او یلقیٰ الیه کنز اوتکون له جنة یأکل منها وقال الظالمون ان تبعون الا رجلا مسحورا۔ انظر کیف ضربوا لك الامثال فضلوا فلا یستطیعون سبیلا تبارك الذی انشاء جعل لك خیرا من ذالك جنات تجری من تحتها الانہار ویجعل لك قصوراً۔ یہ آیتیں اسی واقعہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔

کہ جو تم کہتے ہو وہ حق ہے یا باطل اگر ہمارے آباؤاجداد نے زندہ ہونے کے بعد تمہاری تصدیق کی تو ہم سمجھ لیں گے کہ تم اللہ کے رسول ہو اور ہم بھی تمہاری تصدیق کریں گے۔ آپ نے فرمایا میں اس لیے نہیں بھیجا گیا۔ خدا نے جو پیام دے کر بھیجا تھا وہ تم تک پہنچا دیا۔ اگر تم اس کو قبول کرو تو تمہاری خوش نصیبی ہے اور اگر تم نہ مانو تو میں صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے قریش نے کہا اچھا اگر آپ ہمارے لئے ایسا نہیں کر سکتے تو آپ خدا سے اپنے ہی لیے دُعا کیجیے کہ اللہ آسمان سے ایک فرشتہ نازل فرمائے اور آپ کی تصدیق کے لیے ہر جگہ آپ کے ساتھ رہے نیز اللہ تعالیٰ سے درخواست کیجیے کہ وہ آپ کو باغات اور محلات اور سونے چاندی کے خزانے عطا فرمائے جس سے آپ کا شرف اور آپ کی بزرگی معلوم ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری طرح آپ بھی طلب معاش کے لئے بازاروں میں جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں خداوند ذوالجلال سے کبھی اس قسم کا سوال نہ کروں گا۔ میں اس لیے نہیں بھیجا گیا۔ میں تو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا ہوں تم اگر مانو تو تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی سعادت بہبودی ہے اور اگر نہ مانو تو میں صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے۔ قریش نے کہا کہ اچھا تم اللہ سے دعا مانگو کہ ہم پر کوئی عذاب نازل فرمائے۔ آپ نے فرمایا اللہ کو اختیار ہے کہ تم پر عذاب نازل فرمائے یا مہلت دے اور اس پر عبداللہ بن ابی امیہ[1] کھڑا ہو گیا اور کہا اے محمدؐ آپ کی قوم نے اتنی باتیں آپ کے سامنے پیش کیں مگر آپ نے ایک بات کو بھی منظور نہ کیا اے محمدؐ خدا کی قسم اگر تم سیڑھی لگا کر آسمان پر بھی چڑھ جاؤ اور وہاں سے تم اپنی نبوت و رسالت کا پروانہ لکھا لاؤ اور چار فرشتے بھی

---

[1] عبداللہ بن ابی امیہ آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ام المؤمنین ام سلمہ کے بھائی ہیں۔ فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے ام المؤمنین کی شفاعت سے آپ نے قصور معاف فرمایا۔ یہ آیتیں آپ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ وقالوا لن نؤمن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا اوتكون لك جنة من نخيل و عنب فتفجر الانهار خلالها تفجيرا او تسقط السماء كماز عمت علينا كسفا اوتاتى بالله والملائكه قبيلا اويكون لك بيت من زخرف او ترقى فى السماء ولن نؤمن لرقيك حتى تنزل علينا كتا باتقرؤهٗ قل سبحان ربى هل كنت الابشرار سولا ۱۲ اصابہ ص ۳۷ ج ۲

تمہارے ہمراہ آئیں اور تمہاری نبوت کی علی الاعلان شہادت دیں تو میں تب بھی تمہاری تصدیق نہ کروں گا۔ آں حضرت ﷺ مایوس ہو کر گھر تشریف لے آئے۔[1]

تحقیق انیق

حق جل وعلا نے جب کسی کو نبوت و رسالت کا منصب عطا فرمایا تو اس کے ساتھ ساتھ رسالت کیلئے براہین و دلائل اور آیات و علامات بھی عطا فرمائے کہ اگر کوئی شخص اپنے قلب کو زیغ و عناد سے پاک کر کے ان میں غور و فکر کرے تو اس کی نبوت و رسالت میں کسی قسم کا شک باقی نہ رہے مگر ایسے براہین اور دلائل نہیں عطا کیے جاتے کہ جن کو دیکھتے ہی اضطراری طور پر حضرات انبیاء کی صدق اور سچائی کا یقین ہو جائے اس لیے کہ مقصود تو ابتلاء اور امتحان ہے اور امتحان اکتسابی میں ہے یعنی جو ایمان آیات نبوت و علامت رسالت میں غور و فکر کرنے کے بعد لایا جائے اسی ایمان و ایقان اور اسی تصدیق و اذعان پر جزاء اور سزا کا مدار ہے جو ایمان اور تصدیق اپنے اختیار اور ارادہ سے ہو شریعت میں اسی کا اعتبار ہے اور جو تصدیق اضطراری اور بدیہی طور پر حاصل ہو نہ وہ شریعت میں معتبر ہے اور نہ عند اللہ وہ مطلوب ہے۔ محض حضرات انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوٰت اللہ کے اعتماد اور بھروسہ پر فرشتوں کو حق جاننا یہ ایمان اختیاری اور تصدیق ارادی ہے اور مرتے وقت فرشتوں کو دیکھ کر فرشتوں کو حق جاننا یہ اضطراری اور غیر اختیاری ایمان و تصدیق ہے جو شریعت میں معتبر نہیں۔ اور دنیا ابتلاء و امتحان ہے لہٰذا حضرات انبیاء اللہ کو ایسے معجزات عطا فرمانا کہ جن کو دیکھتے ہی اضطراری طور پر حضرات انبیاء کی حقانیت کا ایسا یقین آجائے کہ کسی معاند کو بھی انکار کی گنجائش نہ رہے یہ سراسر خلاف حکمت ہے، نیز بعثت انبیاء کا جو مقصد ہے وہ بالکل فوت ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ مقصود تو یہ ہے کہ لوگ اپنے اختیار سے ایمان لائیں اگر اضطراری ایمان مقصود ہوتا تو انبیاء اللہ کو دنیا میں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی حق جل وعلا براہ راست اپنا کلام بندوں کو سنا دیتے بلا واسطہ کلام الٰہی سن لینے کے بعد پھر کسی سے انکار

[1] عیون الاثر ج:۱ ص:۱۰۸، البدایۃ والنہایۃ ج:۳ ص:۵۰۔

ناممکن اور محال تھا۔ مشرکین مکہ اسی قسم کے دلائل و براہین چاہتے تھے کہ جن کو دیکھتے ہی اضطراراً آپ کی نبوت و رسالت کا یقین آجائے۔ مثلاً فرشتوں کا لوگوں کے سامنے آپ کی نبوت و رسالت کی شہادت دینا یا مردوں کا زندہ ہو کر آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی دینا اس قسم کی آیات اور علامات کے اظہار سے اس لیے انکار کر دیا گیا کہ ایسے معجزات کا اظہار حکمت اور مقصد بعثت کے سراسر منافی اور مباین ہے نیز حق تعالیٰ شانہٗ کی یہ سنت ہے کہ جو قوم منہ مانگے معجزات دیئے جانے کے بعد بھی ایمان نہ لائے وہ اسی وقت عذاب الٰہی سے ہلاک کر دی جاتی ہے جیسا کہ امم سابقہ کے واقعات قرآن عزیز میں جابجا مذکور ہیں۔ کماقال تعالیٰ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ کَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ یہ خاص خاص نشانیاں جو قریش چاہتے ہیں ہمیں ان کے بھیجنے میں کوئی مانع نہیں مگر صرف یہ کہ پہلے لوگوں نے بھی اس قسم کے معجزات دیئے جانے کے بعد ایمان لانے سے انکار کیا اس لیے وہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے اسی طرح یہ لوگ بھی منہ مانگے معجزات دیئے جانے کے بعد اگر ایمان نہ لائے تو قدیم سنت کے مطابق یہ لوگ بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے۔

اور چونکہ نبی اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے ان کی برکت سے اس قسم کے تمام عذاب اٹھا دیئے گئے کہ جو امم سابقہ پر بھیجے گئے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ قریش نے آپ سے یہ درخواست کی کہ کوہ صفا کو آپ سونا بنا دیں آپ نے ارادہ فرمایا کہ اس بار اللہ سے دعا مانگیں۔ جبرئیل امین تشریف لے آئے اور یہ فرمایا کہ اے نبی کریم ﷺ آپ ان سے فرما دیجیے کہ جو چاہتے ہو وہی ہو جائے گا لیکن یہ سمجھ لو کہ ان نشانیوں کے ظاہر ہونے کے بعد اگر ایمان نہ لائے تو پھر خیر نہیں اسی وقت ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ قریش نے کہا کہ ہم کو ضرورت نہیں۔ یہ تمامتر علامہ سہیلی کے کلام کی تفصیل ہے[1]

[1] الروض الانف ج:۱ص:۱۸۷

قریش مکہ کا علماء یہود سے مشورہ

قریش کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہمارے یہ سوالات جاہلانہ اور معاندانہ سوالات تھے تو مشورہ کر کے نضر بن حارث اور عقبۃ بن ابی معیط کو مدینہ منورہ روانہ کیا تا کہ وہاں پہنچ کر علماء یہود سے آپ کے بارے میں استفسار کریں۔ وہ لوگ انبیاء کے علوم سے واقف اور پیغمبروں کی علامتوں سے آگاہ اور باخبر ہیں یہ دونوں آدمی مدینہ منورہ پہنچے اور علماء یہود سے تمام واقعہ ذکر کیا۔ علماء یہود نے کہا کہ تم تین چیزوں کے متعلق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کرنا (اوّل) وہ لوگ کون ہیں جو غار میں جا چھپے تھے اور ان کا کیا واقعہ ہے یعنی ان سے اصحاب کہف کا قصہ دریافت کرو (دوم) وہ کون شخص ہے جس نے مشرق سے لیکر مغرب تک تمام روئے زمین کو چھان مارا یعنی ذوالقرنین کا قصہ دریافت کرو (سوم) روح کیا شئے ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر ان تینوں سوالوں میں سے اوّل اور دوم کا جواب دے دیں اور تیسرے سے سکوت فرمائیں تو سمجھ لینا کہ وہ نبی مرسل ہیں ورنہ کاذب اور مفتری ہیں نضر اور عقبہ فرحان وشاداں مکہ واپس آئے اور قریش سے کہا کہ ہم ایک فیصلہ کن بات لیکر آئے ہیں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سوالات پیش کیے آپ نے اس امید پر کہ کل تک اس بارے میں کوئی وحی ربانی نازل ہو جائے گی یہ فرمادیا کہ کل جواب دوں گا۔ بمقتضائے بشریت آپ انشاء اللہ (اگر خدا نے چاہا) کہنا بھول گئے۔ چند روز کے انتظار کے بعد سورۂ کہف کی آیتیں نازل ہوئیں جس میں اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ بالتفصیل بتلایا گیا اور تیسرے سوال کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی قل الروح من امر ربی یعنی آپ ان سے کہہ دیجیے کہ روح کی حقیقت تو تم سمجھ نہیں سکتے اتنا جاننا کافی ہے روح ایک چیز ہے اللہ کے حکم سے جب بدن میں آپڑے تو وہ جی اُٹھا۔ جب نکل گئی تو مر گیا (موضح القرآن) اور بمقتضائے بشریت جو انشاء اللہ کہنا بھول گئے تھے اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ[1]

کسی شیٔ کے متعلق یہ ہرگز نہ کہو کہ میں کل یہ کروں گا مگر انشاء اللہ اس کے ساتھ ضرور ملالو اور اگر بھول جاؤ تو جب یاد آئے تو اسی وقت انشاء اللہ کہہ لو تا کہ اس بھول کی تلافی ہو جائے۔

اس لئے ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک سال کے بعد بھی ''انشاء اللہ'' یاد آئے تو اس وقت کہہ لے تا کہ اس سہو اور نسیان کا تدارک ہو جائے۔ ایک سال کے بعد انشاء اللہ کہنے کا یہ مطلب ہے اور یہ مطلب نہیں کہ ایک سال کے بعد طلاق اور عتاق میں تعلیق معتبر ہے۔

چونکہ حق تعالیٰ کی مشیت کو چھوڑ کر اپنی مشیت پر اعتماد کر کے یہ کہا کہ میں کل کو یہ کرونگا خدا کے نزدیک ناپسند ہے اس لیے اگر کوئی شخص فی الحال انشاء اللہ کہنا بھول گیا تو اس کی تلافی یہ ہے کہ جب یاد آئے اسی وقت انشاء اللہ کہے۔ تا کہ مافات کی تلافی ہو جائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ طلاق اور عتاق حلف اور یمین میں بھی ایک سال بعد انشاء اللہ کہنا معتبر ہے امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر نے ابن عباسؓ کے اس قول کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔ خوب سمجھ لو۔

روح اور نفس

روح کی حقیقت میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کی حقیقت سوائے خدائے علیم وخبیر کے کسی کو معلوم نہیں حافظ ابن ارسلانؒ متن الزبدین میں فرماتے ہیں۔

والروح ما اخبر منها المجتبیٰ فنمسكُ المقال عنها ادَبًا

اس وقت یہ مقصود نہیں کہ اس بارہ میں فلاسفہ اور اطباء کے مختلف اقوال نقل کر کے ناظرین کو حیرانی و پریشانی میں ڈال دیا جائے۔ مقصود یہ ہے کہ نہایت اختصار کے ساتھ یہ

[1] الکہف، آیۃ: ۲۳

بتلا دیا جائے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ نے روح اور نفس کے بارے میں کیا ہدایت کی ہے اور کس حد تک ہم کو اُس کے احوال اور اوصاف سے آگاہ کیا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک روح ایک نورانی جسم لطیف کا نام ہے جو بدن میں اس طرح جاری اور ساری ہے، جیسے پانی گلاب میں اور تیل زیتون میں اور آگ کوئلہ میں جب تک یہ جسم لطیف اس جسم کثیف میں جاری و ساری ہے اس وقت تک یہ جسم کثیف زندہ ہے اور جب یہ جسم لطیف اس جسم کثیف سے علیحدہ ہو جاتا ہے تو وہ جسم مردہ ہو جاتا ہے۔ جسم لطیف کا جسم کثیف سے اتصال اور تعلق رکھنے ہی کا نام حیات اور زندگی ہے اور مفارقت اور انقطاع تعلق کا نام موت ہے۔ روح کا جسم لطیف ہونا آیات قرآنیہ اور بیشمار احادیث نبویہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ والف الف تحیۃ سے ثابت ہے مثلاً روح کا پکڑنا اور چھوڑنا اور فرشتوں کا اس کے نکالنے کے لئے ہاتھ بڑھانا اور روح کا مرنے کے وقت حلقوم تک پہنچنا روح کے یہ اوصاف قرآن کریم میں مذکور ہیں جس سے اس کا جسم ہونا صاف ظاہر ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب مؤمنین کی روح قبض ہوتی ہے تو مؤمن کی نگاہ اس کو دیکھتی ہے۔ مؤمن کی روح پرند کی طرح جنت کے درختوں پر اُڑتی پھرتی ہے اور وہاں کے میوے اور پھل کھاتی ہے۔ عرش کے قندیلوں میں جا کر آرام لیتی ہے۔ مؤمن کی روح کو جنت کے کفن میں لپیٹ کر فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں۔ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ہر آسمان کے مقرب فرشتے دروازے تک اس کی مشایعت کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تک پہنچ جاتی ہے۔ اور کافر کی روح کو اسفل السافلین اور سجّین میں پھینک دیا جاتا ہے۔ مؤمن کی روح کے لیے فرشتے جنت کا حریری کفن لے کر آتے ہیں اور کافر کی روح کے لئے موٹی ٹاٹ کا کفن لاتے ہیں۔ مؤمن کی روح معطر اور خوشبودار ہوتی ہے فرشتوں کی جس جماعت پر اس کا گذر ہوتا ہے تو یہی کہتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا پاکیزہ روح ہے اور کافر کی روح متعفن اور بدبودار ہوتی ہے حافظ ابن قیم قدس اللہ روحہ نے کتاب الروح میں روح کا جسم لطیف ہونا ایک سو سولہ دلیلوں سے

ثابت کیا ہے۔ دلیل میں صرف کتاب اور سنت اور اقوال سلف کو پیش کیا ہے۔ حافظ موصوف فرماتے ہیں کہ کتاب اور سنت اور صحابۂ کرام کا اجماع اسی پر دلالت کرتا ہے کہ روح ایک جسم لطیف کا نام ہے اور عقل سلیم اور فطرت صحیحہ اسی کی شاہد ہے[1]

امام غزالی کے استاذ امام الحرمین نے بھی ''ارشاد'' میں روح کی یہی تعریف فرمائی ہے۔ جو ہم نے ذکر کی ہے اور اسی کو علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد کی مبحث معاد میں نقل کیا ہے علامہ بقاعیؒ سرالروح میں امام الحرمین کے قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔ علی ھذا القول دَل الکتابُ والسنۃ و اجماع الصحابۃ وادلۃ العقل والفطرۃ (سرالروح) کتاب اور سنت اور اجماع صحابہ اور دلائل عقل وفطرت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے جو اس جسم کثیف میں سرایت کیے ہوئے ہے اور شیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ فرماتے ہیں۔

ویجوز ان تکون الارواح کلھا نورانیۃ لطیفۃ شفافۃ. و یجوزُ اَن یختص ذٰلک بارواح المؤمنین والملائکۃ دون ارواح الکفار والشیاطین (شرح الصدور ص۲۱۶)

ممکن ہے کہ تمام ارواح نورانی اور لطیف اور صاف وشفاف ہوں اور ممکن ہے کہ نورانی ہونا ارواح مؤمنین اور ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہو کفار اور شیاطین کی ارواح نورانی نہ ہوں۔

جیسا کہ حدیث صور میں ہے۔

ان اسرافیل یدعوا الارواح فتاتیہ جمیعا. ارواح المسلمین تتوھج نورا والاخری مظلمۃ[2]

اسرافیل علیہ السلام ارواح کو بلائیں گے مسلمانوں کی ارواح روشن اور منور حاضر ہوں گی اور کافروں کی مظلم اور تاریک۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نورانی ہونا ارواح مؤمنین کے ساتھ مخصوص ہے ارواح کفار ظلمانی ہوں گی لیکن ممکن ہے کہ اصل فطرت کے لحاظ سے مؤمن اور کافر سب ہی کی روح نورانی ہو۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کلّ مولود یُولد علی الفطرۃ فابواہ

[1] کتاب الروح۔ لابن قیم۔ ص:۲۸۴ [2] شرح الصدور ص:۲۱۹

یھوّد انہ وینصّرانہ و یمجّسانہ مؤمن کی روح ایمان کی وجہ سے اور منور ہو جاتی ہو۔ اس لیے کہ ایمان حقیقت میں ایک نور ہی ہے اور کافر کی روح کفر کی وجہ سے تاریک ہو جاتی ہے جیسا کہ حجر اسود جب جنت سے نازل ہوا تو دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ بنی آدم کی خطاؤں نے اس کو سیاہ کر دیا اسی طرح ممکن ہے کہ اصل فطرت کے اعتبار سے کافر کی روح بھی نورانی ہو اور بعد میں کفر اور شرک کی وجہ سے مظلم اور تاریک ہو جائے کہ کفر حقیقت میں ظلمت اور تاریکی ہے اور ایمان نور ہے کماقال تعالیٰ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْآ اَوْلِیَآ ءُ هُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمَاتِ یہ آیت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ایمان نور ہے اور کفر ظلمت ہے اور قیامت کے دن مؤمن کے چہروں کا منور اور روشن ہونا اور کافروں کے چہروں کا سیاہ اور ظلمانی ہونا قرآن کریم میں مصرح ہے یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ یہ سب کچھ ایمان کے نور اور کفر کی ظلمت کے ظاہر کرنے کے لئے ہوگا اور اسی وجہ سے ملائکۃ اللہ مؤمن کی روح کو سفید کفن میں اور کافر کی روح کو سیاہ ٹاٹ کے کفن میں قبض کر کے لے جاتے ہیں۔ بہر حال آیات اور احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طاعت کا رنگ سفید ہے اور معاصی کا رنگ سیاہ ہے تفصیل کی اس وقت گنجائش نہیں۔

روح اور نفس میں کیا فرق ہے؟

بعض علماء کے نزدیک روح اور نفس ایک ہی شئ ہیں۔ مگر علماء محققین کے نزدیک روح اور نفس دو علیحدہ علیحدہ شئ ہیں۔

استاذ ابو القاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اخلاق حمیدہ کے معدن اور منبع کا نام روح ہے اور اخلاق ذمیمہ کے معدن اور سرچشمہ کا نام نفس ہے مگر جسم لطیف ہونے میں دونوں مشترک ہیں جیسے ملائکہ اور شیاطین جسم لطیف ہونے میں مشترک ہیں مگر ملائکہ نورانی اور شیاطین ناری ہیں۔ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے اور شیاطین نار سے پیدا کیے گئے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں صراحۃً مذکور ہے۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ''تمہید'' میں ایک حدیث نقل کی ہے وہ یہ ہے۔

ان اللّٰـہ خلق اٰدم و جعل فیہ نفسا وروحا فمن الروح عفافہ و فھمہ و حلمہ و سخاؤہ ووفائہٗ ومن النفس شھوتہ و طیشہ و سفھہ و غضبہ و نحوھذا[1]

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور ان میں ایک نفس اور ایک روح کو رکھا پس عفت اور فہم اور حلم اور سخاوت اور وفاء یہ سب چیزیں روح سے نکلتی ہیں اور شہوت اور طیش اور سفاہت اور غصہ اور اس قسم کے تمام اخلاق ذمیمہ نفس سے ظاہر ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ روح سے ظاہر ہوتے ہیں اور اخلاق ذمیمہ نفس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ نیز قرآن اور حدیث میں ذرا غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہوت اور سفاہت اور طیش اور اس قسم کے اخلاق ذمیمہ قرآن اور حدیث میں نفس ہی کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ روح کی طرف منسوب نہیں کیے گئے۔

کما قال تعالیٰ۔ وَلَكُمْ فِيهَا مَاتَشْتَهِیٓ اَنْفُسُكُمْ

اور تمہارے لیے جنت میں وہ ہوگا جو تمہارے نفس خواہش کریں گے

وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ[2]

اور نفوس حاضر کیے گئے ہیں حرص اور بخل پر۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى[3]

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو شہوتوں سے پاک رکھا سو بہشت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

ان آیتوں میں شہوت اور حرص اور ہوائے نفسانی کو نفس کی طرف منسوب فرمایا ہے اور یہ نہیں فرمایا ولکم فیھا ماتشتھی ارواحکم۔ احضرت الارواح الشح۔ ونھی الروح عن الھوی۔ سفاہت کو لیجیے۔ قال تعالیٰ وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ۔ اس آیت میں سفاہت کو نفس کی طرف منسوب

[1] الروض الانف ج:۱ص:۱۹۷ [2] النساء آیۃ:۱۲۸ [3] النازعات، آیۃ:۴۰

فرمایا اور الامن سفہت روحہ۔ نہیں فرمایا طیش اور غضب کو لیجیے۔ حدیث میں ہے کہ پہلوان اور قوی وہ ہے کہ جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو پچھاڑ دے اور یہ نہیں فرمایا کہ روح کو پچھاڑ دے۔ نیز احادیث میں نفس سے جہاد کرنے کی بکثرت ترغیب مذکور ہے اور جہاد نفس کو جہاد اکبر فرمایا۔ مگر روح سے جہاد کرنا کسی حدیث میں نہیں دیکھا نیز ایک ضعیف الاسناد حدیث میں یہ آیا ہے۔ اعدیٰ عدوك نفسك اللتي بين جنبيك تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے مابین واقع ہے اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئی اوّل تو نفس کا سب سے بڑا دشمن ہونا دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نفس کا مقام دو پہلوؤں کے درمیان ہے اس سے بھی روح کا نفس سے مغایر ہونا ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ روح انسان کی دشمن نہیں دوسرے یہ کہ روح سر سے پیر تک تمام اعضاء میں جاری اور ساری ہے پہلو کے ساتھ مخصوص نہیں نیز خزیمۃ بن حکیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفس کا مقام دریافت کیا تو فرمایا قلب میں ہے۔ یہ حدیث طبرانی معجم اوسط میں متعدد اسانید سے مروی ہے شرح الصدور ص ۲۱۷ نیز حسد اور تکبر کو قرآن کریم میں نفس کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ [۱]	حسد کی بنا پر جو ان کے نفسوں سے پیدا ہوتا ہے
لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ۔ [۲]	تحقیق ان لوگوں نے اپنے نفسوں میں اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔

نیز حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اس پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ تمام برائیوں کا معدن اور سرچشمہ نفس ہے یہ کسی جگہ نہیں فرمایا ان الروح لامارة بالسوء وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ روح انسان کو خیر کی طرف بلاتی ہے اور نفس شر کی طرف بلاتا ہے قلب اگر مؤمن ہے تو روح کی اطاعت کرتا ہے (اخرجہ ابن عبد البر فی التمہید) (شرح الصدور ص ۲۱۶) طبقات ابن سعد میں وہب ابن منبہ سے یہ منقول ہے

۱۔ البقرہ، آیۃ: ۱۰۹ ۲۔ الفرقان، آیۃ: ۲۱

کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اول حضرت آدم کا پانی اور مٹی کا پتلا بنایا پھر اس میں نفس پیدا کیا بعد ازاں اس میں روح پھونکی[1] معلوم ہوا کہ روح نفس کے علاوہ کوئی شے ہے۔ نیز روح عالم امر سے ہے اور نفس عالم خلق سے ہے۔ علامہ بقاعی ''سر الروح'' میں لکھتے ہیں۔

و فی زاد المسیر لابن الجوزی فی تفسیر سورۃ الزمر عن ابن عباس ابن اٰدم نفس و روح فالنفس العقل والتمییز والروح نفس والتحریك فاذا نام العبد قبض اللّٰہ نفسہ ولم یقبض روحَہ وقال ابن جریج فی الانسان روح و نفس بینھما حاجز فھو تعالیٰ یقبض النفس عند النوم ثم یرد ھا الی الجَسَدِ عند الا نتباہ فاذ ارادا ماتۃ العبد فی النوم لم یرد النفس و قبض الروح واللہ اعلم (سر الروح ص۱۱)

علامہ ابن جوزی کی کتاب زاد المسیر میں سورہ زمر کی تفسیر میں ابن عباس سے مروی ہے کہ انسان مجموعہ ہے روح اور نفس کا انسان نفس سے ادراک اور امتیاز کرتا ہے اور روح سے سانس لیتا ہے اور حرکت کرتا ہے جب انسان سو جاتا ہے تو اللہ اس کے نفس کو قبض کر لیتے ہیں مگر روح کو قبض نہیں فرماتے ہیں کہ انسان میں ایک روح ہے اور ایک نفس اور ان کے مابین ایک پردہ حائل ہے سوتے وقت اللہ نفس کو قبض کر لیتے ہیں اور بیداری کے وقت واپس کر دیتے ہیں اور جب اللہ سونے کی حالت میں کسی کے مارنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس نفس کو واپس نہیں فرماتے اور روح کو قبض کر لیتے ہیں۔

رُوح کی شکل

روح کی شکل بعینہ وہی ہے جو انسان کی ہے جس طرح جسم کے آنکھ اور ناک ہاتھ اور پیر ہیں اسی طرح روح کے بھی آنکھ، ناک ہاتھ اور پیر سب ہیں اصل انسان تو روح ہے

[1] شرح الصدور ص:۱۱۶

اور یہ ظاہری جسم روح کے لئے بمنزلہ لباس کے ہے۔ جسمانی ہاتھ روحانی ہاتھوں کے لئے بمنزلہ نقاب کے ہیں۔ وقس علی ھذا۔

عارف رومی فرماتے ہیں۔

جان ہمہ نور است وتن رنگست بو ۔۔۔ رنگ و بوبگذا رو دیگر آں بگو
رنگ دیگر شدولیکن جان پاک ۔۔۔ فارغ از رنگست وازارکان خاک
عالم خلق است باسوو جہات ۔۔۔ بے جہت دان عالم امر و صفات
بے جہت دان عالم امرا ے صنم ۔۔۔ بے جہت تر باشد آمر لاجرم
روح من چوں امر ربی مختفی است ۔۔۔ ہر مثالیکہ بگویم منتفی است

کفار کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی

قریش نے جب یہ دیکھا کہ اسلام کی علی الاعلان دعوت دی جا رہی ہے اور کھلم کھلا بت پرستی کی برائیاں بیان کی جا رہی ہیں تو قریش اس کو برداشت نہ کر سکے اور جو ایک خدا کی طرف بلا رہا تھا اس کی دشمنی اور عداوت پر کمر بستہ اور توحید کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور یہ تہیہ کر لیا کہ آپ کو اس قدر تکلیف اور ایذاء پہنچائی جائے کہ آپ دعوت اسلام سے باز آ جائیں۔

(۱) معجم طبرانی میں منیب غامدیؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا لوگوں کو یہ فرماتے تھے اے لوگو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو فلاح پاؤ گے مگر بعض بدنصیب تو آپ کو گالیاں دیتے تھے اور آپ پر تھوکتے اور بعض آپ پر خاک ڈالتے۔ اسی طرح دو پہر ہو گئی اس وقت ایک لڑکی پانی لے کر آئی اور آپ کے چہرۂ انور اور دست مبارک کو دھویا۔ میں نے دریافت کیا یہ کون ہے لوگوں نے کہا یہ آپ کی صاحبزادی زینبؓ ہیں۔

بخاری نے اس حدیث کو مختصراً اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ حدیث حارث بن حارث غامدیؓ سے بھی مروی ہے اس میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ آپ نے حضرت زینبؓ

سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا اے بیٹی تو اپنے باپ کے مغلوب اور ذلیل ہونے کا خوف مت کر۔ رواہ البخاری فی تاریخہ والطبرانی وابو نعیم۔ ابو زرعہ دمشقی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے[۱]

(۲) طارق بن عبداللہ المحاربی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بازار ذی المجاز میں دیکھا کہ یہ فرماتے جاتے تھے کہ اے لوگو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو فلاح پاؤ گے اور ایک شخص آپ کے پیچھے پیچھے پتھر مارتا جاتا تھا جس سے جسم مبارک خون آلود ہو گیا اور ساتھ ساتھ کہتا جاتا تھا۔ یا ایها الناس لاتطیعوه فانه کذاب اے لوگو اس کی بات نہ سننا یہ جھوٹا ہے (رواہ ابن ابی شیبہ)[۲] بنی کنانہ کے ایک شیخ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بازار ذی المجاز میں دیکھا کہ یہ فرماتے تھے اے لوگو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہو فلاح پاؤ گے اور ابو جہل آپ پر مٹی پھینکتا تھا اور یہ کہتا تھا اے لوگو تم اس کے دھوکہ میں نہ آنا یہ تم کو لات اور عزیٰ سے چھڑانا چاہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف ذرہ برابر بھی التفات نہ فرماتے تھے۔[۳]

(۴) عروۃ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار عبداللہ بن عمرو بن العاص سے کہا کہ مشرکین نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکلیف پہنچائی ہو اس کا ذکر کرو تو عبداللہ بن عمرو بن العاص نے فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن میں کپڑا ڈال کر اس قدر زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگا سامنے سے ابو بکر آ گئے اور عقبہ کو ایک دھکا دیا اور یہ آیت پڑھی۔

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ	کیا تم ایک مرد کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار صرف اللہ ہے اور اپنی نبوت و رسالت کے واضح اور روشن دلائل تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے لے کر آیا ہے۔

[۱] کنز العمال۔ ج:۶ ص:۳۰۶ [۲] کنز العمال ج:۶ ص:۳۰۲ [۳] مسند احمد۔ ج:۴ ص:۶۳

فرعون اور ہامان نے جب موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ کیا تو فرعون کے لوگوں میں سے ایک شخص نے جو مخفی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتا تھا یہ کہا کہ کیا ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے اس قصہ کو سورۂ مؤمن میں ذکر فرمایا ہے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّىَ اللّٰهُ۔ الاية[1]	کہا ایک مرد مسلمان نے جو فرعون کے لوگوں میں سے تھا اور اپنے ایمان کو چھپاتا تھا کیا تم ایک مرد کو محض اس لئے قتل کیے ڈالتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔

مسند بزار اور دلائل ابی نعیم میں محمد بن علیؓ سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اثناء خطبہ میں یہ فرمایا بتلاؤ سب سے زیادہ شجاع اور بہادر کون ہے لوگوں نے کہا ''آپ'' حضرت علیؓ نے فرمایا میرا حال تو یہ ہے کہ جس کسی نے میرا مقابلہ کیا میں نے اس سے انتقام لیا۔ سب سے زیادہ شجاع تو ابوبکرؓ تھے۔ میں نے ایک بار دیکھا کہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں۔

انت جعلت الألهة الها واحدا	تو نے ہی تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا۔

ہم میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے قریب جائے اور آپ کو دشمنوں سے چھڑائے حسن اتفاق سے ابوبکر آ گئے اور دشمنوں کے غول میں گھس پڑے ایک مکّہ اس کے اور ایک گھونسہ اُس کے رسید کیا اور جس طرح اس مرد مومن نے فرعون اور ہامان کو کہا تھا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّىَ اللّٰهُ الاية. اسی طرح ابوبکرؓ نے اس وقت کفار سے مخاطب ہو کر کہا۔

وَيْلَكُمْ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّىَ اللّٰهُ۔	افسوس کیا تم ایسے مرد کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔

---

[1] المومن۔ آیۃ ۲۸۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ کہہ کر رو پڑے اور یہ فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آل فرعون میں کا رجل مؤمن افضل تھا یا ابوبکر۔ لوگ خاموش رہے پھر فرمایا خدا کی قسم ابوبکرؓ کی ایک گھڑی آل فرعون کے مرد مومن کی تمام زندگی سے بدرجہا بہتر ہے اس نے اپنے ایمان کو چھپایا اور ابوبکرؓ نے اپنے ایمان کا اظہار فرمایا۔ (فتح الباری باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین بمکۃ[۱]) نیز اس شخص نے فقط زبانی نصیحت پر کفایت کی اور ابوبکر نے زبانی نصیحت کے علاوہ ہاتھ سے آں حضرت کی نصرت وحمایت کی۔

(۵) عبداللہ بن عمر بن العاص کی ایک روایت میں ہے جس کو امام بخاریؒ نے خلق افعال العباد میں اور ابویعلی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ کہ جب دشمن علیحدہ ہو گئے تو آپ نے یہ فرمایا۔ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا اُرْسِلْتُ اِلَیْکُمْ اِلَّا بِالذِّبْحِ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جیسوں کے ذبح کے لیے میں بھیجا گیا ہوں (فتح الباری باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین بمکۃ)

اور دلائل ابی نعیم اور دلائل بیہقی اور سیرۃ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آپ کے یہ فرماتے ہی کفار پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر سرنگوں تھا[۲] اس لیے کہ جانتے تھے کہ آپ جو فرماتے ہیں وہ ضرور ہو کر رہے گا۔

(۶) مسند ابی یعلی اور مسند بزار میں حضرت انس سے سند صحیح کے ساتھ مروی ہے کہ ایک دفعہ قریش نے آپ کو اس قدر مارا کہ آپ بیہوش ہو گئے۔ ابوبکرؓ حمایت کے لیے آئے تو آپ کو چھوڑ کر ابوبکرؓ کو لپٹ گئے۔ مسند ابی یعلی میں باسناد حسن حضرت اسماء بنت ابی بکر سے مروی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس قدر مارا کہ تمام سر زخمی ہو گیا۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخموں کی شدّت کی وجہ سے سر کو ہاتھ نہ لگا سکتے تھے[۳]

(۷) عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا۔ آپ طواف فرما رہے تھے اور عقبۃ بن ابی معیط اور ابوجہل اور امیۃ

---

[۱] ج:۷، ص:۱۲۹ [۲] الخصائص الکبریٰ ج:۱، ص:۱۴۴، سیرۃ ابن ہشام ج:۱، ص:۹۸ [۳] فتح الباری ج:۷، ص:۱۲۹

بن خلف حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے جب آپ سامنے سے گذرے تو کچھ نازیبا کلمات آپ کو سنا کر کہے۔ آپ دوسری بار ادھر سے گذرے تب بھی ایسا ہی کیا جب آپ تیسری بار گذرے پھر اسی قسم کے بیہودہ کلمات کہے تو آپ کا چہرۂ مبارک متغیر ہوگیا اور ٹھہر گئے اور یہ فرمایا کہ خدا کی قسم تم باز نہ آؤ گے۔ یہاں تک کہ تم پر اللہ کا عذاب جلد نازل ہو حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ اس وقت کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو کانپ نہ رہا ہو آپ یہ فرما کر گھر کی طرف روانہ ہوئے اور ہم آپ کے پیچھے ہو لیے اس وقت آپ نے ہم سے یہ فرمایا۔

ابشروا فان اللّٰہ مظھر دینہ ومتم کلمتہٖ و ناصر دینہ ان ھؤلاء الذین ترون ممن یذبح بایدیکم عاجلا فو اللّٰہِ لقد رأیتھم ذبحھم اللّٰہ بایدینا۔ اخرجہ الدار قطنی[1]	بشارت ہو تم کو اللہ اپنے دین کو یقیناً غالب کریگا اور اپنے کلمہ کو پورا کریگا اور اپنے دین کی مدد کریگا اور ان لوگوں کو جنکو تم دیکھتے ہو عنقریب ان کو اللہ تمہارے ہاتھ سے ذبح کرائے گا۔ (حضرت عثمان فرماتے ہیں) خدا کی قسم ہم نے دیکھ لیا کہ اللہ نے ان کو ہمارے ہاتھوں سے ذبح کرایا

یہ روایت دلائل ابی نعیم میں بھی مذکور ہے اور مختصراً فتح الباری ص ۱۲۸ ج ۷ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے احباب[2] بھی وہاں موجود تھے۔ ابوجہل[3] نے کہا کوئی ایسا نہیں جو فلاں اونٹ کی اوجھ اٹھالے تا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں جائے تو وہ اوجھ آپ کی

---

[1] عیون الاثر ج:۱ص:۱۰۴ [2] ابوجہل کے احباب سے وہی لوگ مراد ہیں جن کا نام لیکر آپ نے بددعا فرمائی جیسا کہ اسی روایت میں اخیر میں مذکور ہے اور مسند بزار میں اسی تصریح کے ساتھ مذکور ہیں فتح الباری ص ۳۰۱ ج ۱۔
[3] صحیح بخاری میں ابوجہل کے نام کی تصریح نہیں یہ تصریح مسلم کی روایت میں ہے ۱۲ فتح الباری۔

پشت پر رکھ دے اس وقت اقوم میں جو سب سے زیادہ شقی تھا یعنی عقبۃ بن ابی معیط۲ وہ اٹھا اور ایک اوجھ اٹھا کر آپ کی پشت پر ڈال دی عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں اس منظر کو دیکھ رہا ہوں اور کچھ نہیں کرسکتا اور مشرکین ہیں کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس رہے ہیں اور ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرے جاتے ہیں۔ اتنے میں حضرت فاطمۃ الزہراء جو اس وقت چار پانچ سال کی تھیں دوڑی ہوئی آئیں اور آپ سے اوجھ کر ہٹایا۔ آپؐ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور قریش کے لیے تین بار بددعاء کی قریش کو آپ کی بددعاء بہت شاق۳ گذری اس لئے کہ قریش کا یہ عقیدہ۴ تھا کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے خاص طور پر ابوجہل اور عتبۃ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اور امیہ بن خلف اور عقبۃ بن ابی معیط اور عمارۃ بن الولید کے لئے نام بنام بددعا کی جن میں سے اکثر جنگ بدر میں مقتول ہوئے۔ (بخاری شریف کتاب الطہارت و کتاب الصلوٰۃ) ایک روایت میں ہے کہ کپڑوں کی طہارت کا حکم یعنی **وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ** یہ آیت اسی واقعہ کے بعد نازل ہوئی۵ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں دو بدترین پڑوسیوں کے مابین رہتا تھا۔ ابولہب اور عقبۃ بن ابی معیط یہ دونوں میرے دروازے پر نجاستیں لا کر ڈالا کرتے تھے۔۶

اسلام ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ضماد بن ثعلبہ ازدی زمانہ جاہلیت ہی سے آپ کے احباب میں سے تھے منتر اور جھاڑ

---

۱ حقیقت میں تو ابوجہل سب سے زیادہ شقی تھا۔ کیونکہ وہ اس امت کا فرعون تھا لیکن اس وقت سب سے زیادہ شقی اور بدنصیب عقبۃ بن ابی معیط ہی تھا اس لیے کہ ابوجہل وغیرہ نے تو فقط اکسایا ہی اور یہ شقی تو کر گذرا اور ظاہر ہے کہ کسی جرم کا کر گذرنا اکسانے سے زیادہ سخت ہے۔ جیسے قُدار نے لوگوں کے اکسانے سے ناقۂ صالح علیہ السلام کو ذبح کر ڈالا کما قال تعالیٰ اذ انبعث اشقاہا الآیۃ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ اس کو شقی فرمایا ۱۲ ۲ عقبۃ بن ابی معیط کے نام کی تصریح مسند ابی داؤد طیالسی میں ہے (فتح الباری ص ۳۰۲ ج ۱) نیز اس حدیث کو امام بخاریؒ نے کتاب الجہاد کے اخیر میں باب طرح جیف المشرکین فی البئر میں روایت فرمایا ہے ۳ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ کی آواز سنتے ہی ساری ہنسی کافور ہوگئی اور آپ کی بددعا سے خوف زدہ ہو گئے ۱۲ فتح الباری ص ۳۰۲ ج ۱ ۴ قریش میں بعض چیزیں حضرت ابراہیمؑ کی شریعت کی باقی تھیں لہٰذا ممکن ہے کہ یہ عقیدہ بھی کہ حرم مکہ میں دعا قبول ہوتی ہے شریعت ابراہیمی کا بقیہ ہو۔ ۱۲ فتح الباری ص ۳۰۲ ج ۱ ۵ فتح الباری ج:۸، ص:۵۲۱ ۶ زرقانی ج:۱، ص:۲۵۱۔

پھونک سے لوگوں کا علاج کیا کرتے تھے۔ بعثت کے بعد مکہ آئے دیکھا کہ لڑکوں کا ایک غول آپ کے پیچھے ہے کوئی ساحر اور کاہن کہتا ہے اور کوئی دیوانہ اور مجنون بتلاتا ہے۔ ضماد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں جنون کا علاج جانتا ہوں آپ مجھ کو علاج کی اجازت دیجیے۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو میرے ہاتھ سے شفا بخشے آپ نے فرمایا۔

الحمد لله نحمدهٗ و نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور انفسنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له و انى اشهد ان لا اله لا الله وحده لاشريك له و اشهد اَن محمد اعبده و رسوله.	الحمد للہ ہم سب اللہ کی حمد وثنا کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ اور اسی سے مغفرت کے خواستگار ہیں اور اپنے نفسوں کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اللہ جس کو ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ اور جس کو وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول برحق ہیں۔

ضماد کہتے ہیں میں نے عرض کیا ان کلمات کا پھر اعادہ فرمائیے خدا کی قسم میں نے بہت سے شعر سنے اور کاہنوں کے بہت کچھ منتر سنے لیکن واللہ اس جیسا کلام تو کبھی سنا ہی نہیں یہ کلمات تو دریائے فصاحت کے انتہائی گہرائی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور میں بھی یہی کہتا ہوں۔

وانى اشهد ان لا اله الا الله وحدهٗ لاشريك له و اشهد اَن محمداً عبده و رسولــه اس طرح ضماد مشرف باسلام ہوئے اور اپنی قوم کی طرف سے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔[1]

---

[1] الاصابہ۔ ج:۲،ص:۲۱۰، نیز البدایۃ والنہایۃ ج:۳،ص:۳۶۔

حافظ عراقی فرماتے ہیں۔

ثُمَّ اتیٰ ضِمادٌ وھُوَ الاَزْدِی　　　یَستَبِینُ اَمْرَهٗ بِالنَّقْدِ

بعثت نبوی کے پانچ یا نو سال بعد ضماد بن ثعلبہ ازدی تحقیق حال کے لئے مکہ معظّمہ حاضر ہوئے۔ (کذافی الشرح)

مَاھُوَ اِلَّا اَنَّ مُحَمَّدًا خَطَبُ　　　اَسْلَمَ لِلْوَقْتِ و ذَھَبُ

آپ نے ضماد کے سامنے ایک خطبہ پڑھا۔ ضماد سنتے ہی اسی وقت اسلام لے آئے اور اپنی قوم کی طرف واپس ہو گئے۔

دشمنان خاص

اعلان توحید اور اعلان دعوت کے بعد عام طور پر سارے ہی اہل مکہ آپ کے دشمن ہو چکے تھے مگر جو لوگ آں حضرت ﷺ کی دشمنی اور عداوت میں انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابو جہل بن ہشام (۲) ابولہب بن عبدالمطلب (۳) اسود بن عبد یغوث (۴) حارث بن قیس (۵) ولید بن مغیرہ (۶) امیہ بن خلف اور (۷) ابی بن خلف یعنی پسران خلف (۸) ابوقیس بن الفاکہ (۹) عاص بن وائل (۱۰) نضر بن الحارث (۱۱) منبہ بن الحجاج (۱۲) زہیر بن ابی امیہ (۱۳) سائب بن صیفی (۱۴) اسود بن عبدالاسد (۱۵) عاص بن سعید (۱۶) عاص بن ہاشم (۱۷) عقبہ بن ابی معیط (۱۸) ابن الاصدیٰ (۱۹) حکم بن العاص (۲۰) عدی بن حمراء ان میں سے اکثر وبیشتر آپ کے ہمسایہ تھے اور صاحب عزت ووجاہت تھے۔ آپ کی دشمنی میں سرگرم تھے۔ لیل ونہار یہی مشغلہ اور یہی دھن تھی۔ ابوجہل اور ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط یہ تین شخص سب سے بڑھے ہوئے تھے[1] حق جل شانہ کی قدیم سنت ہے کہ جب کسی شئے کو پیدا فرماتے ہیں تو اس کی ضد اور مقابل کو بھی پیدا فرماتے ہیں۔ قال تعالیٰ۔

---

[1] الطبقات الکبریٰ ج:۱ ص:۱۳۴

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ؎۱ | اور ہم نے ہر چیز کے دو جوڑ پیدا کیے تا کہ تم خدا کی قدرت کا کمال سمجھ لو۔

پس جس طرح نور کے مقابلہ میں ظلمت اور بلندی کے مقابلہ میں پستی کو پیدا فرمایا اسی طرح خیر کے مقابلہ میں شر اور ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت کو اور ملائکہ کے مقابلہ میں شیاطین کو پیدا فرمایا کہ حق اور باطل کا مقابلہ اور معرکہ رہے اور لوگ اپنے ارادہ اور اختیار سے کسی ایک جانب کو قبول کریں یہ نہ ہو کہ کسی ایک جانب کے قبول کرنے میں مجبور ہو جائیں اگر فقط حق اور اہلِ حق کو پیدا کیا جاتا اور باطل بالکل نیست و نابود ہوتا تو لوگ حق کے قبول کرنے پر مجبور ہو جاتے جو سراسر حکمت کے خلاف ہے شریعت کا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ لوگ جبراً وقہراً اسلام لائیں۔کما قال تعالیٰ۔

وَلَوْشَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؎۲ | اگر تیرا رب چاہتا تو تمام زمین والے ایمان لے آتے۔

اس لیے حق جل شانہ نے جب حضرات انبیاء کو پیدا کیا تو ان کے مقابلہ کے لیے شیاطین الانس والجن کو بھی پیدا فرمایا تا کہ دنیا حق اور باطل کا معرکہ اور ہدایت اور گمراہی کی جنگ اور مقابلہ کو خوب دیکھ لے اور پھر اپنے ارادے اور اختیار سے حق اور باطل میں سے جس جانب کو چاہے قبول کرے ان آیات میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ ؎۳ | اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن پیدا کئے ہیں کچھ شیاطین الانس اور کچھ شیاطین الجن۔

پس جس طرح ہر فرعون کے لئے ایک موسیٰ چاہیے اسی طرح ہر موسیٰ کے لئے ایک فرعون بھی ضروری ہے ارباب منطق کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ قضیہ کا عکس لازم اور صادق ہوتا ہے۔

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است | دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

اس لئے ہم آں صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنان خاص کا کچھ مختصر حال ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

؎۱ الذاریات، آیۃ:۴۹ ؎۲ یونس: آیۃ ۹۹ ؎۳ الانعام، آیۃ:۱۱۲

ابوجہل بن ہشام

آپ کی امت کا فرعون تھا جس نے آپ کی دشمنی اور عداوت میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا۔ ابوجہل کی دشمنی کے کچھ واقعات گذر چکے اور کچھ آئندہ آئیں گے۔ مرتے وقت جو اس نے پیام دیا ہے (جس کا مفصل بیان انشاء اللہ غزوۂ بدر کے بیان میں آئے گا) اس سے ناظرین کرام کو ابوجہل کی عداوت اور دشمنی کا پورا پورا اندازہ ہو جائے گا۔ ابوجہل کا اصل نام ابوالحکم تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کا لقب عطا فرمایا (کمافی فتح الباری باب ذکر نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یقتل ببدر)۔ ابوجہل کہا کرتا تھا میرا نام عزیز کریم ہے یعنی عزت والا اور سردار اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ [1]	تحقیق زقوم کا درخت بڑے مجرم کا کھانا ہوگا گرم پانی کی طرح پیٹ میں کھولے گا اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو پکڑو۔ پھر گھسیٹتے ہوئے ٹھیک بیچ جہنم کے لے جا کر اس کو ڈال دو پھر اس کے سر پر گرم پانی چھوڑ دو اور اس سے کہو کہ چکھ اس عذاب کو تو بڑا معزز و مکرم ہے [2]

ابولہب

ابولہب کنیت تھی نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا۔ سب سے پہلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو جمع کر کے اللہ کا پیام پہنچایا تو سب سے پہلے ابولہب نے ہی تکذیب کی اور یہ کہا۔

تبالك سائر اليوم الهذا جمعتنا	اللہ تجھ کو ہلاک کرے کیا ہم کو اسی لیے جمع کیا تھا

[1] الدخان، آیۃ: ۴۳ [2] ابن ہشام ج:۱ص:۱۳۶

اس پر سورت تبت نازل ہوئی۔ ابولہب چونکہ بہت مال دار تھا اس لیے جب اس کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو یہ کہتا اگر میرے بھتیجے کی بات حق ہے تو قیامت کے دن مال اور اولاد کا فدیہ دے کر عذاب سے چھوٹ جاؤں گا۔ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ میں اسی کی طرف اشارہ ہے اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب یعنی ابوسفیان بن حرب کی بہن کو بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ضد اور دشمنی تھی۔ شب کے وقت آپ کے راستے میں کانٹے ڈال دیا کرتی تھی (تفسیر ابن کثیر وروح المعانی)

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب ام جمیل کو خبر ہوئی کہ میرے اور میرے شوہر کے بارے میں یہ سورت نازل ہوئی تو ایک پتھر لے کر آپ کے مارنے کے لئے دوڑی آپ اور ابوبکر صدیق اس وقت مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ ام جمیل جس وقت وہاں پہنچی تو حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کی آنکھ پر ایسا پردہ ڈالا کہ صرف ابوبکر نظر آتے تھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دکھائی نہ دیتے تھے۔ ام جمیل نے ابوبکر سے پوچھا کہ تمہارے ساتھی کہاں ہیں مجھ کو معلوم ہوا ہے وہ میری مذمت اور ہجو کرتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر اس وقت ان کو پاتی تو اس پتھر سے مارتی خدا کی قسم میں بڑی شاعرہ ہوں اور اس کے بعد یہ کہا۔

مُذَمَّمًا عَصَيْنَا	وَ اَمْرَهٗ اَبَيْنَا
مذمم کی ہم نے نافرمانی کی	اور اس کا حکم ماننے سے انکار کیا
وَدِيْنَهٗ قَلَيْنَا	اور اس کے دین کو مبغوض رکھا،

دشمنی اور عداوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بجائے محمدؐ کے مذمم کہتے تھے۔ محمدؐ کے معنی ستودہ کے ہیں اور مذمم کے معنی مذموم اور بُرے کے ہیں اور یہ کہہ کر واپس ہوگئی[1]

قریش جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مذمم کہہ کر بُرا کہتے تو آپ فرماتے کہ اے لوگو تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کے سب وشتم کو مجھ سے پھیر دیا وہ مذمم کو بُرا کہتے ہیں اور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں (ابن ہشام ص ۱۲۴ ج ۱) ایک دوسری روایت میں ہے کہ

[1] سیرۃ ابن ہشام ج:۱، ص:۱۲۳

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ام جمیل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آتے دیکھا تو عرض کیا
یارسول اللہ ام جمیل سامنے سے آرہی ہے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
انها لن ترانی۔ ❗ وہ مجھ کر ہرگز نہیں دیکھے گی۔
اور کچھ آیتیں[1] قرآن کی آپ نے تلاوت فرمائیں (تفسیر ابن کثیر۔ سورۂ تبت) مسند
بزار میں عبداللہ بن عباس سے باسناد حسن مروی ہے کہ جب ام جمیل نے ابوبکر سے یہ کہا کہ
تمہارے صاحب نے میری ہجو کی ہے تو ابوبکر نے کہا ہرگز نہیں قسم ہے رب کعبہ کی وہ تو شعر
کہنا جانتے ہیں نہ شعر پڑھنا تو ام جمیل نے کہا تو ان کی تصدیق ہی کرنے والا ہے۔ جب
ام جمیل چلی گئی تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غالباً ام جمیل نے آپ کو دیکھا
نہیں۔ آپ نے فرمایا اس کے جانے تک ایک فرشتہ مجھ کو چھپائے رہا[2] واقعہ بدر کے سات
روز بعد ابولہب کے ایک زہریلا دانہ نمودار ہوا اسی میں ہلاک ہوا۔ گھر والوں نے اس اندیشہ
سے کہ اس کی بیماری ہم کو نہ لگ جائے اس کو ہاتھ تک نہ لگایا اسی طرح تین دن لاش پڑے
پڑے سڑ گئی عار اور بدنامی کے خیال سے چند حبشی مزدوروں کو بلا کر لاشہ اٹھوایا مزدوروں نے
ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے دھکیل کر لاشہ کو اس گڑھے میں ڈال دیا اور مٹی اور پتھروں
سے اس کو بھر دیا یہ تو دنیا کی ذلت اور رسوائی ہوئی اور آخرت کی رسوائی کا پوچھنا ہی کیا ہے۔
اجارنا اللہ تعالیٰ من ذلک۔ ابولہب کے تین بیٹے تھے عُتبہ اور معتب اور عتیبہ دونوں اوّل
الذکر فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور عتیبہ جس نے ابولہب کے کہنے سے آپ کی
صاحبزادی کو طلاق دی اور مزید برآں اس پر گستاخی بھی کی وہ آپ کی بددعا سے ہلاک ہوا فتح
مکہ کے دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے کہا تمہارے بھتیجے عتبہ اور معتب کہاں
ہیں کہیں نظر نہیں پڑے۔ حضرت عباس نے عرض کیا یارسول اللہ بظاہر کہیں روپوش ہو گئے
ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کو ڈھونڈ کر لاؤ۔ تلاش سے عرفات کے میدان میں ملے۔ حضرت
عباس دونوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اسلام پیش کیا فوراً اسلام

[1] کما قال تعالیٰ واذا قرأت القرآن جعلنا بینک وبین الذین لایؤمنون بالآخرۃ حجابا مستورا۔۱۲۔ [2] فتح الباری۔ ج:۸،
ص:۵۶۷۔ کتاب التفسیر سورۃ تبت

قبول کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے چچا کے ان دونوں بیٹوں کو اپنے پروردگار سے مانگا تھا۔ اللہ نے مجھ کو یہ دونوں عطا فرمائے۔

امیہ بن خلف جمحی

امیہ آپ کو علی الاعلان گالیاں دیتا اور جب آپ کے پاس سے گذرتا تو آنکھیں مٹکاتا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ الَّذِيْ جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَهٗ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ اَخْلَدَهٗ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ ○ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ○ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ۔

بڑی خرابی ہے ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالے رُو در رُو طعن کرے مال کو جمع کرتا ہو اور بار بار اس کو شمار کرتا ہو (جیسا کہ ہندو لذت اور مسرت کے ساتھ روپوں کو شمار کرتا ہے) کیا اس کو یہ گمان ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا ہرگز نہیں، البتہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا اور تجھے معلوم بھی ہے کہ وہ حطمہ کیا چیز ہے وہ حطمہ اللہ کی ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھ جائے گی تحقیق وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی اور آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں جکڑ دیئے جائیں گے۔

امیہ بن خلف جنگ بدر میں حضرت خبیب یا حضرت بلال کے ہاتھ سے مارا گیا۔[۲]

اُبی بن خلف

ابی بن خلف بھی اپنے بھائی امیہ بن خلف کے قدم بقدم تھا ایک روز ایک بوسیدہ ہڈی

[۱] الاصابہ ج:۲،ص:۴۵۵ [۲] ابن ہشام ج:۱،ص:۱۲۴

لے کر آپ کے پاس آیا اور اس کو ہاتھ میں مل کر اور اس کی خاک کو ہوا میں اڑا کر کہنے لگا کیا خدا اس کو پھر دوبارہ زندہ کرے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں اس کو اور تیری ہڈیوں کو ایسا ہی ہو جانے کے بعد خدا پھر زندہ کرے گا اور تجھ کو آگ میں ڈالے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحِي الْعِظَامَ وَ هِيَ رَمِيْمٌ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔[1]

اور ہمارے لیے ایک مثال پیش کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور کہنے لگا کہ ان پرانی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ آپ کہہ دیجیے کہ جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا وہی ان کو دوبارہ زندہ کرے گا اور وہ ہر مخلوق کو جاننے والا ہے۔ جس خدا نے سبز درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اس درخت سے آگ سلگاتے ہو۔ کیا جس خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے لوگوں کو دوبارہ پیدا کر سکے کیوں نہیں وہ تو بڑا خلاق اور علیم ہے اس کی شان تو یہ ہے کہ جس چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کو کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اُبی بن خلف جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تاریخ ابن الاثیر ص ۲۶ ج ۲۔ ابن ہشام ص ۱۲۶ ذکر من قتل من المشرکین یوم احد۔

[1] یٰسٓ، آیۃ: ۷۸

عقبۃ بن ابی معیط

عقبۃ۔ ابی بن خلف کا گہرا دوست تھا۔ ایک روز عقبہ آں حضرت ﷺ کے پاس آ کر کچھ دیر بیٹھا اور آپ کا کلام سنا۔ ابی کو جب خبر ہوئی تو فوراً عقبہ کے پاس آیا اور کہا مجھ کو یہ خبر ملی ہے کہ تو محمد کے پاس جا کر بیٹھا ہے اور ان کا کلام سنا ہے خدا کی قسم جب تک محمد کے منہ پر جا کر نہ تھوک آئے اس وقت تک تجھ سے بات کرنا اور تیری صورت دیکھنا مجھ پر حرام ہے چنانچہ بدنصیب عقبہ اٹھا اور چہرۂ انور پر تھوکا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلىٰ يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلاً يَا وَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلاَنًا خَلِيْلاً لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْجَآءَ نِىْ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلاً وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَارَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ وَ كَفىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا۔[1]

اور اس دن کو یاد کرو کہ جس دن ظالم حسرت اور ندامت سے اپنے ہاتھ منہ میں کاٹے گا اور یہ کہے گا کہ کاش میں رسول کے ساتھ اپنی راہ بناتا اور کاش فلانے کو اپنا دوست نہ بناتا اس کمبخت نے مجھ کو اللہ کی نصیحت سے گمراہ کیا اور رسول اللہ ﷺ یہ کہیں گے کہ اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اے ہمارے نبی آپ رنجیدہ نہ ہوں ہر نبی کے لئے اس طرح مجرمین میں سے دشمن پیدا کیے ہیں اور تیرا رب ہدایت و نصرت کے لئے کافی ہے۔

عقبہ جنگ بدر میں اسیر ہوا اور مقام صفراء میں پہنچ کر اس کی گردن ماری گئی۔[2]

ولید بن مغیرہ

ولید بن مغیرہ یہ کہا کرتا تھا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ محمد پر تو وحی نازل ہو اور میں

[1] الفرقان، آیہ ۲۷ [2] ابن اثیر ج:۲: ص: ۲۷

اور ابو مسعود ثقفی چھوڑ دیئے جائیں حالانکہ ہم دونوں اپنے اپنے شہر کے بڑے معزز ہیں۔ میں قریش کا سردار ہوں اور ابو مسعود قبیلہ ثقیف کا سردار ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَّرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ [۱] (ابن ہشام ص۱۲۶ ج۱)

یہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا۔ کیا یہ لوگ اللہ کی خاص رحمت نبوت کو اپنی منشا کے مطابق تقسیم کرنا چاہتے ہیں، ہم نے تو ان کی دنیوی معیشت کو بھی اپنی ہی منشا سے تقسیم کیا ہے اور اپنی ہی منشا سے ایک کو دوسرے پر رفعت دی ہے تاکہ ایک دوسرے کو اپنا مسخر اور تابع بنائے اور اخروی نعمت تو دنیاوی نعمت سے بدرجہا بہتر ہے (پس جب دنیوی معیشت کی تقسیم ان کی رائے پر نہیں تو اخروی نعمت کی تقسیم ان کی رائے پر کیسے ہوسکتی ہے۔)

یعنی نبوت و رسالت کا مدار مال و دولت اور دنیاوی عزت و وجاہت پر نہیں چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اور امیۃ بن خلف اور ابوجہل اور عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ اور دیگر سرداران قریش اسلام کے متعلق کچھ دریافت کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ ان کو سمجھانے میں مشغول تھے کہ عبداللہ بن ام مکتوم آپ کی مسجد کے نابینا موذن کچھ دریافت کرنے کے لئے آپہنچے آپ نے یہ سمجھ کر کہ ابن ام مکتوم تو مسلمان ہیں ہی پھر کسی وقت دریافت کرلیں گے لیکن یہ لوگ ذی اثر ہیں اگر اسلام لے آئیں تو ان کی وجہ سے ہزاروں آدمی مسلمان ہوجائیں گے۔ اس لیے آپ نے ابن

[۱] الزخرف، آیۃ ۳

ام مکتوم کی طرف التفات نہ فرمایا۔ اور ان کے اس بے محل سوال سے چہرۂ انور پر کچھ انقباض کے آثار نمودار ہوئے اس لیے کہ ان کو چاہیے تھا کہ سابق گفتگو کے ختم ہونے کا انتظار کرتے مگر خداوند ذوالجلال کی رحمت جوش میں آگئی اور یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى وَهُوَ يَخْشٰى فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ (الیٰ آخر السورۃ)[1]	آپ ایک نابینا کے آنے سے چیں بجبیں ہوئے اور بے التفاتی برتی آپ کو کیا معلوم شاید یہی نابینا آپ کی تعلیم سے پاک و صاف ہو جائے یا آپ کی نصیحت اس کو کچھ نفع پہنچائے اور جس شخص نے بے پروائی کی اس کی طرف متوجہ ہوئے حالانکہ وہ اگر پاک وصاف نہ ہو تو آپ پر کوئی الزام نہیں اور جو شخص دین کے شوق میں آپ کے پاس دوڑتا ہوا۔ اور خدا سے ڈرتا ہوا آتا ہے اس سے آپ بے اعتنائی کرتے ہیں۔

اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ جب کبھی عبداللہ بن ام مکتوم حاضر ہوتے تو آپ ان کے لئے اپنی چادر بچھا دیتے اور یہ فرماتے مرحبا بمن فیه عاتبنی ربی مرحبا ہو اس شخص کو جس کے بارے میں میرے پروردگار نے مجھ کو عتاب فرمایا۔

ابوقیس بن الفاکہ

یہ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید ایذاء پہنچاتا تھا۔ ابوجہل کا خاص معین اور مددگار تھا۔ ابوقیس جنگ بدر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔[2]

نضر بن حارث

نضر بن حارث سرداران قریش سے تھا۔ تجارت کے لے فارس جاتا اور وہاں شاہان عجم کے

[1] سورۂ عبس [2] ابن اثیر ج:۲، ص:۲٦

قصص اور تواریخ خرید کر لاتا اور قریش کو سناتا اور یہ کہتا کہ محمد تو تم کو عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہیں اور میں تم کو رستم اور اسفند یار اور شاہان فارس کے قصے سناتا ہوں لوگوں کو یہ افسانے دلچسپ معلوم ہوتے تھے (جیسے آج کل ناول ہیں) لوگ ان قصوں کو سنتے اور قرآن کو نہ سنتے ایک گانے والی لونڈی بھی خرید رکھی تھی لوگوں کو اس کا گانا سنواتا جس کسی کے متعلق یہ معلوم ہوتا کہ یہ اسلام کی طرف راغب ہے اس کے پاس اس لونڈی کو لے جاتا اور کہتا کہ اس کو کھلا اور پلا اور گانا سُنا پھر اس سے کہتا کہ بتلا یہ بہتر ہے یا وہ شے بہتر ہے کہ جس کی طرف محمد بلاتے ہیں کہ نماز پڑھو اور روزہ رکھو اور خدا کے دشمنوں سے جہاد کرو اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَالْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِىْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (روح المعانی ص ۶۹ ج ۲۱)

بعضا آدمی خدا سے غافل کرنے والی باتوں کو خریدتا ہے تاکہ لوگوں کو خدا کی راہ سے گمراہ کرے اور خدا کی آیتوں کی ہنسی اڑائے ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے اور اس کے سامنے جب ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو از راہ تکبر ان سے منہ موڑ لیتا ہے جیسا کہ سنا ہی نہیں گویا کہ کانوں میں ثقل ہے اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔

تنبیہ: کھلانا پلانا اور لڑکیوں کا گانا سنوانا اور اس طرح اپنے مذہب کی طرف لوگوں کو مائل کرنا یہ اہل باطل کا قدیم طریقہ ہے جس پر نصاریٰ خاص طور پر کاربند ہیں اور ان کے دیکھا دیکھی ہندوستان کے آریوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی عقل دی ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ طریقہ خدا پرستوں کا نہیں بلکہ شہوت پرستوں کا ہے نعوذ باللہ من ذالک۔

نضر بن حارث جنگ بدر میں گرفتار ہوا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت علی نے اس کی گردن ماری۔[۱]

---

[۱] ابن اثیر، ج: ۲، ص: ۲۷

عاص بن وائل سہمی

عاص بن سہمی یعنی حضرت عمرو بن العاص کے والد ہیں یہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو آپ کی ذات بابرکات کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کیا کرتے تھے، حضورؐ کے جتنے بیٹے ہوئے وہ سب آپ ہی کی زندگی میں وفات پا گئے تو عاص بن وائل نے کہا۔

ان محمدا ابتر لایعیش له ولد۔ | محمدؐ تو ابتر ہیں ان کا کوئی لڑکا زندہ ہی نہیں رہتا۔

ابتر دُم کٹے جانور کو کہتے ہیں جس شخص کا آگے پیچھے کوئی نام لیوا نہ رہے گویا وہ شخص دم کٹا ہوا جانور ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَالْاَبْتَرُ۔ | آپ کا دشمن ہی ابتر ہے۔

آپ کے نام لیوا تو لاکھوں اور کروڑوں ہیں ہجرت کے ایک ماہ بعد کسی جانور نے عاص کے پیر میں کاٹا جس سے پیر اس قدر پھولا کر اونٹ کی گردن کے برابر ہو گیا۔ اس میں عاص کا خاتمہ ہو گیا۔[1]

نبیہ ومنبہ پسران حجاج

نبیہ اور منبہ بھی آپ کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھے جب کبھی آپ کو دیکھتے تو یہ کہتے کہ کیا خدا کو ان کے سوا اور کوئی پیغمبر بنانے کے لئے نہیں ملا تھا۔ دونوں جنگ بدر میں مارے گئے۔[2]

اسود بن مطلب

اسود بن مطلب اور اس کے ساتھی جب کبھی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو دیکھتے تو آنکھیں مٹکاتے اور یہ کہتے کہ یہی ہیں وہ لوگ جو روئے زمین کے بادشاہ ہوں کے اور قیصر وکسریٰ کے خزانوں پر قبضہ کریں گے یہ کہہ کر سیٹیاں اور تالیاں بجاتے رسول

[1] ابن اثیر ج:۲، ص:۲۶ [2] ابن اثیر ج:۲، ص:۲۶

اللہ ﷺ نے بددعا فرمائی کہ اے اللہ اس کو نابینا فرما (تاکہ آنکھ مارنے کے قابل ہی نہ رہے) اور اس کے بیٹے کو ہلاک فرما۔ چنانچہ اسود تو اسی وقت نابینا ہو گیا اور بیٹا جنگ بدر میں مارا گیا۔ قریش جس وقت جنگ احد کی تیاری کر رہے تھے اسود اس وقت مریض تھا لوگوں کو آپ کے مقابلہ کے لئے آمادہ کر رہا تھا۔ جنگ احد سے پہلے ہی انتقال کر گیا۔[۱]

اسود بن عبد یغوث

اسود بن عبد یغوث رسول اللہ ﷺ کے ماموں کا بیٹا تھا۔ جس کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ اسود بن عبد یغوث بن وہب بن مناف بن زہرہ یہ بھی آپ کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا جب فقراء مسلمین کو دیکھتا تو یہ کہتا یہی روئے زمین کے بادشاہ بننے والے ہیں جو کسریٰ کی سلطنت کے وارث ہوں گے۔ آنحضرت ﷺ کو دیکھتا تو یہ کہتا آج آسمان سے کوئی بات نہیں ہوئی اور اس قسم کے بیہودہ کلمات کہتا۔[۲]

حارث بن قیس سہمی

جس کو حارث بن عیطلہ بھی کہا جاتا ہے۔ عیطلہ ماں کا نام ہے قیس باپ کا نام تھا۔ یہ بھی انہی لوگوں میں سے تھا کہ جو آپ کے اصحاب کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کیا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ نے اپنے اصحاب کو یہ سمجھا کر دھوکہ دے رکھا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہوں گے۔

وَاللّٰهِ مَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ [۳]	خدا کی قسم ہم کو زمانہ ہی ہلاک اور برباد کرتا ہے۔

جب ان لوگوں کا استہزاء اور تمسخر حد سے گذر گیا تب اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

---

۱ ابن اثیر ج:۲، ص:۲۷ ۲ ابن اثیر ج:۲، ص:۲۶ ۳ الجاثیہ۔ آیۃ:۲۴

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ (الحجر،۹۴)	جس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کو علی الاعلان بیان کریں اور مشرکین اگر نہ مانیں تو ان سے اعراض فرمائیں اور جو لوگ آپ کی ہنسی اور مذاق اڑاتے ہیں ان کے لئے ہم کافی ہیں۔

زیادہ ہنسی اور مذاق اڑانے والے یہ پانچ شخص تھے۔

(۱) اسود بن عبد یغوث (۲) ولید بن مغیرہ (۳) اسود بن المطلب (۴) عاص بن وائل (۵) حارث بن قیس۔

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ[۱] کا طواف کر رہے تھے کہ جبریل امین آگئے۔ آپ نے جبریل امین سے ان لوگوں کے استہزاء اور تمسخر کی شکایت کی اتنے میں ولید سامنے سے گذرا آپ نے بتلایا کہ یہ ولید ہے۔ جبریل نے ولید کی شہ رگ کی طرف اشارہ کیا آپؐ نے دریافت کیا یہ کیا کیا؟ جبریل نے کہا آپ ولید سے کفایت کیے گئے۔ اس کے بعد اسود بن مطلب گذرا آپ نے بتلایا کہ یہ اسود بن مطلب ہے، جبریل نے آنکھوں کی طرف اشارہ کیا آپ نے دریافت کیا کہ اے جبریل یہ کیا کیا؟ جبریل نے کہا تم اسود بن مطلب سے کفایت کیے گئے اس کے بعد اسود بن عبد یغوث ادھر سے گذرا جبریل نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا اور حسب سابق آپ کے سوال پر جواب دیا کہ آپ کفایت کیے گئے اس کے بعد حارث گذرا جبریل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ آپ اس سے کفایت کیے گئے اس کے بعد عاص بن وائل ادھر سے گذرا جبریل نے اس کے پیر کے تلوے کی طرف کچھ اشارہ کیا اور کہا کہ آپ اس سے کفایت کیے گئے چنانچہ ولید کا قصہ یہ ہوا کہ ولید ایک مرتبہ قبیلۂ خزاعہ کے ایک شخص پر گذرا جو تیر بنا رہا تھا۔ اتفاق سے اس کے کسی تیر پر ولید کا پیر پڑ گیا جس سے خفیف سا زخم پڑ گیا۔ اس زخم کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ

[۱] یہ روایت روح المعانی ص ۸۷ ج ۱۴ سے لی گئی ہے لیکن بیت اللہ کے طواف کرنے کا واقعہ ابن اسحٰق کی روایت سے لیا گیا جس کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں آیت مذکورہ کے تحت درج کیا ہے ۱۲۔

زخم جاری ہوگیا اور اسی میں مر گیا۔ اسود بن المطلب کا یہ قصہ ہوا کہ ایک کیکر کے درخت کے نیچے جا کر بیٹھا ہی تھا کہ اپنے لڑکوں کو آواز دی مجھ کو بچاؤ مجھ کو بچاؤ میری آنکھوں میں کوئی شخص کانٹے چبھا رہا ہے لڑکوں نے کہا ہمیں کوئی نظر نہیں آتا اسی طرح کہتے کہتے اندھا ہوگیا۔ اسود بن عبد یغوث کا قصہ یہ ہوا کہ جبریل امین کا اس کے سر کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ تمام سر میں پھوڑے اور پھنسیاں نکل پڑے اور اسی تکلیف میں مر گیا۔ حارث کے پیٹ میں دفعۃً ایسی بیماری پیدا ہوئی کہ منہ سے پیخانہ[1] آنے لگا اور اسی میں مر گیا۔ عاص بن وائل کا یہ حشر ہوا کہ گدھے پر سوار ہو کر طائف جا رہا تھا راستہ میں گدھے سے گرا اور کسی خاردار گھانس پر جا کر گرا جس سے پیر میں ایک معمولی سا کانٹا لگا مگر اس معمولی کانٹے کا زخم اس قدر شدید ہوا کہ جانبر نہ ہوسکا اور اسی میں مر گیا۔ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط والبیہقی وابونعیم کلاہما فی الدلائل وابن مردویہ بسند حسن۔[2]

ناظرین کرام ان واقعات سے اندازہ لگائیں کہ اسلام کی دعوت اور اشاعت میں جبر اور اکراہ سے کام لیا گیا یا اس کے دبانے اور مٹانے میں جبر اور تعدی سے کام لیا گیا۔

تعذیب مسلمین

(بَاطِنُہٗ فِیْہِ الرَّحْمَۃُ وَ ظَاھِرُہٗ مِنْ قِبَلِہِ الْعَذَابُ)

جس قدر اسلام پھیلتا جاتا تھا اور مسلمان زیادہ ہوتے جاتے اسی قدر مشرکین مکہ کا غیظ وغضب زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ جن مسلمانوں کا کوئی حامی اور مددگار تھا ان پر تو کفار مکہ کا کچھ زیادہ بس نہ چلتا تھا۔ ہاں جو بیچارے بے سہارے مسلمان تھے جن کی کوئی پشت پناہ نہ تھی وہ قریش مکہ کے جور وستم کے تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ کسی کو مارتے اور کسی کو تنگ و

[1] جیسا کہ طوسی کے متعلق مشہور ہے کہ اخیر میں منہ سے پیخانہ آتا تھا۔ اس پر علامہ شیرازی نے فرمایا کہ ایں آں ریدست کہ در آخر تجرید خوردہ ۱۲

[2] یہ روایت خصائص کبریٰ ص ۱۴۶ ج ۱ میں اور تفسیر ابن کثیر سورۃ الحجر ص ۳۳۶ طبع قدیم میں مذکور ہے مگر سند کی تحسین مذکور نہیں وہ صرف روح المعانی میں مذکور ہے ص ۸۷ ج ۱۴ منہ عفا اللہ عنہ

تاریک کوٹھڑی میں بند رکھتے۔اب ہم چند واقعات ذکر کرتے ہیں جس سے مشرکین مکہ کے جور وستم اور صحابہ کے صبر وتحمل کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

امام المؤذنین بالصّلاۃ والفلاح
سیّدنا ومولانا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ [1]

آپ حبشی النسل تھے امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ٹھیک دوپہر کے وقت جب کہ دھوپ تیز ہو جاتی اور پتھر آگ کی طرح تپنے لگتے تو غلاموں کو حکم دیتا کہ بلال کو تپتے ہوئے پتھروں پر لٹا کر سینہ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیا جائے تا کہ جنبش نہ کر سکیں اور پھر کہتا تو اسی طرح مر جائے گا۔اگر نجات چاہتا ہے تو محمد کا انکار کر اور لات وعزیٰ کی پرستش کر لیکن بلالؓ کی زبان سے اس وقت بھی اَحَدٌ اَحَدٌ ہی نکلتا۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس ہمیں است بنیاد توحید و بس

اور کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا اور کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر تیز دھوپ میں بٹھلاتا۔ اس تکلیف کی شدت میں بھی زبان مبارک سے احد احد نکلتا [2] امیہ نے جب یہ دیکھا کہ بلال کے عزم واستقلال میں کوئی تزلزل ہی نہیں آتا۔ گلے میں رسی ڈال کر لڑکوں کے حوالے کیا کہ تمام شہر میں گھسیٹتے پھریں مگر بلال کی زبان سے اَحَدٌ اَحَدٌ ہی نکلتا تھا [3] وقال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاہ واقرہ الذہبی [4]

حسب معمول حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی جور وستم کے تختۂ مشق بنائے جا رہے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ اس طرف سے گذرے یہ منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور امیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

---

[1] رباح آپ کے والد کا نام تھا اور حمامہ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام تھا۔۱۲ (۱) سیرۃ ابن ہشام ج:۱ص:۱۰۹
[2] اور [3] طبقات ابن سعد ج:۳،ص:۲۶،۲۷ [4] مستدرک ج:۳،ص:۲۸۴

الاتتقی اللّٰہ فی ھذا المسکین حتی متی انت | تو اس مسکین کے بارے میں خدا سے نہیں ڈرتا آخر یہ ظلم وستم کب تک۔

امیہ نے کہا کہ تم ہی نے تو اس کو خراب کیا ہے اب تم ہی اس کو چھڑاؤ۔ ابوبکرؓ نے کہا بہتر ہے۔ میرے پاس ایک غلام ہے جو نہایت قوی ہے اور تیرے دین پر نہایت قوۃ اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہے۔ اس کو لیلو اور اُس کے معاوضہ میں بلال کو میرے حوالے کرو۔ امیہ نے کہا میں نے قبول کیا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیہ سے بلال رضی اللہ عنہ کو لے کر آزاد فرما دیا[1]

احسن الداعین الی اللہ الکبیر المتعال سیدنا ومولانا بلال رضی اللہ عنہ کی پشت مبارک پر مشرکین کے جور وستم نے نشان اور داغ ڈال دیئے تھے چنانچہ حضرت بلال جب کبھی برہنہ پشت ہوتے تو داغ اور نشان نظر آتے۔

لاقیٰ بلالٌ بلاءً من امیة قد | احلهٗ الصبر فیه اکرمَ النزلِ
اِذجهد وه بضنك الامر وهو علیٰ | شدائد الازل ثبت الاز رلم یزلِ
القوه بطحاً برمضاء البطاح وقد | عالوا علیه صخورًا جمة الثقل
فوحد اللّٰه اخلاصا وقد ظهرت | بظهره کندوب الطل فی الطلل
ان قُدَّ ظهر ولی اللّٰه من دبرٍ | قد قد قلب عدو اللّٰه من قبلٍ

(کذافی المواهب)

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

عمار بن یاسر اصل میں قحطانی الاصل ہیں آپ کے والد یاسرؓ اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں مکہ مکرمہ آئے اور دو بھائی حارث اور مالک آپ کے ہمراہ تھے۔ حارث اور مالک تو یمن واپس ہو گئے اور یاسر مکہ ہی میں رہ پڑے اور ابوحذیفہ مخزومی سے حلیفانہ تعلقات پیدا کر لیے ابوحذیفہ نے اپنی کنیز سمیّہ بنت خیاط کی آپ سے شادی کر دی جس سے حضرت عمار پیدا ہوئے۔ یاسر اور عمار ابوحذیفہ کے مرنے تک ابوحذیفہ ہی کے ساتھ

[1] سیرۃ ابن ہشام ج:۱،ص:۱۰۹

رہے اس کے بعد اللہ نے اسلام ظاہر فرمایا یاسر اور سمیہ اور عمار اور ان کے بھائی عبداللہ بن یاسر سب کے سب مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عمار کے ایک بھائی اور بھی تھے جو عمر میں حضرت عمار سے بڑے تھے۔ حریث بن یاسر ان کا نام تھا زمانہ جاہلیت میں بنوالدیل کے ہاتھوں مقتول ہوئے مکہ میں عمار بن یاسر کا چونکہ کوئی قبیلہ اور کنبہ نہ تھا جوان کا حامی اور مددگار ہوتا۔ اس لیے قریش نے ان کو بہت سخت سخت تکلیفیں دیں عین دوپہر کے وقت تپتی ہوئی زمین پر ان کو لٹاتے اور اس قدر مارتے کے بیہوش ہو جاتے کبھی پانی میں غوطے دیتے اور کبھی انگاروں پر لٹاتے۔ اس حالت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت عمار پر گذرتے تو سر پر ہاتھ پھیرتے اور یہ فرماتے۔

يَانَارُ كُونِيْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا على عمار كما كنتِ علىٰ ابراهيم۔[1]	اے آگ تو عمار کے حق میں بردوسلام بن جا جس طرح ابراہیم علیہ السلام پر بردوسلام ہوگئی تھی۔

جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمار اور ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہ کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو یہ فرماتے۔ اے آل یاسر صبر کرو۔ کبھی یہ فرماتے اے اللہ تو آل یاسر کی مغفرت فرما اور کبھی یہ فرماتے تم کو بشارت ہو جنت تمہاری مشتاق ہے۔ (طبقات ابن سعد قسم اوّل واستیعاب لابن البر۔ تذکرہ عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ عمار سر سے پیر تک ایمان سے بھرا ہوا ہے۔ یہ حدیث جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں ہے سند اس کی حسن ہے (واخرجہ البزار من حدیث عائشۃ واسنادہ صحیح ورواہ النسائی ایضاً واسنادہ ایضاً صحیح باب مناقب عمار[2]) حضرت عمار نے ایک بار قمیص مبارک اتارا تو پشت مبارک پر لوگوں کو سیاہ داغ نظر آئے سبب دریافت کیا تو یہ فرمایا کہ قریش مکہ مجھ کو تپتے ہوئے سنگریزوں پر لٹایا کرتے تھے۔ یہ داغ اس کے ہیں[3] اور یہی سلوک آپ کے

[1] طبقات ابن سعد: ج:۳،ص:۱۷۶ [2] فتح الباری۔ ج:۷،ص:۷۲ [3] طبقات ابن سعد ج:۳،ص ۱۷۷

والد حضرت یاسر اور والدہ سُمیہ کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ساٹھ شخصوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابوبکر صدیق۔ بلال۔ خباب۔ صہیب۔ عمار۔ سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین خاندانی وجاہت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تو مشرکینِ مکہ کا پورا بس نہ چل سکا۔ بلال اور خباب اور صہیب اور عمار اور سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کو اپنے جوروستم کا تختہ مشق بنایا عین دوپہر کے وقت ان حضرات کو لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے۔ ایک روز سامنے سے ابوجہل آ گیا اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شرمگاہ میں ایک برچھی ماری جس سے وہ شہید ہو گئیں (اخرجہ ابوبکر بن ابی شیبۃ عن مجاہد وہو مرسل صحیح السند اِترجمہ سمیہؓ) طبقات ابن سعد میں بسند صحیح مجاہد سے منقول ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی شہید حضرت سمیہؓ ہیں جو بہت بوڑھی اور ضعیف تھیں ابوجہل جب جنگ بدر میں مارا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا۔

قتل اللّٰه قاتل امك ؛ اللہ نے تیری ماں کے قاتل کو ہلاک کیا۔

اور حضرت یاسرؓ نے انہی مصائب اور شدائد میں حضرت سمعیہؓ سے پہلے انتقال فرمایا [۲]

صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ

کے رہنے والے تھے آپ کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے اُبلّہ کے حاکم تھے ایک بار رومیوں نے اس نواح پر حملہ کیا۔ صہیب اس وقت کم سن بچے تھے لوٹ مار میں رومی ان کو پکڑ لے گئے۔ وہیں جوان ہوئے اس لیے صہیب رومی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بنی کلب میں ایک شخص صہیب کو رومیوں سے خرید کر مکہ میں لایا۔ مکہ میں عبداللہ بن جدعان نے خرید کر آزاد کر دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام شروع فرمائی تو حضرت صہیب اور حضرت عمار ایک ہی وقت میں دارارقم میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عمار کی طرح مشرکین مکہ نے حضرت صہیب کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ جب ہجرت کا

[۱] الاصابہ ج:ص:۳۳۵ [۲] فتح الباری ج ۷ ص ۱۷

ارادہ فرمایا تو قریش مکہ نے یہ کہا کہ اگر تم اپنا سارا مال ومتاع یہاں چھوڑ جاؤ تو ہجرت کر سکتے ہو ورنہ نہیں۔ حضرت صہیبؓ نے منظور کیا اور حطامِ دنیا پر لات مار کر ہجرت فرمائی۔ مدینہ منورہ پہونچے اور آپ کی خدمت میں یہ تمام واقعہ بیان کیا تو آپ نے یہ فرمایا۔

ربح البیع　|　صہیب نے اس بیع میں خوب نفع کمایا۔

کہ فانی کو چھوڑ کر باقی کو اختیار کیا اور حق جل شانہ نے اس بارہ میں یہ آیت نازل فرمائی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ[1]　|　اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ اپنی جان کو فروخت کر دیتے ہیں محض اللہ کی رضامندی کی طلب میں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بار بار یہ فرمایا۔

ربح صہیبؓ ربح صھیب۔　|　صہیب نے خوب نفع کمایا۔ صہیب نے خوب نفع کمایا۔

عمر بن حکم سے مروی ہے کہ مشرکینِ مکہ حضرت صہیبؓ اور عمار اور ابوفائدہ اور عامر بن فہیرہؓ وغیرہم کو اس قدر تکلیفیں دیتے کہ بیخود اور بیہوش ہو جاتے تھے اور بیخودی کا یہ عالم تھا کہ یہ بھی خبر نہ رہتی تھی کہ ہماری زبانوں سے کیا نکل رہا ہے۔ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَافُتِنُوْا ثُمَّ جَاهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[2]　|　تحقیق تیرا پروردگار۔ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے طرح طرح کے مصائب اور فتنوں کے بعد ہجرت کی اور پھر جہاد کیا۔ ان باتوں کے بعد تیرا رب ان کی مغفرت کرنیوالا اور ان پر رحمت کرنے والا ہے۔

یہ آیت انہیں حضرات کے بارے میں نازل فرمائی۔[3]

---
[1] البقرہ، آیۃ: ۲۷　[2] النحل، آیۃ: ۱۱۰　[3] الاصابہ۔ ج ۲۔ ص: ۳، ص ۱۶

خبّاب بن الارت رضی اللہ عنہ

خبّاب بن الارت رضی اللہ عنہ سابقین اوّلین میں سے ہیں کہا جاتا ہے کہ چھٹے مسلمان ہیں دارارقم میں داخل ہونے سے پہلے مشرف باسلام ہوئے ام انمار کے غلام تھے جب آپ اسلام لائے تو ام انمار نے آپ کو سخت ایذائیں پہنچائیں۔ (اصابہ ص ۴۱۶ ج ۱) ایک مرتبہ حضرت خباب، عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے تو حضرت عمرؓ نے آپؓ کو اپنی مسند پر بٹھایا اور یہ فرمایا کہ اس سند کا تم سے زائد کوئی مستحق نہیں مگر بلالؓ اس پر خباب نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین بلال بھی مجھ سے زیادہ مستحق نہیں اس لیے کہ اُن شدائد ومصائب میں بعض مشرکین مکہ بلال کے تو حامی اور ہمدرد تھے مگر میرا کوئی بھی حامی نہ تھا۔ ایک روز مشرکین مکہ نے مجھ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر چت لٹایا اور ایک شخص نے میرے سینہ پر اپنا پیر رکھ دیا تاکہ جنبش نہ کرسکوں۔ اور پھر کرتا اٹھا کر پشت پر برص کے داغ دکھلائے۔[1]

خباب بن الارت فرماتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت میں لوہار تھا تلواریں بنایا کرتا تھا ایک بار عاص بن وائل کے لئے تلوار بنائی جب قیمت کے تقاضے کے لئے آیا تو عاص بن وائل نے کہا کہ میں تم کو ایک کوڑی نہ دوں گا۔ جب تک تم محمد ﷺ کا انکار نہ کرو۔ خباب نے کہا اگر تو مر بھی جائے اور پھر زندہ ہو تب بھی محمد ﷺ کا انکار نہ کروں گا۔ عاص نے کہا کہ کیا میں مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا۔ خبابؓ نے فرمایا۔ ہاں، عاص نے کہا جب خدا مجھ کو موت دے گا اور پھر دوبارہ زندہ کریگا اور اسی طرح مال اور اولاد میرے ساتھ ہوگا تو اُس وقت تمہارا قرض ادا کردوں گا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔ ج:۳، ص:۱۱۷

اَفَرَأَیۡتَ الَّذِیۡ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوۡتَیَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا اَطَّلَعَ الۡغَیۡبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا کَلَّا سَنَکۡتُبُ مَا یَقُوۡلُ وَ نَمُدُّلَهٗ مِنَ الۡعَذَابِ مَدًّا وَّنَرِثُهٗ مَا یَقُوۡلُ وَیَاۡتِیۡنَا فَرۡدًا۔

(صحیح بخاری ص۶۹۱ تفسیر سورۂ مریم و فتح الباری ص ۳۲۶ ج ۸)

بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا کہ جو ہماری آیتوں کا انکار کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ آخرت میں مجھ کو مال اور اولاد دیئے جائیں گے کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا خدا تعالیٰ سے کوئی عہد کیا ہے ہرگز نہیں بالکل غلط کہتا ہے جو بھی زبان سے کہتا ہے ہم اس کو لکھ لیتے ہیں تا کہ قیامت کے دن اس پر حجت قائم ہو اور اس پر عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے اور جس مال و اولاد کو وہ کہتا ہے اس سب کے ہم وارث ہوں گے اور وہ ہمارے پاس مال اور اولاد سے خالی ہاتھ آئے گا۔

ابوفکیہہ جُہنی رضی اللہ عنہ

ابوفکیہہ کنیت ہے یسار نام ہے کنیت ہی زیادہ مشہور ہیں۔ صفوان بن امیہ کے غلام تھے امیہ بن خلف کبھی آپ کے پیر میں رسّی باندھوا کر گھسٹواتا اور کبھی لوہے کی بیڑیاں ڈال کر جلتی ہوئی زمین پر الٹا لٹاتا اور پشت پر ایک بڑا بھاری پتھر رکھوا دیتا۔ حتّٰی کہ آپ بیہوش ہو جاتے اور کبھی آپ کا گلا گھونٹتا۔

ایک روز امیہ بن خلف جلتی ہوئی زمین پر لٹا کر آپ کا گلا گھونٹ رہا تھا کہ سامنے سے امیہ بن خلف کا بھائی ابی بن خلف آ گیا۔ بجائے اس کے وہ سنگدل کچھ رحم کھاتا کہنے لگا۔ اس کا گلا اور زور سے گھونٹو۔ چنانچہ اس زور سے گلا گھونٹا کہ لوگ یہ سمجھے کہ دم نکل گیا۔ حسن اتفاق سے ابوبکر رضی اللہ عنہ ادھر آ نکلے اور ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد فرمایا۔[1]

[1] الاستیعاب ج:۴، ص:۱۵۷

زَنیرہ رضی اللہ عنہا

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا سابقات اسلام میں سے ہیں حضرت عمرؓ کی کنیز تھیں۔ عمرؓ ان کو اس قدر مارتے کہ تھک جاتے۔ ابوجہل بھی ان کو ستایا کرتا تھا۔ ابوجہل اور دیگر سرداران مکہ حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر اسلام کوئی عمدہ اور بھلی شے ہوتی تو زنیرہ ہم سے سبقت نہ کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ[1]	کافروں نے اہل ایمان سے یہ کہا کہ اگر یہ دین کوئی اچھی چیز ہوتی تو یہ لوگ ہم سے سبقت نہ کرتے۔

اور یہ نہ سمجھے کہ اگر ان میں کوئی خیر کا مادہ ہوتا تو یہ خیر اور دین حق کی طرف سبقت کرتے اور حق سے پیچھے نہ رہتے اور یہ نہ سمجھے کہ امراء اور رؤساء کا انبیاء اللہ کی ہدایت اور نصیحت سے روگرداں ہونا اور ان درویشوں کا کہ جن کے قلوب حب جاہ اور حب مال سے پاک اور منزہ ہیں انبیاء اللہ کی تعلیم وتلقین کو قبول کرنا حاشا یہ حق کے باطل ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اعراض کرنے والوں کی نخوت اور غرور، اعجاب اور استکبار کی بیّن دلیل ہے۔ ضعفاء اور غرباء کے حق قبول کر لینے سے حق کی توہین نہیں بلکہ ضعفاء اور غرباء حق قبول کر لینے کی وجہ سے پستی سے نکل کر اوج رفعت پر پہنچ جاتے ہیں اور امراء اور رؤساء حق سے اعراض کرنے کی وجہ سے اہل بصیرت کی نظر میں ذلیل اور رسوا ہو جاتے ہیں ہاں اگر امیر ہو کر حق کے قبول کرنے میں پس وپیش نہ کرے جیسے ابوبکر صدیق اور عثمان غنی اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم تو اس کی عزت اور سر بلندی میں اور چار چاند لگ جاتے ہیں۔

انہیں شدائد اور مصائب میں حضرت زنیرہ کی بینائی جاتی رہی۔ مشرکین مکہ نے کہا لات اور عزیٰ نے اس کو اندھا کر دیا۔ زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مشرکین مکہ کے جواب

[1] احقاف، آیۃ: ۱۱

میں یہ فرمایا کہ لات وعزی کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ کون ان کی پرستش کرتا ہے یہ تو محض اللہ کی طرف سے ہے خدا اگر چاہے تو پھر میری بینائی کو واپس فرما سکتا ہے۔ خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ اسی شب کی صبح کو بینا اٹھیں۔ مشرکین مکہ نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سحر کر دیا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد فرمایا۔[1]

اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور بہت سے غلاموں اور کنیزوں کو خرید کر آزاد فرمایا اور مظلوموں کی جان بچائی۔ بلال، ابوفکیہہ، عامر بن فہیرہ، زنیرہ، نہدیہ اور نہدیہ کی بیٹی اور لبینہ اور مولیہ اور ام عُبیس ان سب کو ابوبکر ہی نے خرید کر آزاد کیا۔[2]

صدیق اکبر کے والد ابوقحافہ ہنوز مشرف باسلام نہ ہوئے تھے ایک روز ابوبکر سے کہنے لگے کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم چن چن کر ضعیفوں اور ناتوانوں کو خرید کر آزاد کرتے ہو اگر قوی اور جوانوں کو خرید کر آزاد کرو تو تمہارے کام آئیں۔ ابوبکر نے کہا جس غرض کے لیے میں ان کو آزاد کرتا ہوں وہ غرض میرے دل میں ہے۔ اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى وَمَا يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِىْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ

پس جس نے خدا کی راہ میں دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات یعنی ملت اسلام کی تصدیق کی پس توفیق دیں گے ہم اس کو اعمال جنت کی اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا اور ملت نیک کی تکذیب کی اس کے لئے اعمال بد کو آسان کر دیں گے اور بربادی کے وقت اس کو مال و دولت کوئی نفع نہ دے گا اور ہمارے ہی قبضہ میں ہدایت ہے اور ہم ہی دنیا اور آخرت کے مالک ہیں۔ پس میں تم کو دہکتی ہوئی آگ سے ڈراتا ہوں اس میں

[1] زرقانی ج:۱ص:۲۶۹ [2] زرقانی ج:۱ص:۲۶۹

تُـجْـزٰىٓ اِلَّا ابْتِغَـآءَ وَجْـهِ رَبِّـهِ الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى [1]

ہمیشہ کے لئے وہی شخص داخل ہوگا جو سب سے زیادہ بد بخت ہوگا کہ جس نے دین حق کی تکذیب کی اور اس سے روگردانی کی اور اس آگ سے وہ شخص بالکل محفوظ رہے گا جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے اور اپنا مال پاک ہونے کے لئے خدا کی راہ میں دیتا ہے اس کے ذمہ کسی کا احسان نہیں کہ اس کا بدلہ دیتا ہو ہو محض خداوند تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی مقصود ہے اس شخص کو آخرت میں ہم ایسی نعمتیں عطا فرمائیں گے۔ جن کو دیکھ کر یہ ضرور راضی اور خوش ہوگا۔

یہ آیات بالا جماع ابوبکر صدیق کے بارہ میں اتری ہیں جس میں ابوبکر صدیقؓ کو اتقیٰ کہا گیا۔ یعنی سب سے بڑا پرہیز گار اور سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور سورۂ حجرات میں ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ [2]

تحقیق تم میں سے سب سے زیادہ خدا کے نزدیک مکرم اور بزرگ ترین وہ شخص ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار اور خدا سے ڈرنے والا ہو۔

معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کے بعد امت میں بزرگ ترین ہستی ابوبکر صدیق کی تھی اور حضور پرُ نور کے بعد وہی سب سے افضل تھے جنہوں نے ابتدا

[1] اخرجہ الحاکم عن عبداللہ بن الزبیر زرقانی ص ۲۶۹ ج ا عیون الاثر ص ۱۱۱ ج ا والبدایۃ والنہایۃ ص ۵۸ ج ۳
[2] الحجرات، آیۃ: ۱۳

ہی سے اسلام کی جان و مال سے مدد کی اور غلاموں کو خرید خرید کر آزاد کیا۔ ابوبکر صدیق نے چالیس ہزار درہم کا سرمایہ تیرہ سال میں اسلام اور مسلمانوں پر خرچ کر ڈالا اور جو بچا وہ سفر ہجرت اور مسجد نبوی کی زمین کی خریداری پر صرف ہو گیا جب کپڑا نہ رہا تو ابوبکر کمبل اوڑھ کر دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں اپنے پروردگار سے بے حد راضی ہوں۔

بعض شیعہ کہتے ہیں کہ یہ سورت حضرت علی کے بارے میں نازل ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ اس سورت کے تمام الفاظ اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ سورت اُس شخص کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس نے اپنا مال و دولت محض خدا کی خوشنودی اور رضامندی کے لئے خدا کی راہ میں لٹا دیا اور ساری دنیا کو معلوم ہے کہ حضرت علی اس وقت صغیر السن تھے۔ ابوطالب کی ناداری کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور کفالت میں تھے۔ ان میں نہ مالی طاقت تھی اور نہ بدنی جو اسلام کو مدد پہنچا سکتے تھے وہ کیسے ان آیات کا مصداق بن سکتے ہیں۔ نیز ابوبکر صدیق نے اسلام کی جان و مال سے اس قت مدد کی کہ جب اسلام بے کس و بے یار و مددگار تھا ایسے وقت میں مدد موجب صد فضیلت ہے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔

لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى[1]	برابر نہیں ہیں تم میں سے وہ لوگ کہ جنہوں نے خرچ کیا اور جہاد کیا فتح مکہ سے پہلے بلکہ یہ لوگ درجہ اور مرتبہ میں ان لوگوں سے بہت بڑھ کر ہیں جنہوں نے مکہ فتح ہونے کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا اور وعدہ نیکی کا اللہ نے ہر ایک سے کیا ہے۔

فتح مکہ کے بعد اسلام غنی ہو گیا اس وقت نصرت و اعانت کی ضرورت نہ رہی اسی وجہ

[1] الحدید، آیۃ: ۱۰

سے نبی کریم کے بعد تمام امت میں ابوبکر صدیق سب سے افضل ہیں اس لیے کہ گذشتہ آیات کی بناء پر اُن کا اَتقیٰ ہونا معلوم ہوا جو ان کے اکرم عند اللہ ہونیکی دلیل ہے۔

اور دوسری آیت سے ان کا اعظم درجۃً ہونا معلوم ہوا اس لیے کہ انہوں نے فتح مکہ سے پہلے اسلام کی مدد کی اور خدا کی راہ میں جان و مال سے اسلام کی مدد کی۔

اور ابوبکر صدیق کی اسلام میں سبقت پہلے گذر چکی اور سفر ہجرت میں آں حضرت ﷺ کی مرافقت اور غار میں آپ کی معیت اور مرض الوفات میں امامت کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آئے گا۔ یہ تمام امور ابوبکر صدیق کی افضیلت کے دلائل ہیں۔

الغرض قریش نے مسلمانوں کی ایذاء رسانی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ درختوں پر بھی لٹکایا پیروں میں رسیاں باندھ کر بھی گھسیٹا۔ پیٹ اور پیٹھ پر تپتی ہوئی سلیں بھی رکھیں سب ہی کچھ کیا مگر دین حق سے کسی ایک کا بھی قدم نہ ڈگمگایا۔ سختیاں اور صعوبتیں جھیلتے ہوئے مر گئے مگر اسلام سے منحرف نہیں ہوئے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

یہ تو ان لوگوں کا ذکر تھا کہ جو کسی کے غلام یا غریب الوطن تھے۔ مشرکین کے دست ستم سے وہ لوگ بھی محفوظ نہ رہے کہ جن کو خاندانی عزت اور وجاہت بھی حاصل تھی۔

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو ان کے چچا حکم بن ابی العاص نے ان کو رسی میں باندھ دیا اور یہ کہا کہ کیا تو نے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا خدا کی قسم میں اس دین کو کبھی نہیں چھوڑوں گا اور نہ کبھی اس سے علیحدہ ہوں گا۔ حکم نے جب یہ دیکھا کہ یہ اس دین پر اس قدر محکم اور پختہ ہیں تو چھوڑ دیا۔[۱]

(۲) حضرت زبیر بن عوام جب اسلام لائے تو ان کے چچا ان کو ایک بوریئے میں لپیٹ کر دھواں دیتے تا کہ وہ پھر کفر کی طرف لوٹ آئیں مگر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ یہ فرماتے۔

لا اکفُر اَبَدًا ! میں کبھی بھی کفر نہ کروں گا۔[۲]

---

[۱] طبقات ابن سعد ج:۳،ص:۳۸ [۲] الاصابہ ج:۱،ص:۵۴۵

(۳) حضرت عمر کے بہنوئی اور چچازاد بھائی سعید بن زید جب اسلام لائے تو حضرت عمر نے ان کو رسیوں سے باندھا (صحیح بخاری باب اسلام سعید بن زید)

(۴) خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اسلام لائے تو باپ نے اس قدر مارا کہ سرزخمی ہو گیا اور کھانا پینا بند کر دیا مفصل واقعہ پہلے گذر چکا ہے۔

(۵) حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت طلحہ جب اسلام لائے تو نوفل بن خویلد نے جو قریش کے شیر کہلاتے تھے۔ دونوں کو پکڑ کر ایک رسی میں باندھ دیا۔ اسی وجہ سے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرنین (یعنی دونوں ایک قرن یعنی ایک رسی میں بندھے ہوئے) کہلاتے ہیں (طبقات ابن سعد ترجمہ طلحہ)

(۶) ولید بن ولید اور عیاش بن ابی ربیعۃ اور سلمۃ بن ہشام رضی اللہ عنھم جب اسلام لائے تو کفار مکہ نے اس قدر اذیتیں پہنچائیں کہ ہجرت بھی نہ کرنے دی کہ ہجرت ہی سے ان مصائب کا خاتمہ ہو جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ان لوگوں کی مشرکین مکہ سے خلاصی اور رہائی کے لئے نام بنام صبح کی نماز میں دعا فرمایا کرتے تھے۔ اے اللہ تو ولید بن ولید اور عیاش بن ابی ربیعہ اور سلمۃ بن ہشام کو مشرکین کے پنجۂ ظلم سے نجات دے۔ (صحیح بخاری)

(۷) ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اسلام لائے اور مسجد حرام میں اپنے اسلام کا اعلان کیا تو مشرکین مکہ نے اتنا مارا کہ زمین پر لٹا دیا۔ حضرت عباس نے آ کر بچایا۔ (صحیح بخاری باب اسلام ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

معجزۂ شق القمر

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ

ہجرت مدینہ سے تقریباً[1] پانچ سال پہلے ایک مرتبہ مشرکین مکہ حضور کے پاس جمع ہو کر آئے جن میں ولید بن مغیرہ۔ ابوجہل، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبد یغوث، اسود بن مطلب، زمعۃ بن الاسود، نضر بن حارث وغیرہ وغیرہ بھی تھے۔ آپ

[1] کذا فی روح المعانی تفسیر سورۃ القمر ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

سے یہ درخواست کی کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو اپنی نبوت کا کوئی خاص نشان دکھلائیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ کہا کہ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلاؤ۔ رات کا وقت تھا اور چودھویں رات کا چاند طلوع کیے ہوئے تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر یہ معجزہ دکھلا دوں تو ایمان بھی لے آؤ گے لوگوں نے کہا ہاں ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضور ﷺ نے حق جل شانہٗ سے دعا کی اور انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا، اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا جبل قعیقعان پر تھا دیر تک لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ حیرت کا یہ عالم تھا کہ اپنی آنکھوں کو کپڑے سے پونچھتے تھے اور چاند کی طرف دیکھتے تھے تو صاف دو ٹکڑے نظر آتے تھے اور حضور اس وقت یہ فرما رہے تھے۔ اشہدوا، اشہدوا اے لوگو گواہ رہو، اے لوگو گواہ رہو۔ عصر اور مغرب کے درمیان جتنا وقت ہوتا ہے اتنی دیر چاند اسی طرح رہا اور اس کے بعد پھر ویسا ہی ہو گیا۔ مشرکین مکہ نے کہا کہ محمدؐ تو نے جادو کر دیا ہے اور آپس میں کہنے لگے کہ تم باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرو اور ان سے دریافت کرو کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ محمدؐ تمام لوگوں پر جادو کر دیں اگر وہ بھی اسی طرح اپنا مشاہدہ بیان کریں تو سچ ہے اور اگر یہ کہیں کہ ہم نے نہیں دیکھا تو سمجھنا کہ محمدؐ نے تم پر سحر کیا ہے۔ چنانچہ مسافروں سے دریافت کیا گیا۔ ہر طرف سے آنے والے مسافروں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ہم نے شق قمر دیکھا ہے مگر ان شہادتوں کے باوجود بھی معاندین ایمان نہ لائے اور یہ کہا کہ یہ سحر مستمر ہے یعنی عنقریب اس کا اثر زائل ہو جائے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔

معجزۂ شق قمر کا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں واقع ہونا قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور اسانید صحیحہ اور جیدہ سے ثابت ہے اور اسی پر تمام سلف اور خلف کا اجماع ہے اور کسی شاذ و نادر نے جو انشق القمر بصیغۂ ماضی کو بمعنی سینشق القمر لیا ہے وہ سراسر ظاہر قرآن اور احادیث صریحہ اور صحیحہ اور تصریحات سلف و خلف کے خلاف ہے جو قابل اعتبار نہیں۔

واقعہ شق القمر کی جو تفصیل ہم نے ذکر کی ہے وہ البدایۃ والنہایۃ للحافظ ابن کثیر اور فتح الباری ابواب انشقاق القمر سے لی ہے۔[1] حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں مخالفین اسلام اس معجزہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اوّل تو یہ بات محال اور ناممکن الوقوع ہے کہ چاند کے دوٹکڑے ہو جائیں دوسرے یہ کہ اس واقعہ کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں۔ جواب یہ ہے کہ آج تک کسی دلیل عقلی سے اس قسم کے واقعہ کا محال اور ناممکن ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

جس طرح اجسام سفلیہ میں کون وفساد عقلاً محال اور ناممکن نہیں اسی طرح اللہ کی قدرت اور مشیت سے اجسام علویہ میں بھی کون وفساد محال نہیں۔ خداوند ذوالجلال کی قدرت کے اعتبار سے آسمان اور زمین شمس اور قمر شجر اور حجر سب برابر ہیں جس خدا نے شمس وقمر کو بنایا ہے وہ خدا ان کو توڑ بھی سکتا ہے اور جوڑ بھی سکتا ہے۔ بہرحال اس قسم کے خوارق کا ظہور قطعاً محال نہیں۔ ہاں مستبعد اور مستغرب ضرور ہے اور ہر معجزہ کیلئے مستبعد ہونا ضروری ہے جو لوگ محض استبعاد کے بنا پر محال قرار دیتے ان کو محال اور مستبعد کا فرق بھی معلوم نہیں۔ رہا یہ امر کہ اس واقعہ کا ذکر تاریخوں میں نہیں تو صدہا اور ہزارہا ایسے عجیب وغریب واقعات ہیں کہ جو وقوع میں آئے مگر تاریخوں میں ان کا ذکر نہیں۔ توریت اور انجیل میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کا کسی تاریخ میں کہیں نام ونشان نہیں۔ نیز شق قمر کا واقعہ رات کا واقعہ ہے جو عموماً لوگوں کے آرام کا وقت ہے جو صرف تھوڑی دیر کے لئے رہا۔ اس لئے اگر عام طور پر لوگوں کو اس کا علم نہ ہو تو تعجب نہیں۔ بسا اوقات چاند اور سورج گہن ہوتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو علم ہی نہیں ہوتا۔ نیز اختلاف مطالع کی وجہ سے بہت سے مقامات پر اس وقت دن ہوگا اور کسی جگہ آدھی رات ہوگی عموماً لوگ سوتے ہوں گے نیز اس معجزہ سے مقصود فقط اہل مکہ کو دکھلانا اور ان پر حجت تمام کرنا تھا وہ مقصود حاصل ہو گیا۔ تمام عالم کو دکھلانا مقصود بھی نہ تھا۔ نیز کسی شے کا دیکھنا اللہ کے دکھلانے پر موقوف ہے۔ اگر کوئی شے نظروں کے سامنے بھی ہو اور اللہ تعالیٰ نہ دکھلانا چاہیں تب بھی وہ شے نظر نہیں آتی۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج:۳، ص:۱۱۸۔۱۲۰ فتح الباری ج:۷، ص:۱۳۸

معجزۂ ردّ شمس [۱]

حضور کے مشہور معجزات میں سے معجزۂ ردّ شمس بھی ہے یعنی آفتاب کا غروب ہو کر پھر نکل آنا اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور خیبر کے قریب مقام صہباء میں تھے اور سر مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں تھا اور ہنوز حضرت علی نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ اسی حالت میں وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ حضور نے پوچھا کہ تم نے عصر کی نماز پڑھی۔ عرض کیا نہیں۔ حضور اسی وقت دست بدعا ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ علی تیرے رسول کی اطاعت میں تھا۔ آفتاب کو واپس بھیج دے تاکہ نماز عصر اپنے وقت پر ادا کر سکے۔ اسماء بنت عمیس کہتی ہیں کہ آفتاب غروب کے بعد لوٹ آیا اور اس کی شعاعیں زمین اور پہاڑوں پر پڑیں۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے اس حدیث کو موضوع اور بے اصل بتلایا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس حدیث کے بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا اور اس کا نام کشف اللبس عن حدیث ردّ شمس رکھا جس میں اس حدیث کے طرق اور اسانید پر کلام فرمایا اور اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا اور علامہ زرقانی نے بھی شرح مواہب میں اس حدیث کا صحیح اور مستند ہونا ثابت کیا۔[۲]

معجزۂ حبس شمس

بعض ضعیف روایتوں میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور کے لئے تھوڑی دیر کے واسطے آفتاب کی حرکت روک دی گئی یہ روایت محدثین کے نزدیک معتبر نہیں (زرقانی ص ۱۱۸ ج ۵ و نسیم الریاض ص ۱۴ ج ۳ و شرح شفا للعلامۃ القاری ص ۵۹۱ ج ۱)

---

۱ یہ معجزہ اگرچہ ہجرت کے بعد ۷ھ میں خیبر سے واپسی میں مقام صہباء میں ظاہر ہوا لیکن شق قمر کی مناسبت سے اس مقام پر ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ واللہ اعلم ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

۲ نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض ج:۳، ص:۱۰، ۱۳ زرقانی ج:۵، ص:۱۱۳۔۱۱۶

چونکہ شق قمر اور ردّ شمس اور حبس شمس یہ تینوں معجزے متقارب تھے اس لئے ہم نے ان تینوں کو ایک ہی سلسلہ میں ذکر کر دیا۔

یہ معجزہ مکہ مکرمہ میں واقع ہوا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے واپس آئے اور قریش کے سامنے اسراء ومعراج کی کیفیت بیان کی تو قریش نے بیت المقدس کی علامتیں دریافت کیں اور آپ سے ایک قافلہ کا حال پوچھا جو بغرض تجارت شام کی طرف گیا ہوا تھا کہ وہ قافلہ کب واپس آئے گا آپ نے فرمایا کہ وہ قافلہ بدھ کے روز مکہ میں داخل ہوگا۔ جب بدھ کا دن اخیر ہونے لگا اور شام ہونے لگی تو کفار نے شور مچایا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو اسی جگہ ٹھہرا دیا جہاں تھا یہاں تک کہ قافلہ آ گیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیق ظاہر کی۔

ہجرت اولیٰ بجانب حبشہ

مشرکین مکہ نے جب یہ دیکھا کہ دن بدن لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے جاتے ہیں اور روز بروز اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے تو متفقہ طور پر مسلمانوں کی ایذاء رسانی پر آمادہ ہوگئے اور طرح طرح سے مسلمانوں کو ستانا شروع کیا تا کہ کسی طرح دین اسلام سے برگشتہ ہو جائیں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تفرقوا فی الارض فان اللّٰہ سیجمعکم قالوا الی این نذهب قال الی هنا و اَشارَ بیدهٖ اِلی ارض الحبشة۔

تم اللہ کی زمین پر کہیں چلے جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ تم سب کو عنقریب جمع کریگا صحابہ نے عرض کیا کہاں جائیں آپ نے ملک حبش کی طرف اشارہ فرمایا۔ رواہ عبدالرزاق عن معمر عن الزہری[۱]

اور یہ بھی فرمایا کہ وہاں ایک بادشاہ ہے کہ جس کی قلمرو میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا اس وقت حضرات صحابہ ظاہری اور جسمانی شدائد اور مصائب سے اکتا کر نہیں بلکہ کفر اور

[۱] عیون الاثر ج:۱ص:۱۱۵

شرک کے فتنہ سے گھبرا کر اپنے دین کو ایمان کے رہزنوں کی دست برد سے بچانے کے لئے اللہ کی طرف بھاگے تا کہ اطمینان کے ساتھ اپنے اللہ کا نام لے سکیں۔ چنانچہ ماہ رجب ۵ھ نبوی میں حضرات ذیل نے حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی۔

مرد	عورتیں
(۱) عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	(۱) حضرت رقیہؓ یعنی رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی اور حضرت عثمان کی زوجۂ محترمہ
(۲) عبدالرحمن بن عوفؓ	
(۳) زبیر بن عوامؓ	
(۴) ابوحذیفۃ بن عتبہؓ	(۲) سہلہ بنت سہیل ابوحذیفہؓ کی بیوی
(۵) مصعب بن عمیرؓ	
(۶) ابوسلمۃ بن عبدالاسدؓ	(۳) ام سلمہ بنت ابی امیہ ابوسلمہؓ کی بیوی جو ابوسلمہؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کی زوجیت سے مشرف ہو کر ام المؤمنین کے لقب سے ملقب ہوئیں۔
(۷) عثمان بن مظعونؓ	
(۸) عامر بن ربیعہؓ	(۴) لیلیٰ بنت ابی خثمہ عامر بن ربیعہ کی بیوی (فتح الباری ص ۱۴۳ ج ۷ باب الہجرت الی الحبشہ)
(۹) سہیل بن بیضاؓ	
(۱۰) ابوسبرۃ بن ابی رہم عامری[۱]	(۵) کلثوم بنت سہیل بن عمرؓ ابوسبرۃ کی بیوی (عیون الاثر)
(۱۱) حاطب بن عمروؓ (عیون الاثر ص ۱۱۵ ج ۱)	

[۱] فتح الباری ص ۱۴۳ ج ۷۔

مہاجرین حبشہ کی فہرست میں محمد بن اسحاق نے حاطب بن عمرو اور ام کلثوم کا نام ذکر نہیں کیا یہ نام حافظ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں ذکر کیے ہیں۔ واقدی نے عبداللہ بن مسعود کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ عبداللہ بن مسعود حبشہ کی پہلی ہجرت میں شریک نہ تھے بلکہ دوسری ہجرت میں شریک تھے جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے اور محمد بن اسحاق بھی یہی فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود حبشہ کی پہلی ہجرت میں شریک نہ تھے بلکہ دوسری ہجرت میں تھے اور مسند احمد کی ایک حسن الاسناد روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے [۱]

یہ گیارہ مرد اور پانچ عورتیں چھپ کر روانہ ہوئے بعض سوار تھے اور بعض پیادہ حسن اتفاق سے جب بندرگاہ پر پہنچے تو دو تجارتی کشتیاں حبشہ جانیوالی تیار تھیں پانچ درہم لیکر ان سب کو سوار کر لیا۔ مشرکین مکہ کو جب خبر ہوئی تو آدمی دوڑائے جب یہ بندرگاہ پہنچے تو کشتیاں پہلے ہی روانہ ہو چکی تھیں (عیون الاثر ص ۱۶۰ ج ۷) حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ حضرات جدہ کے ساحل سے سوار ہوئے (فتح الباری ص ۱۸۰ ج ۷ سطر ۱۱) رجب سے لے کر شوال تک حبشہ میں مقیم رہے شوال میں یہ خبر سن کر کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے حبشہ سے مکہ واپس آ گئے۔ مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے اب یہ لوگ سخت کشمکش میں پڑے لہٰذا کوئی چھپ کر اور کوئی کسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوا۔

ہجرت ثانیہ بجانب حبشہ

اب مشرکین مکہ نے پہلے سے زیادہ ستانا شروع کیا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔ اس وقت حضرات ذیل نے ہجرت فرمائی۔

مرد	عورتیں
(۱) عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	(۱) مع رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[۱] فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۴۳۔

(۲) جعفر بن ابی طالبؓ

(۲) اسماء بنت عمیسؓ حضرۃ جعفر کی بیوی جن کے بطن سے عبداللہ بن جعفرؓ حبشہ میں جا کر پیدا ہوئے۔

(۳) عمرو بن سعید بن العاصؓ

(۳) فاطمہ بنت صفوانؓ زوجہ عمرو بن سعیدؓ۔

(۴) خالد بن سعید بن العاصؓ عمرو بن سعید کے بھائی۔

(۴) اُمَیْنہ بنت خلفؓ زوجۂ خالدؓ۔

(۵) عبداللہ بن جحشؓ

(۶) عبیداللہ بن جحش جو حبشہ جا کر نصرانی ہو گئے اور نصرانیت ہی پر مرے۔

(۵) ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ زوجۂ عبیداللہ جو بعد وفات عبیداللہ بن جحش رسول اللہ جو

(۷) قیس بن عبداللہ

(۶) برکۃ بنت یسارؓ زوجۂ قیس

(۸) معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی

(۹) عتبہ بن غزوانؓ

(۱۰) زبیر بن العوامؓ

(۱۱) ابوحذیفہ بن عتبہؓ

(۱۲) اسود بن نوفلؓ

(۱۳) یزید بن زمعہؓ

(۱۴) عمرو بن امیہؓ

(۱۵) طلیب بن عمیرؓ

(۱۶) مصعب بن عمیرؓ

(۱۷) سویبط بن سعدؓ

(۱۸) جہم بن قیسؓ

(۷) مع زوجہ ام حرملہ بنت عبدالاسودؓ

(۱۹) عمرو بن جہمؓ۔ یعنی جہم بن قیس کے بیٹے۔

(۲۰) خزیمہ بن جہم یعنی جہم کے دوسرے بیٹے۔

(۲۱) ابوالروم بن عمیرؓ یعنی مصعب بن عمیرؓ کے بھائی۔

(۲۲) فراس بن النضرؓ

(۲۳) عبدالرحمٰن بن عوفؓ

(۲۴) عامر بن ابی وقاصؓ

(۲۵) مطلب بن ازہرؓ (۸) مع بیوی۔ رملہ بنت عوفؓ

(۲۶) عبداللہ بن مسعودؓ

(۲۷) عتبہ بن مسعودؓ یعنی عبداللہ بن مسعود کے بھائی۔

(۲۸) مقداد بن عمروؓ

(۲۹) حارث بن خالدؓ (۹) مع بیوی ریطہ بنت حارث بن جَبلہ جن سے ارض حبشہ میں موسیٰ اور عائشہ اور زینب اور فاطمہ پیدا ہوئے۔

(۳۰) عمرو بن عثمانؓ

(۳۱) ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ (۱۰) مع زوجہ۔ ام سلمہؓ جن سے حبشہ میں زینب پیدا ہوئیں جو ابوسلمہ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ کہلائیں

(۳۲) شماسؓ جن کو عثمان بن عبدالشرید کہتے ہیں

(۳۳) ھبّار بن سفیان بن عبد الاسدؓ

(۳۴) عبد اللہ بن سفیانؓ ھبار کے بھائی

(۳۵) ہشام بن ابی حذیفہؓ

(۳۶) سلمۃ بن ہشامؓ

(۳۷) عیاش بن ابی ربیعہؓ

(۳۸) معتب بن عوفؓ

(۳۹) عثمان بن مظعونؓ

(۴۰) سائب بن عثمانؓ

(۴۱) قدامۃ بن مظعونؓ

(۴۲) عبد اللہ بن مظعونؓ قدامۃ اور عبد اللہ یہ دونوں سائب کے چچا ہیں

(۴۳) حاطب بن الحارثؓ — (۱۱) مع بیوی فاطمہ بنت مجللؓ

(۴۴) محمد بن حاطبؓ

(۴۵) حارث بن حاطبؓ یعنی حاطب کے دونوں بیٹے

(۴۶) خطاب بن الحارثؓ یعنی حاطب بن الحارث کے بھائی — (۱۲) مع بیوی فکیہہ بنت یسارؓ

(۴۷) سفیان بن معمرؓ — (۱۳) مع بیوی حسنۃؓ

(۴۸) جابر بن سفیانؓ

(۴۹) جنادہ بن سفیان یعنی سفیان کے بیٹے حسنہ کے بطن سے۔

(۵۰) شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ یعنی جابر اور سفیان
کے اخیافی بھائی۔
(۵۱) عثمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
(۵۲) خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ
(۵۳) قیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ
(۵۴) عبداللہ بن حذافہ سہمی یہ تینوں بھائی
ہیں۔
(۵۵) عبداللہ بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ
(۵۶) ہشام بن العاص سہمی رضی اللہ عنہ
(۵۷) ابو قیس بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ
(۵۸) حارث بن الحارث بن قیس سہمی رضی اللہ عنہ
(۵۹) معمر بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ
(۶۰) بشر بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ
(۶۱) سعید بن عمرو سہمی رضی اللہ عنہ بشر بن الحارث کے
اخیافی بھائی
(۶۲) سعید بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ
(۶۳) سائب بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ
(۶۴) عمیر بن رئاب سہمی رضی اللہ عنہ
(۶۵) محمیۃ بن جزء رضی اللہ عنہ
(۶۶) معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
(۶۷) عروۃ بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ
(۶۸) عدی بن نضلہ رضی اللہ عنہ

(۶۹) نعمان بن عدیؓ یعنی عدی بن نضلہ

کے بیٹے

(۷۰) عامر بن ربیعہؓ

(۷۱) ابو سبرۃ بن ابی رہمؓ (۱۴) مع بیوی ام کلثوم بنت سہیلؓ

(۷۲) عبداللہ بن مخرمہؓ

(۷۳) عبداللہ بن سہیل بن عمروؓ

(۷۴) سلیط بن عمروؓ

(۷۵) سکران بن عمروؓ یعنی سلیط کے بھائی (۱۵) مع بیوی سودہ بنت زمعہؓ

(۷۶) مالک بن ربیعہؓ (۱۶) مع بیوی عمرہ بنت سعدیؓ

(۷۷) ابو حاطب بن عمروؓ

(۷۸) سعد بن خولہؓ

(۷۹) ابو عبیدۃ عامر بن الجراحؓ

(۸۰) سہیل بن بیضاءؓ

(۸۱) عمرو بن ابی سرحؓ

(۸۲) عیاض بن زہیرؓ

(۸۳) عمرو بن الحارث بن زہیرؓ

(۸۴) عثمان بن عبد غنمؓ

(۸۵) سعد بن عبد قیسؓ

(۸۶) حارث بن عبد قیسؓ

(سیرۃ ابن ہشام ص ۱۱۱ ج ۱ تا ص ۱۱۴ ج ۱ و عیون الاثر ص ۱۱۶ ج ۱)

ابن ہشام نے مہاجرین حبشہ کے اسمائے گرامی مع انساب وقبائل نہایت تفصیل سے ذکر کیے ہیں اور حافظ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں اختصار کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔

عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں علماء سیر کا اختلاف ہے کہ وہ مہاجرین حبشہ میں تھے یا نہیں، محمد بن اسحاق نے مہاجرین حبش میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا اسم مبارک بھی ذکر کیا ہے واقدی اور دیگر علماء اس کے منکر ہیں۔ بعض علماء نے یہاں تک کہہ دیا کہ محمد بن اسحاق جیسے امام پر اس کا مخفی رہنا نہایت مستبعد ہے۔ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ حقیقت حال یہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعری یمن کے رہنے والے ہیں۔ ابتدائے بعثت میں مکہ مکرمہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور پھر یمن واپس ہو گئے اور جب حضرت جعفر اور دیگر صحابہ کا ہجرت کر کے حبشہ آنا معلوم ہوا تو چونکہ حبشہ یمن سے قریب تھا اس لئے ابوموسیٰ یمن سے ہجرت فرما کر حبشہ چلے آئے اور وہیں مقیم رہے اور پھر حضرت جعفر کے ساتھ ۷ھ میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے چونکہ ابوموسیٰ اشعری نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اگرچہ وہ ہجرت مکہ سے نہ تھی بلکہ یمن سے تھی اس لئے محمد بن اسحاق نے ابوموسیٰ اشعری کو بایں معنی مہاجرین حبشہ کی فہرست میں ذکر کر دیا کہ جن لوگوں نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی خواہ وہ مکہ سے ہو یا یمن سے یا اور کسی مقام سے ان میں ابوموسیٰ اشعری بھی شامل ہیں ہاں اگر محمد بن اسحاق یہ فرماتے کہ ابوموسیٰ اشعری نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو بے شک قابل رشک انکار تھا۔[۱]

قریش نے جب یہ دیکھا کہ صحابۂ کرام حبشہ میں جا کر مطمئن ہو گئے اور اطمینان کے ساتھ ارکان اسلام بجالانے لگے۔ تو مشورہ کر کے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو نجاشی اور اس کے تمام ندماء اور مقربین کے لئے تحائف اور ہدایا دے کر اپنا ہم خیال بنا لینا چاہا۔ چنانچہ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ یہ دونوں حبشہ پہنچے اوّل تمام ندماء اور مصاحبین کو نذریں پیش کیں اور یہ بیان کیا کہ ہمارے شہر کے چند سفیہ اور نادان اپنا آبائی دین چھوڑ کر تمہارے شہر میں پناہ گزیں ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ کر تمہارا دین بھی اختیار نہیں کیا یعنی عیسائی بھی نہیں ہو گئے بلکہ ایک نیا دین اختیار کیا ہے جس سے نہ ہم اور نہ آپ کوئی بھی واقف نہیں۔ ہماری قوم کے اشراف اور سر برآوردہ

---

[۱] زاد المعاد۔ ج:۲،ص:۴۵، فتح الباری ج:۷،ص:۱۴۳

لوگوں نے ہم کو بادشاہ کی خدمت میں اس لیے بھیجا ہے کہ یہ لوگ ہمارے حوالے کر دیئے جائیں۔ آپ حضرات بادشاہ سے سفارش کیجئے کہ ان لوگوں کو بغیر کسی مکالمہ اور گفتگو کے ہمارے سپرد کر دے۔ چنانچہ جب وہ لوگ باریاب ہوئے اور تحائف اور ہدایا کی نذر پیش کر کے اپنے مدّعا کو پیش کیا تو مقربین اور مصاحبین نے پوری تائید کی۔ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو یہ بہت شاق اور گراں تھا کہ شاہ حبشہ صحابہ کرام کو بلا کر ان سے کچھ دریافت کرے یا ان کی کسی بات کو سنے۔

ناظرین خوب سمجھ سکتے ہیں کہ شاہ حبشہ کا صحابہ سے کسی قسم کا سوال یا گفتگو کرنا کیوں شاق اور گراں تھا اور یہ کیوں چاہتے تھے کہ بادشاہ بغیر کسی مکالمے اور گفتگو کے ان لوگوں کو ہمارے سپرد کر دے۔ وجہ ظاہر ہے وہ یہ کہ یہ خوب سمجھتے تھے کہ حق ان لوگوں کی زبان سے نکلا۔ اور اُدھر دل میں اترا۔ غرض یہ کہ ان لوگوں نے بادشاہ کے سامنے اپنا مدعا پیش کیا اور درباریوں نے پوری تائید کی کہ یہ لوگ اس وفد کے حوالے کر دیئے جائیں۔ جس چیز کا اندیشہ تھا وہی سامنے آئی نجاشی کو غصہ آ گیا اور صاف کہہ دیا کہ میں بغیر دریافت حال اور بدون گفتگو کے تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو لوگ اپنا وطن چھوڑ کر میرے قلمرو میں آ ٹھہرے ہیں ان کو بغیر کسی تحقیق اور تفتیش کے ان کے مخالفوں کے حوالے کر دوں؟ اور ایک آدمی صحابہ کے بلانے کے لئے روانہ کیا۔ قاصد صحابہ کے پاس پہنچا اور بادشاہ کا پیام پہنچایا۔ اس وقت صحابہ میں سے کسی نے یہ کہا کہ دربار میں پہنچ کر کیا کہو گے (یعنی بادشاہ تو عیسائی ہے اور ہم مسلمان ہیں بہت سے عقائد میں اس کے خلاف ہیں) صحابہ نے کہا کہ ہم دربار میں وہی کہیں گے جو ہمارے نبی نے ہم کو سکھایا اور بتایا ہے جو کچھ بھی ہو اس سے سر مو تجاوز نہ کریں گے دربار میں پہنچے اور صرف سلام پر اکتفا کیا۔ بادشاہ کو سجدہ کسی نے نہ کیا۔ شاہی مقربین کو مسلمانوں کا یہ طرز عمل بہت گراں گذرا چنانچہ اسی وقت ندماء اور مصاحبین مسلمانوں سے سوال کر بیٹھے کہ آپ لوگوں نے شاہ ذی جاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا اور ایک روایت میں ہے کہ بادشاہ نے خود بھی سوال کیا کہ تم نے

سجدہ کیوں نہیں کیا۔ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہم سوائے اللہ کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا اُس نے ہم کو یہی حکم دیا ہے کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کو سجدہ نہ کریں۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی طرح سلام کرتے ہیں اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو اسی طرح سلام کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے کہ اہل جنت بھی اسی طرح ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ رہا سجدہ تو اللہ کی پناہ کہ ہم سوائے خدا کے کسی کو سجدہ کریں اور تم کو اللہ کے برابر گردانیں نجاشی نے صحابہ سے مخاطب ہو کر دریافت کیا کہ عیسائیت اور بت پرستی کے سوا وہ کون سا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے۔ صحابہؓ کی جماعت میں سے حضرت جعفرؓ بادشاہ کے جواب کے لئے اُٹھے۔

دربارِ نجاشی میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر دل پذیر اور نجاشی پر اس کا اثر

ایھا الملك اے بادشاہ! ہم سب جاہل اور نادان تھے۔ بتوں کو پوجتے اور مردار کو کھاتے تھے قسم قسم کی بے حیائیوں میں مبتلا تھے۔ قرابتوں کو قطع کرتے پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے۔ ہم میں جو زبردست ہوتا وہ یہ چاہتا کہ کمزور کو کھا جائے۔ اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا ہم میں سے اپنا ایک پیغمبر بھیجا جس کے حسب ونسب اور صدق اور امانت اور پاکدامنی اور عفت کو ہم خوب پہچانتے ہیں اس نے ہم کو اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اس کو ایک مانیں اور ایک جانیں اور ایک سمجھیں صرف اسی کی عبادت اور بندگی کریں اور جن بتوں اور پتھروں کی ہم اور ہمارے آباؤ اجداد پرستش کرتے تھے اُن سب کو یک لخت چھوڑ دیں۔ سچائی اور امانت اور صلہ رحمی اور پڑوسیوں سے حُسنِ سلوک اور خونریزی اور حرام باتوں سے بچنے کا حکم دیا اور تمام بے حیائیوں سے اور باطل اور ناحق کہنے سے اور یتیم کا مال کھانے سے اور کسی پاک دامن پر تہمت لگانے سے ہم کو منع کیا

اور یہ حکم دیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں کسی کو اس کا شریک نہ کریں۔ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور روزہ رکھیں غرض یہ کہ جان اور مال سے خدا کی راہ میں دریغ نہ کریں۔“

حضرت جعفر نے اس کے علاوہ اور بھی تعلیمات اسلام کا ذکر کر کے فرمایا پس ہم نے اُن کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے اور جو کچھ وہ منجانب اللہ لے کر آئے اس کا اتباع اور پیروی کی۔ چنانچہ ہم صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ حلال چیزوں کو کرتے ہیں اور حرام چیزوں سے بچتے ہیں محض اس پر ہماری قوم نے ہم کو طرح طرح سے ستایا اور قسم قسم کی اذیتیں پہونچائیں تا کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر گذشتہ بے حیائیوں میں پھر مبتلا ہو جائیں جب ہم ان کے مظالم سے تنگ آ گئے اور اپنے دین پر چلنا اور ایک خدا کی عبادت اور بندگی کرنا دشوار ہو گیا تب ہم نے اپنا وطن چھوڑا اور اس امید پر کہ آپ ظلم نہ کریں گے۔ آپ کی ہمسائیگی کو سب پر ترجیح دی۔ نجاشی نے کہا کیا تم کو اس کلام میں سے کچھ یاد ہے جو تمہارے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائے ہیں۔ حضرۃ جعفرؓ نے فرمایا ہاں نجاشی نے کہا اچھا اس میں سے کچھ پڑھ کر مجھ کو سناؤ۔ حضرۃ جعفرؓ نے سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سنایا۔ بادشاہ اور تمام درباریوں کے آنسو نکل آئے روتے روتے بادشاہ کی ڈاڑھی تر ہو گئی (معلوم ہوا کہ بادشاہ ڈاڑھی رکھتا تھا اور یہی تمام انبیاء کا طریق رہا۔ معاذ اللہ کسی پیغمبر نے کبھی ڈاڑھی نہیں منڈوائی۔ ڈاڑھی رکھنا خاص حضرات انبیاء و مرسلین کا طریق رہا) جب حضرۃ جعفرؓ تلاوت[1] ختم فرما چکے تو نجاشی نے کہا یہ کلام اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ السلام لیکر آئے دونوں ایک ہی شمع دان سے نکلے ہوئے ہیں اور قریش کے وفد سے صاف طور پر کہہ دیا کہ میں ان لوگوں کو ہرگز تمہارے سپرد نہ کروں گا اور نہ اس کا کوئی امکان ہے۔ جب عمرو بن العاصؓ اور عبداللہ بن ابی ربیعہ اس طرح بادشاہ کے دربار

---

[1] دلائل ابی نعیم ص ۸۱ ج ۱ میں ہے۔ فقرأ علیہم جعفر سورۃ مریم فلما سمعہا عرف انہ الحق حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی تلاوت فرمائی نجاشی نے سنتے ہی پہچان لیا کہ یہ حق ہے اور حضرۃ جعفرؓ سے یہ کہا زدنا من ہٰذا الکلام الطیب اے جعفر اس پاکیزہ کلام میں سے کچھ اور سناؤ حضرۃ جعفر نے ایک دوسری سورۃ پڑھ کر سنائی۔ نجاشی نے سنتے ہی کہا بے شک حق ہے۔ تم نے سچ کہا اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سچ کہا اور خدا کی قسم تم سب راست باز ہو اللہ کے نام پر یہاں امن و امان کے ساتھ رہو۔ ۱۲

سے بے نیل ومرام باہر نکلے تو عمرو بن العاص نے کہا کہ میں کل بادشاہ کے سامنے ایسی بات کہوں گا جس سے وہ ان لوگوں کو بالکل نیست ونابود ہی کردے گا۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ نے کہا ایسا ہرگز نہ کرنا ان لوگوں سے ہماری قرابتیں ہیں یہ ہمارے عزیز اور رشتہ دار ہیں اگرچہ مذہباً ہمارے مخالف ہیں مگر عمرو بن العاص نے ایک نہ سنی۔ اگلا روز ہوا کہ عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ اے بادشاہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں بہت ہی سخت بات کہتے ہیں۔ نجاشی نے صحابہ کو بلا بھیجا۔ اسوقت صحابہ کو بہت تشویش ہوئی۔ جماعت میں سے کسی نے کہا کہ بادشاہ سے حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں کیا کہو گے۔ اس پر سب نے متفقہ طور پر کہا کہ خدا کی قسم ہم وہی کہیں گے جو اللہ نے اور اس کے رسول نے کہا ہے جو کچھ بھی ہو ذرہ برابر اس کے خلاف نہ کہیں گے۔

دربار میں پہنچے نجاشی نے مسلمانوں سے مخاطب[1] ہو کر دریافت کیا کہ تم لوگ حضرۃ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ حضرۃ جعفر نے فرمایا ہم ان کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اور خدا کی خاص روح اور خدا کا خاص کلمہ تھے۔ نجاشی نے زمین پر سے ایک تنکا اٹھا کر یہ کہا۔ خدا کی قسم مسلمانوں نے جو کہا ہے عیسیٰ علیہ السلام اس سے ایک تنکے کی مقدار بھی زائد نہیں۔ اس پر درباریوں نے بہت ناک بھوں چڑھائے مگر نجاشی نے ذرہ برابر پرواہ نہ کی اور صاف کہہ دیا کہ تم کتنا ہی ناک بھوں چڑھاؤ مگر حقیقت ایسی ہے اور مسلمانوں سے کہا کہ تم امن سے رہو ایک سونے کا پہاڑ لے کر بھی میں تم کو ستانا پسند نہیں کرتا۔ اور حکم دیا کہ قریش کے تمام تحائف اور ہدایا واپس

---

[1] ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت میں ہے کہ اس کے بعد نجاشی نے یہ کہا مرحبا بکم وبمن جئتم من عندہ اشھد انہ رسول اللہ وانہ الذی بشر بہ عیسی ولولا ما انا فیہ من الملک لاتیتہ حتی اقبل نعلیہ مرحبا تم کو اور اس کو بھی کہ جس کے پاس سے تم آئے ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور تحقیق وہی پیغمبر ہیں جن کی حضرت عیسی نے بشارت دی ہے اور اگر یہ سلطنت کا کام نہ ہوتا تو ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کے جوتوں کو بوسہ دیتا اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ جب تک چاہو میری زمین میں رہو اور کھانے اور کپڑے کا بھی ہمارے لیے حکم دیا۔ رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح مجمع الزوائد ص ۳۱ ج ۶ باب الھجرۃ الی الحبشہ۔

کردیئے جائیں۔ مجھ کو ان کے نذرانوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ واللہ خدا نے میرا ملک اور میری سلطنت بغیر رشوت کے مجھ کو دلائی۔ لہٰذا میں تم سے رشوت لے کر ان لوگوں کو ہرگز تمہارے سپرد نہ کروں گا۔ دربار ختم ہوا اور مسلمان نہایت شاداں و فرحاں اور قریش کا وفد نہایت ذلت و ندامت کے ساتھ باہر نکلا۔ (مسند احمد بن حنبل ص ۲۰۱ ج ۱ حدیث جعفرؓ بن ابی طالب فی الهجرة) قال الحافظ الهیثمی رواه احمد ورجاله رجال الصحیح غیر محمد بن اسحاق وقد صرح بالسماع (مجمع الزوائد ص ۲۷ ج ۶۔ سیرة ابن ہشام ص ۱۱۵ ج ۱)

یہ تمام تفصیل مسند احمد اور سیرة ابن ہشام میں مذکور ہے صرف دربار میں صحابہ کے سجدہ نہ کرنے کا واقعہ عیون الاثر ص ۱۱۸ ج ۱ میں اجمالاً اور دلائل ابی نعیم ص ۸۱ ج ۱ میں تفصیلاً مذکور ہے اور مجمع الزوائد باب الهجرة الی الحبشہ میں متعدد روایتیں اسی مضمون کی صراحۃً موجود ہیں ص ۲۳ ج ۶ سے ص ۳۳ ج ۶ تک مراجعت کریں۔ زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ام سلمہ کی یہ مفصل حدیث عروة بن الزبیر سے ذکر کی تو عروہؓ نے مجھ سے یہ کہا کہ تم کو معلوم بھی ہے کہ نجاشی کے اس قول کا کہ اللہ نے کو بغیر رشوت کے میرا ملک مجھے واپس فرمایا کیا مطلب ہے میں نے کہا نہیں۔ عروہؓ نے کہا کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھ سے بیان کیا کہ نجاشی کا باپ حبشہ کا بادشاہ تھا نجاشی کے سوا اس کا کوئی اور بیٹا نہ تھا۔ بادشاہ کے بھائی یعنی نجاشی کے چچا کے بارہ لڑکے تھے۔ ایک مرتبہ اہل حبشہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ نجاشی تو اپنے باپ کا ایک ہی بیٹا ہے اور بادشاہ کا بھائی کثیر الاولاد ہے اس لیے بادشاہ کو قتل کر کے بادشاہ کے بھائی یعنی نجاشی کے چچا کو بادشاہ بنالینا چاہیے تاکہ زمانۂ دراز تک اسی خاندان میں بادشاہت کا سلسلہ قائم رہے چنانچہ بادشاہ کو قتل کر کے بادشاہ کے بھائی کو بادشاہ بنالیا اور نجاشی اپنے چچا کی تربیت میں آگیا۔ نجاشی نہایت ہوشیار اور سمجھدار تھا۔ اسی وجہ سے چچا کی نظر میں جو نجاشی کی وقعت تھی وہ کسی کی نہ تھی نوبت یہاں تک پہنچی کہ بادشاہ کے ہر کام میں نجاشی ہی دخیل نظر آنے لگا۔ اہل حبشہ کو اس کی ہوشیاری سے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں اپنے باپ کا انتقام نہ لے اس لیے بادشاہ

سے درخواست کی کہ اس کو قتل کرادے۔ بادشاہ نے کہا کہ کل تو تم نے اسکے باپ کو قتل کیا اور آج اس کے بیٹے کو قتل کرنا چاہتے ہو مجھ سے یہ ناممکن ہے بہت سے بہت یہ ہوسکتا ہے کہ میں اس کو یہاں سے علیحدہ کردوں لوگوں نے اس کو منظور کیا اور نجاشی کو بادشاہ سے لیکر ایک تاجر کے ہاتھ چھ سو درہم میں فروخت کرڈالا۔ تاجر نجاشی کو لے کر روانہ ہوا۔ شام ہی کو یہ واقعہ پیش آیا کہ بادشاہ پر بجلی گری۔ بادشاہ تو بجلی گرتے ہی مرگیا۔ اب لوگوں میں ہلچل پڑی کہ کس کو بادشاہ بنائیں۔ بارہ بیٹوں میں سے کوئی بھی تخت نشینی کے قابل نظر نہ آیا۔ بارہ کے بارہ اوّل سے آخر تک سب احمق اور نادان تھے۔ اس وقت لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ اگر اپنے ملک کی فلاح و بہبود چاہتے ہو تو نجاشی کو واپس لاکر تخت نشین کرو۔ لوگ نجاشی کی خاطر اس تاجر کی تلاش میں ہر طرف دوڑائے۔ اس تاجر سے نجاشی کو واپس لاکر تخت نشین کیا۔ تخت نشینی کے بعد وہ تاجر آیا اور زرِ ثمن کا مطالبہ کیا۔ نجاشی نے اس کے چھ سو درہم واپس دیئے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نجاشی کا قریش کے وفد کو مخاطب بنا کر یہ کہنا کہ اللہ نے بغیر رشوت کے میرا ملک واپس کیا۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا[1] نجاشی کے اس اعلان کے بعد مہاجرین اطمینان کے ساتھ حبشہ میں مقیم رہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو اکثر لوگ تو خبر سنتے ہی حبشہ سے مدینہ واپس آگئے جن میں چوبیس آدمی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے باقی ماندہ لوگ حضرت جعفرؓ کی معیت میں ۷ھ فتح خیبر کے وقت حبشہ سے مدینہ منورہ پہونچے (عیون الاثر و فتح الباری باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ۔)

وفد قریش سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے تین سوال

عروۃ بن الزبیر راوی ہیں کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نجاشی سے کہا کہ میں ان لوگوں سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں آپ ان سے جواب طلب فرمائیں۔

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۷۵

(۱) کیا ہم کسی کے غلام ہیں جو اپنے آقاؤں سے بھاگ کر آئے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو بیشک ہم لائق واپسی ہیں۔

نجاشی نے عمرو بن العاص سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ لوگ کسی کے غلام ہیں۔ عمرو بن العاص نے کہا بَلْ اَحْرَارٌ کِرَامٌ. غلام نہیں بلکہ آزاد اور شریف ہیں۔

(۲) حضرت جعفرؓ نے نجاشی سے کہا آپ ان سے یہ بھی دریافت کریں کہ کیا ہم کسی کا خون کر کے آئے ہیں۔ اگر ہم کسی کا ناحق خون کر کے آئے ہیں تو آپ بلا تامل ہم کو اولیاء مقتول کے حوالے کر دیجئے۔

نجاشی نے عمرو بن العاص سے مخاطب ہو کر کہا۔

هل اهرقوا دما بغير حقه	کیا یہ لوگ ناحق خون کر کے آئے ہیں۔

عمرو بن العاص نے کہا۔

لاقطرة من دم.	خون کا ایک قطرہ بھی نہیں۔

(۳) حضرت جعفرؓ نے نجاشی سے کہا آپ ان سے یہ بھی دریافت کریں۔ کیا ہم کسی کا کچھ مال لیکر بھاگے ہیں اگر بالفرض ہم کسی کا مال لے کر آئے ہیں تو ہم اس کو ادا کرنے کے لیے تیار ہیں نجاشی نے عمرو بن العاص سے مخاطب ہو کر کہا۔ اگر یہ لوگ کسی کا مال لے کر آئے ہیں تو میں اس کا کفیل اور ضامن اور اس کے تاوان کا ذمہ دار ہوں۔

عمرو بن العاص نے کہا:۔

ولا قيراط	یہ لوگ تو کسی کا ایک قیراط یعنی ایک پیسہ بھی لیکر نہیں آئے۔

نجاشی نے وفد قریش سے مخاطب ہو کر کہا پھر کس چیز کا مطالبہ ہے

عمرو بن العاص نے کہا ہم اور یہ ایک دین پر تھے ہم اسی دین پر قائم رہے اور ان لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا اور ایک نیا دین اختیار کر لیا۔

نجاشی نے صحابہ سے مخاطب ہو کر کہا جس دین کو تم نے چھوڑا اور جس دین کو تم نے اختیار کیا وہ کیا دین ہے۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

اما الذی کنا علیہ فدین الشیطان وامر الشیطان نکفر باللہ ونعبد الحجارۃ و اما الذی نحن علیہ فدین اللہ عزوجل نخبرک ان اللہ بعث الینا رسولا کما بعث الی الذین من قبلنا فاتانا بالصدق والبر و نہانا عن عبادۃ الاوثان فصدقناہ واٰمنا بہ واتبعناہ۔ فلما فعلنا ذلک عادانا قومنا و ارادوا قتل النبی الصادق وردنا فی عبادۃ الاوثان ففررنا الیک بدیننا و دمائنا ولو اقرنا قومنا لاستقر رنا فذلک خبرنا۔	جس دین پر ہم پہلے قائم تھے وہ شیطان کا دین تھا اور شیطان کا حکم تھا وہ دین یہ تھا کہ ہم اللہ کے منکر تھے پتھروں کی عبادت کرتے تھے اور اب جس دین پر قائم ہیں وہ اللہ جل شانہٗ کا دین ہے اللہ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا جیسا کہ ہم سے پہلی امتوں کی طرف نبی اور رسول بھیجے پس وہ رسول سچائی اور نیکی کو لیکر آئے اور ہم کو بتوں کی پرستش سے منع کیا ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے ان کے پیرو ہوگئے اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی اور اس سچے نبی کے قتل پر تل گئی اور یہ ارادہ کرلیا کہ ہم کو پھر اسی بت پرستی میں لوٹا دیں۔ پس ہم اپنا ایمان اور اپنی جان لے کر آپ کی طرف بھاگ کر آئے اگر ہماری قوم ہم کو وطن میں رہنے دیتی تو ہم نہ نکلتے یہ ہے ہمارا قصہ[1]

حضرت جعفرؓ اور ان کے رفقاء نے جب حبشہ سے مدینہ منورہ کا قصد کیا تو نجاشی نے سب کا سفر خرچ اور زادراہ دیا اور مزید برآں کچھ ہدایا اور تحائف بھی دیئے اور ایک قاصد

[1] دلائل ابی نعیم۔ ج:۱ص:۸۰

ہمراہ کیا اور یہ کہا کہ میں نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا ہے اس کی اطلاع آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دینا اور کہنا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں اور آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے لیے استغفار یعنی دُعاء مغفرت فرمائیں۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حبشہ سے روانہ ہوئے اور آپ ؐ کی خدمت میں پہنچے آپ نے مجھ کو گلے لگالیا اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ میں فتح خیبر سے زیادہ مسرور ہوں یا جعفر کے آنے سے پھر آپ بیٹھ گئے نجاشی کے قاصد نے کھڑے ہو کر عرض کیا (یارسول اللہ ؐ) یہ جعفر آپ کے سامنے موجود ہیں آپ ان سے دریافت فرمالیں کہ ہمارے بادشاہ نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔ حضرت جعفر نے کہا بے شک نجاشی نے ہمارے ساتھ ایسا اور ایسا معاملہ کیا۔ یہاں تک کہ چلتے وقت ہم کو سواری دی اور توشہ دیا اور ہماری امداد کی اور گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کی بھی گواہی دی کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور آپ سے یہ درخواست کی ہے کہ آپ میرے لیے دُعائے مغفرت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اٹھے اور وضو کیا اور تین بار یہ دُعا فرمائی:

اللّٰھم اغفر للنجاشی | اے اللہ تو نجاشی کی مغفرت فرما۔

اور سب مسلمانوں نے آمین کہا۔ حضرت جعفرؓ کہتے ہیں میں نے قاصد سے کہہ دیا کہ جب تم واپس جاؤ تو جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تم نے دیکھا ہے وہ جا کر بادشاہ سے بیان کر دینا۔ رواہ الطبرانی من طریق اسد بن عمرو عن مجاہد وکلاہما ضعیف وقد وثقا (مجمع الزوائد ص ۳۰ ج ۶ باب الہجرۃ الی الحبشہ) ۱۲۔

اِسلام عمر بن الخطّاب رضی اللہ عنہ ۶ نبوی [۱]

حضرت عمرؓ کے اسلام کا اصلی اور حقیقی سبب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے۔

---

[۱] حضرت عمر حبشہ کی ہجرت اولیٰ کے بعد اور ہجرت ثانیہ سے قبل ۶ ھ میں مشرف با سلام ہوئے اور بعض لکھتے ہیں کہ ۵ ھ میں اسلام لائے۔ زرقانی ص ۲۷۲ ج ۱۔ اسلام فاروقؓ ۔ ۱۲

ہیچ عاشق خود نباشد وصل جو ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ نہ معشوقش بود جویائے او

میل معشوقاں نہانست و ستیر ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ میل عاشق با دو صد طبل و نفیر

اوّل آپ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ یعنی در پردہ ابو جہل اور عمر بن الخطاب میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اسی سے اسلام کو عزّت دے (رواہ احمد والترمذی وقال حدیث حسن صحیح) ابن عساکرؒ فرماتے ہیں کہ بعدازاں بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف ہوا کہ ابو جہل اسلام نہ لائے گا تو اس وقت آپ نے خاص حضرت عمر کے لیے یہ دعا فرمائی۔

اللّٰھم اید الاسلام بعمر بن الخطاب خاصةً۔	اے اللہ خاص عمر بن الخطاب سے اسلام کو قوت دے۔

یہ حدیث سنن ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے حاکمؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے بھی حاکمؒ کی موافقت فرمائی۔

غرض یہ کہ حضرت عمرؓ کے اسلام کا اصلی اور حقیقی سبب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے جاذبانہ ہے۔ باقی سبب ظاہری یہ ہے کہ جو حضرت عمرؓ سے منقول ہے۔ وہوہٰذا۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت مخالف اور دین اسلام سے سخت متنفر اور بیزار تھا۔

بُدعمر را نام ایں جا بت پرست ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ لیک مومن بود نامش در اَلَست

ابو جہل نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص محمد "صلی اللہ علیہ وسلم" کو قتل کر ڈالے اس کے لیے میں ۱۰۰ اونٹ کا کفیل اور ضامن ہوں۔ عمر کہتے ہیں کہ میں نے بالمشافہ ابو جہل سے دریافت کیا کہ تمہاری جانب سے کیا یہ کفالت اور ضمانت صحیح ہے۔ ابو جہل نے کہا ہاں عمر کہتے ہیں کہ میں آپ کے قتل کے ارادہ سے تلوار لے کر روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک بچھڑا نظر پڑا جسے لوگ ذبح کرنے کا ارادہ کر رہے تھے میں بھی دیکھنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ یکایک دیکھتا کیا ہوں کہ کوئی پکارنے والا بچھڑے کے پیٹ میں سے پکار کر یہ کہہ رہا ہے۔

یا اٰل ذَرِیح۔ اَمرٌ نَجِیحٌ۔ رَجُلٌ یَصِیحُ بلسان فصیحٌ یدعوالی شھادۃ ان لاالٰہ الا اللّٰہ وان محمدا رسول اللّٰہ	اے آل ذریح ایک کامیاب امر ہے ایک مرد ہے جو فصیح زبان کے ساتھ چیخ رہا ہے لوگوں کو شہادۃ ان لا الہٰ الااللہ وان محمدا رسول اللہ کی طرف بلا رہا ہے۔

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ یہ آواز سنتے ہی معاً میرے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھ کو ہی یہ آواز دی جارہی ہے اور میں ہی اس آواز کا مخاطب ہوں (رواہ ابونعیم عن طلحہ وعائشہ عن عمر[۱]) اور بچھڑے میں سے آواز سنائی دینے کا واقعہ صحیح بخاری میں بھی مذکور ہے (صحیح بخاری باب اسلام عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

لیکن عمر پھر بھی اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور آگے بڑھے۔ کچھ قدم چل کر نعیم بن عبداللہ نحّام ملے اور پوچھا کہ اے عمر اس دوپہر میں کس ارادہ سے جارہے ہو عمر نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کا ارادہ ہے۔ نعیم نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے بنی ہاشم اور بنی زہرہ سے کس طرح بچ سکو گے۔ عمر نے کہا میں گمان کرتا ہوں کہ تو بھی صابی (بددین) ہو گیا ہے اور اپنا آبائی مذہب چھوڑ بیٹھا ہے نعیم نے کہا آپ مجھ سے کیا کہتے ہیں آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کی بہن فاطمہ بنت خطاب اور آپ کے بہنوئی سعید بن زید دونوں صابی ہو چکے ہیں اور تمہارا دین چھوڑ کر اسلام قبول کر چکے ہیں۔

عمرؓ یہ سنتے ہی غصہ میں بھرے ہوئے بہن کے گھر پہنچے۔ حضرت خبابؓ جو اُن کی بہن اور بہنوئی کو تعلیم دے رہے تھے وہ حضرت عمر کی آہٹ سنتے ہی چھپ گے۔

عمرؓ گھر میں داخل ہوئے اور بہن اور بہنوئی سے کہا شاید تم دونوں صابی ہو گئے ہو۔ بہنوئی نے کہا اے عمر اگر تمہارا دین حق نہ ہو بلکہ اس کے سوا کوئی دوسرا دین حق ہو تو بتلاؤ کیا کرنا چاہیے۔ بہنوئی کا یہ جواب دینا تھا کہ عمر ان پر پل پڑے بہن شوہر کے چھڑانے کے لیے آئیں تو ان کو اس قدر مارا کہ چہرہ خون آلود ہو گیا۔ اس وقت بہن نے یہ کہا اے

---

[۱] فتح الباری ج: ۷۔ ص: ۱۳۸

خطاب کے بیٹے تجھ سے جو کچھ ہوسکتا ہے وہ کر لے ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں۔ اے اللہ کے دشمن تو ہم کو محض اس لیے مارتا ہے کہ ہم اللہ کو ایک مانتے ہیں۔ خوب سمجھ لے کہ ہم اسلام لا چکے ہیں اگر چہ تیری ناک خاک آلود ہو۔

حضرت عمر یہ سن کر کچھ شرمائے اور کہا کہ اچھا وہ کتاب جو تم پڑھ رہے تھے مجھ کو بتلاؤ۔ یہ سنتے ہی حضرت خباب جو مکان کے کسی گوشہ میں چھپے ہوئے تھے فوراً باہر نکل آئے۔ بہن نے کہا:۔

انک رجس وانہ لایمسہ الاالمطھّرون فقم فتوضأ۔	تو ناپاک ہے اور قرآن پاک کو پاک ہی لوگ چھو سکتے ہیں جاؤ وضو کر کے آؤ۔

عمر اٹھے اور وضوء یا غسل[۱] کیا اور صحیفۂ مطہرہ کو ہاتھ میں لیا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی پڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچے۔

اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ۔[۲]	میں ہی معبود برحق ہوں میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ پس میری ہی عبادت کرو اور نماز کو میری یاد کے لیے قائم کرو۔

بے ساختہ بول اٹھے ما احسن ھذا الکلام واکرمہ کیا ہی اچھا اور بزرگ کلام ہے۔

حضرت خبابؓ نے عمر سے یہ سن کر کہا اے عمر تم کو بشارت ہو۔ میں امید کرتا ہوں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دُعا تمہارے حق میں قبول ہوئی۔ عمر نے کہا اے خباب مجھے آپؐ کے پاس لے چلو۔

حضرت خباب عمر کو ساتھ لے کر دار ارقم کی طرف چلے جہاں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابۂ کرام جمع ہوا کرتے تھے۔ دروازہ بند تھا۔ دستک دی اور اندر آنے کی اجازت چاہی یہ معلوم کر کے کہ عمر اندر آنا چاہتے ہیں کوئی شخص دروازہ کھولنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو اور آنے دو اگر اللہ نے عمر کے ساتھ

۱؎ اشارۃ الی اختلاف الروایات فی ذلک ۲؎ طٰہٰ۔ آیۃ: ۱۴

خیر اور بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے تو اللہ اسکو ہدایت دے گا اور اسلام لے آئے گا اور اللہ کے رسول کا اتباع کرے گا ورنہ تم اللہ کے حکم سے اس کے شر سے محفوظ اور مامون رہو گے۔ اور بحمد اللہ عمر کا قتل کر دینا ہم پر کچھ دشوار نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ اگر عمر خیر کے ارادہ سے آرہا ہے تو ہم بھی اس کے ساتھ خیر کا معاملہ کریں گے اور اگر شر کے ارادہ سے آرہا ہے تو اسی کی تلوار سے اسے قتل کریں گے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی دروازہ کھولنے کی اجازت دی۔ دروازہ کھول دیا گیا اور دو شخصوں نے میرے دونوں بازو پکڑے اور آپ کے سامنے لاکر مجھ کو کھڑا کیا آپ نے ان سے فرمایا کہ چھوڑ دو اور میرا کرتہ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا اے خطاب کے بیٹے اسلام لا اور یہ دُعا فرمائی۔

اللّٰھم اھدہ۔	اے اللہ اس کو ہدایت دے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ فرمایا۔

اللّٰھم ھذا عمر بن الخطّاب	اے اللہ یہ عمر بن الخطاب حاضر ہے اے اللہ
اللّٰھم اعزالدّین بعمربن الخطّاب	اس سے اپنے دین کو عزت دے۔

اور عمر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے عمر کیا تو اس وقت تک باز نہ آئے گا جب تک خدائے عز وجل تجھ پر کوئی رسوا کن عذاب نازل نہ فرمائے۔

عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اسی لیے حاضر ہوں کہ ایمان لاؤں اللہ پر اور اسکے رسول پر اور جو کچھ اللہ کے پاس سے نازل ہوا اس پر۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرط مسرت سے باآواز بلند تکبیر کہی جس سے تمام اہل دار نے پہچان لیا کہ مسلمان ہو گئے۔ یہ تمام تفصیل سیرۃ ابن ہشام اور عیون الاثر میں مذکور ہے۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کے اسلام کا یہ مفصل واقعہ مسند بزار و معجم طبرانی اور دار قطنی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور دلائل بیہقی میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور دلائل ابی نعیم میں حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے [1]

[1] زرقانی۔ ج:۱،ص:۲۷۶

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ جب عمر مسلمان ہوئے تو جبریل امین نازل ہوئے اور یہ فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام اہل آسمان حضرت عمر کے اسلام سے مسرور اور خوش ہوئے (رواہ ابن ماجہ والحاکم وصححہ۔ وقال الذھبی فیہ عبداللہ بن خراش ضعفہ الدارقطنی [۱]

حضرت عمر اسلام لائے اور اسی وقت سے دین کی عزت اور اسلام کا ظہور اور غلبہ شروع ہوگیا۔ علی الاعلان حرم میں نماز پڑھنے لگے۔ علانیہ طور پر اسلام کی دعوت و تبلیغ شروع ہوگئی۔ اسی روز سے حق اور باطل کا فرق واضح ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام فاروق رکھا۔[۲]

چوں عمر شیدائے آں معشوق شد   حق وباطل راچودل فاروق شد
زاں نشد فاروق راز ہرے گزند   کہ بداں تریاق فاروقیش قند

حضرت عمر جب اسلام لے آئے تو یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنے اسلام کی ایسے شخص کو اطلاع دوں کہ جو بات کے مشہور کرنے میں خوب ماہر ہو تا کہ سب کو میرے اسلام کی اطلاع ہو جائے چنانچہ میں جمیل بن معمر کے پاس گیا جو اس بات میں مشہور تھا اور کہا اے جمیل تجھ کو معلوم بھی ہے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہو گیا ہوں۔ جمیل یہ بات سنتے ہی اسی حالت میں اپنی چادر کھینچتا ہُوا مسجد حرام کی طرف بھاگا۔ جہاں سرداران قریش جمع تھے وہاں پہنچ کر بآواز بلند یہ کیا۔ اے لوگو عمر صابی ہو گیا ہے۔ عمر فرماتے ہیں میں بھی پیچھے پیچھے پہنچا اور کہا کہ یہ غلط کہتا ہے میں صابی نہیں ہوا میں تو اسلام لایا ہوں اور یہ گواہی دی ہے کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہ سنتا تھا کہ لوگ عمر پر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کیا اسی میں دن چڑھ گیا۔ اتفاق سے عاص بن وائل سہمی ادھر آ نکلے۔ عاص نے دریافت کیا کہ کیا واقعہ ہے لوگوں نے کہا عمر صابی ہو گیا ہے۔ عاص نے کہا تو پھر کیا ہوا۔ ایک شخص نے اپنے لئے

[۱] عیون الاثر ج ا ص ۱۲۷، طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۹۳   [۲] طبقات ابن سعد۔ ج: ۳، ص: ۱۹۴

ایک امر (دین) کو اختیار کرلیا ہے یعنی پھر تم کیوں مزاحم ہوتے ہو کیا تمہارا گمان ہے کہ بنی عدی اپنے آدمی (یعنی حضرت عمر) کو یوں ہی چھوڑ دیں گے جاؤ میں نے عمر کو پناہ دی ہے۔ عاص کا پناہ دینا تھا کہ تمام مجمع منتشر ہوگیا۔ ابن ہشام ص ۱۲۱ وقال ابن کثیر ہذا اسناد جید قوی۔ کمافی البدایۃ والنہایۃ ص ۸۲ ج ۳ اور عاص بن وائل کی پناہ دینے کا واقعہ مختصراً صحیح بخاری میں بھی ہے (فتح الباری ص ۱۳۵ ج ۷ باب اسلام عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

مقاطعہ بنی ہاشم اور صحیفۂ ظالمہ کی کتابت غرّۂ محرم الحرام ۷ نبوی

جب قریش کی سفارت حبشہ سے ناکام واپسی ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ نجاشی نے حضرۃ جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کا بہت اکرام کیا۔ ادھر حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ اسلام لے آئے جس سے کافروں کا زور ٹوٹ گیا اور پھر یہ کہ روز بروز مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور کوئی حربہ دین حق کے دبانے میں کارگر نہیں ہوتا تب تمام قبائل قریش نے متفقہ طور پر ایک تحریری معاہدہ لکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی ہاشم اور ان کے تمام حامیوں سے یک لخت تمام تعلقات قطع کردیئے جائیں کہ نہ کوئی شخص بنی ہاشم سے نکاح کرے اور نہ ان سے میل جول رکھے جب تک کہ بنو ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کردیں۔

اور اسی مضمون کی ایک تحریر لکھ کر اندرونِ کعبہ آویزاں کردی گئی۔ منصور بن عکرمہ جس نے اس ظالمانہ اور سفاکانہ معاہدہ کو لکھا اس کو اسی وقت من جانب اللہ اس کی سزا مل گئی کہ اس کی انگلیاں شل ہوگئیں اور ہمیشہ کے لیے ہاتھ کتابت سے بیکار ہوگیا ابو طالب نے مجبور ہو کر مع خاندان کے شعب ابی طالب میں پناہ لی بنو ہاشم اور بنو المطلب مؤمن اور کافر سب نے آپ کا ساتھ دیا۔ مسلمانوں نے دین کی وجہ سے دیا اور کافروں نے خاندانی اور نسبی تعلق کی وجہ سے بنو ہاشم میں سے صرف ابولہب قریش کا شریک رہا۔ تین سال مسلسل اسی حصار[1] میں سخت تکلیف کے ساتھ گذارے یہاں تک کہ بھوک

[1] کہا جاتا ہے کہ اس حصار کی ابتداء ۷ نبوی محرم میں ہوئی۔ فتح الباری ص ۱۴۷ ج ۷۔

سے بچوں کے بلبلانے کی آواز باہر سے سنائی دینے لگی۔ سنگدل سُن سن کر خوش ہوتے لیکن جوان میں سے رحم دل تھے ان کو نا گوار گذرا اور صاف کہا کہ تم کو نظر نہیں آتا کہ منصور بن عکرمہ پر کیا آفت آئی[۱] اس حصار میں مسلمانوں نے کیکر کے پتے کھا کر زندگی بسر کی۔ سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں بُھوکا تھا۔ اتفاق سے شب میں میرا پیر کسی تر چیز پر پڑا فوراً زبان پر رکھ کر نگل گیا اب تک معلوم نہیں کہ وہ کیا شئے تھی۔ سعد بن ابی وقاص اپنا ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شب کو پیشاب کے لیے نکلا راستہ میں ایک اونٹ کی کھال کا سوکھا ہُوا چمڑا ہاتھ لگا۔ پانی سے دھو کر اس کو جلایا اور کوٹ چھان کر اس کا سفوف بنایا اور پانی سے اس کو پی لیا۔ تین راتیں اسی سہارے پر بسر کیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب کوئی تجارتی قافلہ مکہ آتا تو ابولہب اٹھتا اور یہ اعلان کرتا پھر جاتا کہ کوئی تاجر اصحاب محمد کو کوئی چیز عام نرخوں پر نہ فروخت کرے بلکہ ان سے اضعافا مضاعفہ قیمت لے اور اگر کوئی نقصان یا خسارہ ہو تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ صحابہ خریدنے کے لیے آتے مگر نرخ کی گرانی کا یہ عالم دیکھ کر خالی ہاتھ واپس ہو جاتے۔ الغرض ایک طرف اپنی تہیدستی اور دشمنوں کی یہ چیرہ دستی تھی اور دوسری طرف بچّوں کا بُھوک سے تڑپنا اور بلبلانا تھا[۲]

بعض لوگوں کا اپنے عزیزوں کی اس تکلیف کو دیکھ کر دل دکھتا تھا پوشیدہ طور پر ان کے کچھ کھانے پینے کا سامان بھیجتے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ حکیم بن حزام[۳] اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لیے غلام کو ہمراہ لیکر کچھ غلہ لے جا رہے تھے۔ جاتے ہوئے ابوجہل

---

[۱] طبقات ابن سعد: ج:۱،ص:۱۳۹، عیون الاثر، سیرۃ ابن ہشام ج۔۱،ص:۱۲۲۔ زاد المعاد ج:۲،ص:۳۶، فتح الباری ج:۷،ص:۱۴۶ [۲] روض الانف۔ ج:۱،ص:۲۳۲۔ [۳] حکیم ابن حزام زمانۂ جاہلیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست تھے بعثت کے بعد بھی آپ سے محبت رکھتے تھے فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ احسان اور صلہ رحمی آپ کا فطری اور جبلی امر تھا۔ حکیمؓ نے جب دار الندوہ کو حضرت معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا تو عبداللہ بن زبیر نے ملامت کی تو حکیم نے جوابدیا اے میرے بھتیجے میں نے اسکے عوض جنت میں ایک مکان خرید لیا ہے اور وہ ایک لاکھ درہم کل کے کل فقراء پر تقسیم کرا دیئے حکیم نے ایک سو بیس سال کی عمر میں ۵۰ یا ۵۴ھ میں وفات پائی ۱۲ اصابہ ص ۳۴۹ ج ۱۔

نے دیکھ لیا اور کہا کیا تم بنو ہاشم کے لیے غلہ لیے جاتے ہو۔ میں تم کو ہرگز غلہ نہ لے جانے دوں گا اور سب میں تم کو رسوا کروں گا۔

اتفاق سے ابوالبختری سامنے سے آ گیا۔ واقعہ معلوم کر کے ابوجہل سے کہنے لگا ایک شخص اپنی پھوپھی کے لیے غلہ بھیجتا ہے تم اس میں کیوں مزاحمت کرتے ہو۔ ابوجہل کو غصہ آ گیا اور سخت سُست کہنے لگا۔ ابوالبختری نے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر ابوجہل کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر زخمی ہو گیا۔ مار کھانے سے زیادہ ابوجہل کو اس کی تکلیف پہنچی کہ حضرت حمزہؓ کھڑے ہوئے شعب ابی طالب میں یہ واقعہ دیکھ رہے تھے (سیرۃ ابن ہشام ص۱۲۳ ج۱)

انہیں تکالیف اور مصائب کی بناء پر بعض رحم دلوں کو اس عہد کو توڑنے کا خیال پیدا ہوا۔ سب سے پہلے ہشام بن عمرو[۱] کو خیال آیا کہ افسوس ہم تو کھائیں پئیں اور ہمارے خویش و اقارب دانہ دانہ سے ترسیں اور فاقے پر فاقے کھینچیں۔ جب رات ہوتی تو ایک اُونٹ غلہ کا شعب ابی طالب میں لے جا کر چھوڑ دیتے۔

ایک روز ہشام بن عمرو یہی خیال لے کر زہیر ابن ابی امیہ کے پاس گئے جو عبدالمطلب کے نواسے اور عاتکہ بنت عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے تھے۔ جا کر یہ کہا اے زہیر کیا تم کو یہ پسند ہے کہ تم جو چاہو کھاؤ اور پہنو اور نکاح کرو اور تمہارے ماموں ایک ایک دانہ کو ترسیں۔ خدا کی قسم اگر ابوجہل کے ماموں اور ننہیال کے لوگ اس حال میں ہوتے تو ابوجہل ہرگز ہرگز ایسے عہد نامہ کی پروانہ کرتا۔ زہیر[۲] نے کہا افسوس میں تنہا ہوں۔ تنہا کیا کر سکتا ہوں۔ کاش ایک ہم خیال اور مل جائے تو پھر میں اس کام کیلئے کھڑا ہوں۔

ہشام بن عمرو وہاں سے اُٹھے اور مطعم بن عدی کے پاس گئے اور ان کو ہم خیال بنایا مطعم نے بھی یہی کہا کہ ایک آدمی اور اپنا ہم خیال بنا لینا چاہیے۔

---

۱ ہشام بن عمرو و ربیعہ فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اصابہ ج۳ ص۷
۲ زہیر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ اصابہ ص۵۵۲ ج۱

ہشام وہاں سے روانہ ہوئے اور ابوالبختری اور بعدازاں زمعۃ بن الاسود کو اپنا ہم خیال بنایا۔

جب یہ پانچ آدمی اس عہد کے توڑنے پر آمادہ ہو گئے تو سب نے ایک زبان ہو کر یہ کہا کہ کل جب سب جمع ہوں اس وقت اس کا ذکر اٹھایا جائے۔ زہیر نے کہا ابتداء میں کروں گا۔ صبح ہوئی اور لوگ مسجد میں جمع ہوئے۔ زہیر اُٹھے اور کہا اے اہل مکہ بڑے افسوس اور غیرت کی بات ہے کہ ہم تو کھائیں اور پئیں اور پہنیں اور نکاح اور بیاہ کریں اور بنو ہاشم فاقہ سے مریں۔ خدا کی قسم جب تک یہ صحیفۂ قاطعہ اور ظالمہ چاک نہ کیا جائے گا میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا۔ ابو جہل نے کہا خدا کا یہ عہد نامہ کبھی نہیں پھاڑا جا سکتا۔ زمعۃ بن الاسود نے کہا خدا کی قسم ضرور پھاڑا جائے گا جس وقت یہ عہد نامہ لکھا گیا تھا ہم اسی وقت راضی نہ تھے۔ ابوالبختری نے کہا کہ زمعہ سچ کہتا ہے ہم بھی راضی نہ تھے۔ مطعم نے کہا بے شک یہ دونوں سچ کہتے ہیں۔ ہشام بن عمرو نے بھی اس کی تائید کی ابو جہل مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر حیران رہ گیا اور یہ کہا کہ یہ تو رات کا طے کیا ہوا معاملہ معلوم ہوتا ہے[1]

اِسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کو یہ خبر دی کہ اس عہد نامہ کو باستثناء اسماء الٰہی کیڑوں نے کھالیا ہے اور باسمك اللّٰهم کے علاوہ جو بطور عنوان ہر تحریر کے شروع میں لکھا جاتا تھا تمام حروف کو کیڑے چاٹ گئے ہیں۔

ابوطالب نے یہ واقعہ قریش کے سامنے بیان کیا اور کہا میرے بھتیجے نے آج ایسی خبر دی ہے اور میرے بھتیجے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ ان کی کوئی بات آج تک غلط ثابت ہوئی۔ آؤ بس اسی پر فیصلہ ہے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبر صحیح اور سچ نکلے تو تم اس جور وستم سے باز آؤ اور اگر غلط نکلے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمہارے حوالے کرنے کے لیے بالکل تیار ہوں چاہے تم ان کو قتل کرنا اور چاہے زندہ چھوڑنا۔ لوگوں نے کہا اے ابوطالب آپ نے بیشک انصاف کی بات کہی اور اسی وقت عہد نامہ منگایا گیا۔ دیکھا تو واقعی سوائے خدا کے نام کے

---

[1] تاریخ طبری ج ۲، ص ۲۲۸، سیرۃ ابن ہشام ج ۱، ص: ۱۳۰

تمام حروف کو کیڑوں نے کھالیا تھا۔ دیکھتے ہی ندامت اور شرمندگی سے سب کی گردنیں جھک گئیں۔ اس طرح اس ظالمانہ عہد نامہ کا خاتمہ ہوا ۱۰ ھ نبوی میں ابو طالب اور آپ کے تمام رفقاء اُس درّہ سے باہر آئے۔ بعدازاں ابو طالب حرم میں پہنچے اور بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر ابو طالب اور ان کے رفقاء نے یہ دعا مانگی اے اللہ جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا اور ہماری قرابتوں کو قطع کیا اور ہماری آبروؤں کو حلال سمجھا ان سے ہمارا بدلہ اور انتقام لے۔

یہ روایت طبقات ابن سعد میں ابن عباس اور عاصم بن عمر بن قتادہ اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث اور عثمان بن ابی سلیمان اور عکرمہ اور محمد بن علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے (طبقات ابن سعد ص ۱۳۹ ج ۱ تا ۱۴۱ اور تاریخ طبری ص ۲۲۹ ج ۲۔)

ابو طالب نے اس بارے میں ایک قصیدہ بھی پڑھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

الم یَأتِکُمْ اَنَّ الصحیفة مُزِّقَتْ وان کلُ مالم یَرْضه اللّٰه یَفْسُدُ

کیا تم کو خبر نہیں کہ وہ عہد نامہ چاک کیا گیا اور جو چیز خدا کے نزدیک ناپسند ہوتی ہے وہ اسی طرح سے خراب اور برباد ہوتی ہے۔ (خصائص کبریٰ ص ۱۵۱ ج ۱)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اسی عرصہ میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم شعب ابی طالب میں محصور تھے۔ ابو طالب نے وہ قصیدہ لامیہ لکھا کہ جو مشہور ہے۔ (کذا فی البدایۃ والنہایۃ ص ۸۶ ج ۳)

اس طرح تین سال کی مسلسل مصیبت کا خاتمہ ہوا اور ۱۰ نبوی میں یعنی ہجرت سے تین سال پیشتر شعب ابی طالب سے باہر نکلے۔ (فتح الباری ص ۱۴۷ ج ۷ باب تقاسم المشرکین علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ہجرت ابی بکر رضی اللہ عنہ

اسی عرصہ[1] میں کہ جب مکہ میں بنی ہاشم شعب ابی طالب میں محصور تھے ابوبکرؓ حبشہ کی

---

[1] فتح الباری ص ۱۸۰ ج ۷ وکذا فی البدایۃ والنہایۃ ص ۹۵

ہجرت کی نیت سے نکلے (تا کہ مہاجرین حبشہ سے جاملیں)[1] جب مقام برک الغماد پر پہنچے تو قبیلۂ قارہ کے سردار ابن الدّغنہ سے ملاقات ہوئی۔

ابن الدغنہ نے پوچھا اے ابوبکر کہاں کا قصد ہے۔ ابوبکر نے کہا میری قوم نے مجھ کو نکال دیا ہے۔ چاہتا ہوں کہ خدا کی زمین میں سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔

ابن الدغنہ نے کہا اے ابوبکر تم جیسا آدمی نہ نکلتا ہے اور نہ نکالا جاتا ہے تم ناداروں کے لیے سامان مہیا کرتے ہو۔ صلہ رحمی کرتے ہو لوگوں کے بوجھ (قرضہ وتاوان) اٹھاتے ہو مہمان نواز ہو۔ حق کے معین اور مددگار ہو۔ میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ تم لوٹ جاؤ۔ سرداءان قریش کی موجودگی میں بیت اللہ کا طواف کیا اور سرداران قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ ابوبکر جیسا آدمی نہیں نکلتا اور نہیں نکالا جاتا کیا ایسے شخص کو نکالتے ہو جو ناداروں کے لیے سامان مہیا کرتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے لوگوں کے بوجھ اٹھاتا ہے۔ مہمان نواز ہے۔ حق کا معین اور مددگار ہے۔ میں نے ان کو پناہ دی ہے۔

قریش نے ابن الدغنہ کی پناہ کو تسلیم کیا اور یہ کہا کہ آپ ابوبکر سے یہ کہہ دیں کہ اپنے گھر میں خدا کی عبادت کریں نمازیں پڑھیں قرآن کی تلاوت کریں لیکن اعلان نہ کریں۔ علانیہ طور پر نماز نہ پڑھیں۔ باآواز بلند قرآن کی تلاوت نہ کریں اس سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے کہیں اسلام پر مفتون نہ ہو جائیں۔ ابن الدغنہ ابوبکر سے یہ کہہ کر لوٹ گئے۔ ابوبکر صرف اپنے گھر میں خدا کی عبادت کرنے لگے۔ بعد چندے ابوبکر نے اپنے مکان کے صحن میں ایک مسجد بنالی کہ اس میں نماز پڑھتے اور قرآن تلاوت کرتے۔

قریش کے بچے اور عورتیں ٹوٹ پڑتے اور تعجب سے لگاتار ٹکٹکی باندھے ہوئے

---

[1] بین القوسین عبارت روایت کا جزء نہیں یہ تشریحی جملہ ہے جو فتح الباری سے لیا گیا ہے۔ فتح الباری ص ۱۸۰ ج ۷ وزرقانی ص ۱۸۸ ج ۱۔

ابوبکر کو دیکھتے رہتے۔ جس کو دیکھئے اس کی نظر کا منتہی [۱] اور غایت ابوبکر تھے ابوبکر خدا کے خوف سے بہت رونے والے مرد تھے مگر باوجود مرد ہونے کے تلاوت قرآن کے وقت اپنی آنکھوں کے مالک نہیں رہتے تھے ہزار کوشش بھی کریں تو اپنی آنکھوں کو تھام نہیں سکتے تھے۔ (اسی وجہ سے سامعین سننے والے اپنے دلوں کے مالک نہیں رہتے تھے ہزار کوشش بھی کریں مگر ابوبکر کی تلاوت کے وقت دلوں کو تھام نہیں سکتے تھے۔) [۲]

سرداران قریش نے جب یہ حال دیکھا تو گھبرا گئے اور فوراً ہی ابن الدغنہ کو بلا بھیجا اور ابن الدغنہ سے یہ شکایت کی کہ ہم نے ابوبکر کو آپ کے کہنے سے اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں مخفی اور پوشیدہ طور پر خدا کی عبادت اور بندگی کریں۔ علانیہ طور پر خدا کی عبادت اور بندگی نہ کریں اور علانیہ طور پر نماز اور قرآن نہ پڑھیں۔ اب ابوبکر نے خلاف شرط علی الاعلان نماز اور قرآن پڑھنا شروع کر دیا ہے جس سے ہم کو اپنے بچوں اور عورتوں کے بگڑ جانے (یا سنور جانے) کا اندیشہ ہے آپ ابوبکر سے کہہ دیجئے کہ اپنی شرط پر قائم رہیں یا آپ کے امان اور پناہ کو واپس کر دیں ہم آپ کی پناہ کو توڑنا نہیں چاہتے۔ ابوبکر نے کہا کہ میں تمہارے امان اور پناہ کو واپس کرتا ہوں اور صرف اللہ عز و جل کے امان اور پناہ پر راضی ہوں۔ [۳]

فائدہ جلیلہ

ابن الدغنہ نے ابوبکرؓ کے جو اوصاف بیان کیے ہیں وہ بعینہ وہ اوصاف ہیں کہ جو حضرت خدیجہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شمار کیے تھے (جیسا کہ بعثت نبوی کے بیان میں گذر چکے ہیں) جس سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فضل و کمال اور مقام نبوت کے

---

[۱] بخاری کے لفظ یہ ہیں یعجبون و ینظرون الیہ [۲] کلام عرب میں کلمہ الی انتہاء غایت کے لیے آتا ہے ہم نے اس عبارت میں کلمہ الی کے ترجمہ اور مدلول کی طرف اشارہ کیا ہے۔ [۳] بخاری الجامع الصحیح ص ۳۰۷ کتاب الکفالہ

مابین کوئی اور مقام نہیں مقام صدیقیت کی نہایت مقام نبوت کی بدایت سے جا کر ملتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عام الحزن والملال

ابوطالب اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال

شعب ابی طالب سے نکلنے کے چند روز ہی بعد ماہ رمضان یا شوال سنہ ۱۰ نبوی میں ابو طالب نے انتقال کیا اور پھر تین یا پانچ دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انتقال کیا[1]

مسند احمد اور بخاری اور مسلم اور نسائی میں ہے کہ جب ابوطالب مرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس آئے اور ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی وہاں موجود تھے آپ نے فرمایا اے چچا تم ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہہ لو تا کہ خدا کے سامنے تمہاری شفاعت اور سفارش کے لیے مجھ کو ایک حجت اور دلیل مل جائے۔

ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا اے ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کی ملت کو چھوڑتے ہو۔ ابوطالب نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا اور آخری کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا علی ملة عبدالمطلب یعنی عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔

ابوطالب تو یہ کہہ کر مر گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں برابر ابوطالب کے لیے استغفار یعنی دعائے مغفرت کرتا رہوں گا۔ جبتک خدا کی طرف سے میں منع نہ کیا جاؤں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (توبہ،۱۴)

پیغمبر اور مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے دعاء مغفرت کریں اگرچہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ دوزخی ہیں یعنی کفر پر مرے ہیں۔

---

[1] زرقانی۔ ج:۱،ص:۲۹۱،۲۹۶۔

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (قصص،۵۶)	آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

حضرت عباس[1] فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ اپنے چچا کے کیا کام آئے وہ آپ کے حامی اور مددگار تھے۔ آپ نے فرمایا وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے۔ اگر میں شفاعت نہ کرتا تو جہنم کی تہ میں ہوتے (بخاری شریف باب قصۃ ابی طالب)

نکتہ: علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں۔ ابو طالب سر سے پیر تک رسول اللہ ﷺ کی نصرت وحمایت میں غرق تھے۔ صرف قدم بجائے اسلام کے ملۃ عبدالمطلب پر تھے اس لیے عذاب قدموں پر مسلّط کیا گیا۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ۔

[1] علامہ سہیلی روض الانف میں اور حافظ ابن سید الناس عیون الاثر ص ۱۳۳ ج ا میں اور حافظ عسقلانی فتح الباری ص ۱۴۸ ج ۷ میں فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؓ کا یہ سوال اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ روایت جو ایمان ابی طالب کے بارے میں حضرت عباس کی طرف منسوب ہے وہ صحیح نہیں وہ روایت یہ ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے حضرت عباس نے کان لگا کر سنا تو رسول اللہ ﷺ سے کہا آپ نے جس کلمہ کے لیے کہا تھا ابوطالب نے وہی کلمہ کہا ہے آپ نے فرمایا میں نے نہیں سنا اھ۔ اس لیے کہ اگر حضرت عباس نے ابوطالب کو کلمہ شہادت کہتے سنا تھا تو پھر اس سوال کے کیا معنی اور بالفرض اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو آیات قرآنیہ اور بخاری و مسلم اور دیگر کتب صحاح کی مشہور اور معروف احادیث اور روایات مسندہ کے مقابلہ میں حجت نہیں ہو سکتی چہ جائکہ وہ روایت ضعیف اور منقطع بھی ہو۔ علامہ شبلی ابن اسحاق کی اس ضعیف اور منقطع روایت سے بخاری اور مسلم اور صحاح ستہ کی تمام روایات صحیحہ کو رد کر کے ابو طالب کا ایمان ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ علامہ کے نزدیک ایوان کسریٰ کے زلزلہ کی روایت اس لیے نا قابل اعتبار تھی کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم بلکہ صحاح ستہ میں کہیں اس کا پتہ نہیں تھا ایوان کسریٰ کی حدیث کا اگر صحاح ستہ میں کہیں پتہ نہیں تھا تو صحاح ستہ میں اس کے خلاف بھی کوئی ایک حرف نہ تھا اور ابن اسحاق کی اس روایت کے خلاف صحاح ستہ میں صحیح اور صریح روایتیں موجود ہیں۔ نیز علامہ کی تحقیق یہ ہے کہ محمد بن اسحاق اس لیے مجروح ہیں کہ وہ یہود اور نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور انکو ثقہ سمجھتے تھے پس نہ معلوم کہ ایسے شخص کی روایت سے صحیحین اور صحاح ستہ کی روایات کو رد کرنے کے لیے علامہ کیسے آمادہ ہو گئے نیز ایمان ابوطالب کے بارے میں جس قدر بھی روایتیں ہیں تقریباً کل کی کل وہ ایسے ہی حضرات سے مروی ہیں کہ جو معاذ اللہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے کفر کے راوی ہیں۔ حافظ عسقلانی نے اصابہ ص ۱۱۵ ج ۴ ذکر ابی طالب میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔ حضرات اہل علم اصابہ کے علاوہ البدایۃ والنہایۃ ص ۱۴۲ ج ۳ کی اور زرقانی شرح مواہب ص ۱۹۱ ج ا کی بھی مراجعت کریں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جب ابوطالب مرگئے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ آپ کا گمراہ چچا مر گیا۔ آپ نے فرمایا جاؤ دفن کرآؤ میں نے عرض کیا کہ وہ مشرک مرا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں دفن کرآؤ۔ یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی میں ہے۔[1] حافظ عسقلانی اصابہ میں فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح بتلایا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوطالب کے دفن سے فارغ ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اِغْتَسِلْ غسل کرلو۔ اسی بناء پر فقہاء اور علماء کا یہ قول ہے کہ کافر ومشرک کی تجہیز وتکفین کے بعد غسل کرنا مستحب ہے جیسا کہ اور احادیث میں بھی آیا ہے۔

حافظ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ اسی حدیث سے ائمہ مجتہدین اور خصوصاً امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے دفن کافر کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ نیز اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اس لیے کہ ابو طالب کے چار بیٹے تھے۔ (۱) طالب (۲) عقیل (۳) جعفرؓ (۴) علیؓ ابوطالب کی میراث فقط طالب اور عقیل کو ملی۔ جو باپ کے طریقہ پر تھے اور علی اور جعفر کو نہیں ملی کہ یہ دونوں مسلمان تھے۔ کذا فی المعتمد فی المعتقد۔

تنبیہ: اہل سنت والجماعت[2] کا متفقہ عقیدہ یہی ہے کہ ابوطالب کفر ہی پر مرے جیسا کہ آیات اور احادیث سے واضح ہو چکا ہے۔ حافظ تورپشتی لکھتے ہیں کہ ابوطالب کا کفر حد تواتر کر پہنچ چکا ہے اور علماء سلف اور ائمہ دین کا یہی مسلک ہے۔ روافض کا یہ مسلک ہے۔ کہ ابوطالب ایمان پر مرے اور ابوبکر کفر پر مرے جاننا چاہیے کہ ایمان کے لیے محبت اور جانثاری کافی نہیں نبوت درسالت کی تصدیق وشہادت کے بغیر مؤمن نہیں ہوسکتا۔ فافہم ذالک واستقم۔

---

[1] فتح الباری ج: ۷ ص ۱۴۸ [2] اہل سنت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے لہٰذا علامہ شبلی کا سیرۃ النبی ص ۱۸۱ ج ا تقطیع کلاں میں یہ لکھنا کہ ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے محض تلبیس ہے اور دھوکہ ہے۔ اہل سنت میں ان کے کفر کے متعلق کوئی اختلاف نہیں البتہ روافض ابوطالب کے ایمان کے قائل ہیں اور ظاہر ہے کہ روافض کا اختلاف قابل اعتبار نہیں جو فرقہ ابوبکر وعمر کو بلکہ کل صحابہ کو کافر ومنافق سمجھتا ہو اس کا خلاف کب قابل اعتبار والتفات ہوسکتا ہے۔ ۱۲

دعوت اسلام کے لیے طائف کا سفر

ابو طالب کے بعد آپ کا کوئی حامی اور مددگار نہ رہا اور حضرت خدیجہؓ کے رخصت ہو جانے سے کوئی تسلی دینے والا اور غمگسار نہ رہا اس لیے آپ نے قریش مکہ کی چیرہ دستیوں سے مجبور ہو کر اخیر شوال ۱۰ نبوی میں طائف کا قصد فرمایا کہ شاید یہ لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول کریں اور اس کے دین کے حامی اور مددگار ہوں۔ زید بن حارثہؓ کو ہمراہ لیکر طائف تشریف لے گئے۔

(۱) عبد یالیل۔ (۲) مسعود (۳) حبیب، ان تینوں بھائیوں پر جو وہاں کے سرداروں میں سے تھے اسلام پیش کیا۔ بجائے اس کے کہ کلمہ حق کو سنتے نہایت سختی سے آپ کو جواب دے دیا ایک نے کہا کیا خدا نے کعبہ کا پردہ چاک کرنے کے لیے تجھ کو نبی بنا کر بھیجا ہے ایک نے کہا کیا خدا کو اپنی پیغمبری کے لیے تمہارے سوا اور کوئی نہیں ملا۔ ایک نے کہا خدا کی قسم میں تم سے کلام ہی نہ کروں گا۔ اگر واقع میں اللہ نے تجھ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تو تیرے کلام کا رد کرنا سخت خطرناک ہے (مگر اس نادان نے یہ نہ سمجھا کہ اللہ کے پیغمبر کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرنا اس سے بھی زیادہ سخت ہے) اور اگر تم اللہ کے رسول نہیں تو پھر قابل خطاب اور لائق التفات نہیں اور بعد ازاں اوباش اور بازاری لڑکوں کو اکسا دیا کہ وہ آپ پر پتھر برسائیں اور آپ کی ہنسی اڑائیں۔ ظالموں نے اس قدر پتھر برسائے کہ آپ زخمی ہو گئے۔ جب آپ زخموں کی تکلیف سے بیٹھ جاتے تو یہ بدنصیب آپ کے بازو پکڑ کر دوبارہ پتھر برسانے کے لیے کھڑا کر دیتے اور ہنستے۔

زید بن حارثہ جو اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے اور آپ کو بچاتے اور کوشش کرتے کہ جو پتھر بھی آئے وہ بجائے آپ کے مجھ پر گرے۔ اسی میں زید بن حارثہ کا تمام سر زخمی ہو گیا اور آپ کے پاؤں اس قدر زخمی ہو گئے کہ ان سے خون بہنے لگا۔

طائف سے واپسی میں عتبہ بن ربیعہ اور شیبۃ بن ربیعہ کا باغ پڑتا تھا وہاں ایک درخت کے سایہ میں دم لینے کے لیے آپ بیٹھ گئے اور یہ دعا مانگی۔

اللّٰهم اِلَيْكَ اَشْكُوْضُعفَ قوتی وقلة حيلتی وَهَوَانِی علے الناس يا ارحم الراحمين انت رب المستضعفين اِلىٰ مَنْ تكِلُنِىْ الىٰ عدوبعيد يتهجمنی ام الی صديق قريب ملكته امری ان لم تكن غضبانا علی فلا ابالی غيران عافيتك اوسع لی اعوذ بنور وجهك الذی اشرقت له الظلمات وصلح عليه امر الدنيا والأخرة من تنزل بی غضبك اويحلَّ بی سخطك ولك العتبىٰ حتىٰ ترضی ولاحول ولاقوة الابك (اخرجه ابن اسحاق والطبرانی)

اے اللہ میں تجھ سے اپنی کمزوری اور تدبیر کی کمی اور لوگوں کی بے توقیری کی شکایت کرتا ہوں اے ارحم الراحمین تو کمزوروں کا خاص طور پر مربی اور مددگار ہے تو مجھے کس کے سپرد کرے گا کسی غضبناک اور ترش رُو دشمن کی طرف یا کسی دوست کی طرف کہ جس کو تو میرے امور کا مالک بنائے۔ اگر مجھ سے ناراض نہ ہوں تو پھر مجھ کہیں کی بھی پروانہیں مگر تیری عافیت اور سلامتی میرے لیے باعث صد سہولت ہے میں پناہ مانگتا ہوں۔ تیری بزرگ ذات کے وسیلے سے جس سے تمام ظلمتیں منور ہوئیں اور اسی نور سے دنیا اور آخرت کا کارخانہ چل رہا ہے میں اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب اور ناراضی مجھ پر اترے اور اصل مقصود تجھ ہی کو سنانا اور راضی کرنا ہے بندہ میں کسی شر سے پھرنے اور خیر کرنے کی قدرت نہیں مگر جتنی تیری بارگاہ سے عطا ہو جائے۔

اجابت دُعا کے لیے تو نبوت ورسالت ہی کا وصف کافی تھا۔ کیونکہ ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے لیکن اس وقت وصف نبوت کے علاوہ اضطرار ومظلومیت غربت اور مسافرت کا بھی اضافہ ہو گیا۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے اَمَّنْ يُّجيبُ المضطّر اِذا دَعاه ويكشف السُّوء

پھر یہ کہ مظلوم اور مسافر ہر ایک کے بارہ میں جداگانہ حدیث میں آیا ہے کہ مظلوم اور مسافر کی دعا بلاشبہ قبول ہوتی ہے۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از درحق بہر استقبال می آید

پس ایسی ذات ستودہ صفات کی دعا کا کیا پوچھنا کہ جو نبی اور رسول بھی ہو مضطر بھی ہو مظلوم بھی ہو غریب اور مسافر بھی ہو۔ ایسی دعا کا زبان سے نکلنا تھا کہ اجابت[1] کے دروازے کھل گئے۔ وہی عتبہ اور شیبہ کہ جن کا دل اب تک پتھر سے زیادہ سخت تھا۔ آپ کی اس بے کسی اور مظلومیت کو باغ کے اندر بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ دیکھ دیکھ کر نرمائے اور خون قرابت اور رگ حمیت جوش میں آئی۔ اپنے غلام عدّاس کو بلا کر کہا کہ ایک طبق میں انگور رکھ کر کہا اس شخص کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہو کہ اس میں سے تھوڑا بہت کچھ ضرور کھائیں۔ عدّاس نے آپ کے سامنے وہ طبق لا کر رکھا رسول اللہ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا۔ عداس نے کہا خدا کی قسم اس شہر میں تو کوئی شخص بھی اس کلام کا کہنے والا نہیں رسول اللہ ﷺ نے عدّاس سے فرمایا کہ تم کس شہر کے باشندے ہو اور تمہارا دین اور مذہب کیا ہے عداس نے کہا میں شہر نینوی[2] کا باشندہ ہوں اور مذہباً نصرانی ہوں آپ نے فرمایا اُسی نینوی کے جہاں اللہ کے نیک بندے یونس بن متّٰی رہتے تھے۔ عدّاس نے کہا آپ کو یونس بن متّٰی کا کیا علم؟

آپ نے فرمایا وہ میرے بھائی نبی تھے اور میں نبی ہوں۔ عداس نے آپ کی پیشانی اور ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور یہ کہا **اشھد انک عبداللّٰہ ورسولہ**[3] جب عداس آپ کے پاس سے واپس آیا تو عتبہ اور شیبہ نے کہا کہ تو اس شخص کے ہاتھ اور پیروں کو کیوں بوسہ دیتا تھا۔ یہ شخص کہیں تجھ کو تیرے دین سے نہ ہٹا دے۔ تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے ۱۲۔[4]

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ آیندہ جو کچھ اسلام کو ترقی نصیب ہوئی۔ اس کا مبداء یہی دُعا ہے۔ ۱۲ [2] نینوی موصل کے علاقہ میں ایک شہر ہے۔ زرقانی ص ۲۹۹ ج ۱ ۱۲ [3] یہ تمام واقعہ ہم نے عیون الاثر سے نقل کیا ہے صرف اشھد انک عبداللہ ورسولہ عداس کی یہ شہادت حافظ عسقلانی نے بحوالہٗ سیرۃ سلیمان تیمی اصابہ ص ۲۶۶ ج ۲ ترجمہ عداس میں اس شہادت کا ذکر کیا ہے [4] عیون الاثر ج ۱ ص: ۱۳۴۔ البدایہ والنہایہ ج ۳، ص ۱۳۵

حکیم ابن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب عتبہ اور شیبہ قریش مکہ کے ساتھ ہو کر جنگ بدر کے لیے تیار ہوئے تو عداس نے عتبہ اور شیبہ کے پیر پکڑ لیے اور کہا اللہ کی قسم وہ اللہ کے رسول ہیں یہ لوگ اپنی مقتل کی طرف کھنچے جا رہے ہیں۔

عدّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے رو رہے تھے کہ عاص بن شیبہ وہاں سے گذرا۔ عداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کیوں روتے ہو۔ عدّاس نے کہا اپنے دونوں سرداروں کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ اس وقت اللہ کے رسول کے مقابلہ میں جا رہے ہیں۔ عاص بن شیبہ نے کہا واقع میں وہ اللہ کے رسول ہیں۔ عدّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہاں خدا کی قسم بلا شبہ تمام دنیا کی طرف اللہ کے رسول ہو کر آئے ہیں![1]

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بار عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر کیا اُحُد سے بھی زیادہ سخت دن گذرا ہے۔ آپ نے فرمایا تیری قوم سے جو تکلیفیں پہنچی سو پہنچی لیکن سب سے زیادہ سخت دن وہ گذرا کہ جس دن میں نے اپنے آپ کو عبد یالیل کے بیٹے پر پیش کیا اس نے میری بات کو قبول نہیں کیا۔ میں وہاں سے نہایت غمگین اور رنجیدہ واپس ہوا۔ مقام قرن الثعالب میں پہنچ کر کچھ افاقہ ہوا۔ یکا یک جو سر اٹھایا تو دیکھتا کیا ہوں کہ ایک ابر مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے اور اس میں جبریل امین موجود ہیں۔ جبریل نے وہیں سے مجھ کو آواز دی کہ آپ کی قوم نے آپ کو جو جواب دیا ہے وہ اللہ نے سن لیا ہے۔ اس وقت اللہ نے آپ کے پاس ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتہ) کو بھیجا ہے تا کہ آپ اس کو جو چاہیں وہ حکم دیں۔

اتنے میں ملک الجبال "پہاڑوں کے فرشتہ" نے مجھ کو آواز دی اور مجھ کو سلام کیا اور یہ کہا اے محمدؐ اللہ نے مجھ کو آپ کے پاس بھیجا ہے میں ملک الجبال ہوں (پہاڑوں کا فرشتہ ہوں) تمام پہاڑ میرے تصرف میں ہیں۔ آپ جو چاہیں مجھ کو حکم دیں۔ اگر آپ حکم دیں تو ان دونوں پہاڑوں کو (جن کے مابین اہل مکہ اور اہل طائف رہتے ہیں) ملا دوں جس سے تمام لوگ پس جائیں۔

---

[1] اصابہ ج:۲،ص:۲۶۷۔

آپ نے فرمایا نہیں۔ میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اس وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔

یہ تمام روایت صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ میں ہے صرف خط کشیدہ جملے معجم طبرانی کی روایت کا ترجمہ ہیں۔[1]

ایک ضروری تنبیہ

باوجود سخت سے سخت ایذاؤں کے اُس رحمتِ عالم، رأفتِ مجسم بن اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و شرّف وکرّم نے ان لوگوں کی ہلاکت اور بربادی کی اس لیے دعا نہیں مانگی کہ یہ لوگ اگرچہ ایمان نہیں لائے مگر ان کی نسل میں سے خدا کے مطیع اور فرمانبردار اور مخلصین اور جاں نثار پیدا ہوں گے۔

بہ خلاف سیدنا نوح علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے (میری جان اور روح ان پر فدا ہو) جب ان کو یہ امید منقطع ہوگئی اور وحی الٰہی سے یہ معلوم کرادیا گیا کہ جن کو ایمان لانا تھا وہ ایمان لاچکے باقی ماندہ لوگ نہ خود ایمان لائیں گے اور نہ اُن کی اولاد میں سے کوئی خدا کا ماننے والا بندہ پیدا ہوگا۔ تب سیّدنا نوح علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اُن کی ہلاکت اور بربادی کی دعا فرمائی۔ کما قال تعالےٰ۔

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ[2]

اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی کہ اب آپ کی قوم میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا، مگر جو پہلے لاچکا ہے پس آپ ان کے افعال کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔

اس کے بعد نوح علیہ السّلام نے یہ دعا فرمائی:۔

---

[1] فتح الباری ج:ص:۲۲۵۔ [2] سورۂ ہود آیۃ ۳۶

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ؁	اے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک بسنے والا بھی نہ چھوڑ۔ اگر آپ ان کو چھوڑ دیں گے تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور سوائے کافر اور فاجر کے کسی کو نہیں جنیں گے۔

نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بذریعہ وحی کے معلوم ہو چکا تھا کہ نہ یہ ایمان لائیں گے اور نہ ان کی نسل میں سے کوئی ایمان لائے گا۔ آئندہ جو بھی پیدا ہوگا وہ کافر و فاجر اور خداوند ذوالجلال کا نافرمان ہی پیدا ہوگا۔ اس لئے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ اب اپنے کسی منکر اور مکذب کو زمین پر باقی مت چھوڑ۔ یہ مگر زندہ رہیں گے تو بھی تیرے نافرمان ہوں گے اور ان کی ذریت اور اولاد بھی تیری نافرمان ہوگی۔ جب ایمان ہی سے ناامیدی ہوگئی تو اب شفقت و رحمت کا کوئی محل ہی باقی نہ رہا۔ کارخانۂ عالم بھی اسی وقت تک قائم ہے کہ جب تک کوئی اس خداوند ذوالجلال کا نام لیوا باقی ہے۔ جب زمین پر کوئی خداوند ذوالجلال کا نام لینے والا نہ رہے گا۔ اسی وقت یہ تمام کارخانہ درہم و برہم کر دیا جائے گا۔

طائف سے واپسی اور جنّات کی حاضری

واپسی میں آپ نے چند روز مقام نخلہ میں قیام کیا۔ ایک رات آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ نصیبین کے سات جن اس طرف سے گذرے اور کھڑے ہو کر آپ کا قرآن سنا اور چلے گئے آپ کو ان کی آمد کا بالکل علم نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ج فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا	اور اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف بھیجا تا کہ آپ کا قرآن سنیں پس جب وہ حاضر ہوگئے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش رہو یعنی اس کلام کو سنو پس جب

؁ سورۂ نوح آیۃ:۲۶

لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيَ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِى الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ [1]

(البدایہ والنہایہ ص ۱۲۷ ج ۳)

قرآن پڑھا جا چکا یعنی آپ کی نماز ختم ہوگئی تو یہ لوگ اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے تا کہ ان کو آگاہ کریں۔ جا کر یہ بیان کیا کہ ہم عجیب کتاب سنکر آئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق راہ راست کی رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہمارے بھائیو! اللہ کے داعی کی دعوت قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کرے گا اور جو اللہ کے داعی کی دعوت کو قبول نہ کرے تو وہ روئے زمین میں چھوٹ کر کہیں نکل نہیں سکتا اور نہ اسکا کوئی حامی ہوگا ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

جب مکہ کے قریب پہنچے تو زید بن حارثہؓ نے عرض کیا کہ مکہ میں کس طرح داخل ہوں گے۔ مکہ ہی والوں نے تو آپ کو نکالا ہے۔ آپ نے فرمایا اے [2] زید اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے رہائی کی کوئی صورت ضرور پیدا فرمائے گا اور اللہ ہی اپنے دین کا حامی اور مددگار ہے اور یقیناً وہ اپنے نبی کو سب پر غالب کرے گا۔ پھر آپ نے غار حرا پر پہنچ کر اخنس بن شریق کے پاس پیام بھیجا کہ کیا میں آپ کی پناہ میں مکہ آسکتا ہوں؟ اخنس نے کہا میں قریش کا حلیف ہوں اس لئے میں پناہ نہیں دے سکتا۔ بعد ازاں نے یہی پیام سہیل بن عمرو کے پاس بھیجا سہیل نے کہا کہ بنو عامر بنو کعب کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے سکتے۔

---

[1] سورۂ احقاف: آیۃ ۲۹۔۳۴ [2] اصل الفاظ یہ ہیں یا زید ان اللہ جاعل لماتری فرجا ومخرجا وان اللہ ناصر دینہ ومظھر نبیہ طبقات ابن سعد ج ۱ ص: ۱۴۳

بعدازاں آپ نے مطعم بن عدی کے پاس یہ پیام بھیجا کہ کیا میں آپ کی پناہ میں مکہ آ سکتا ہوں؟ مطعم نے آپ کی فرمائش قبول کی اپنے بیٹوں اور قوم کے لوگوں کو بلا کر حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم کے دروازے پر کھڑے رہیں۔ میں نے محمدؐ کو پناہ دی ہے اور خود بھی اونٹ پر سوار ہو کر حرم کے پاس آ کر کھڑا ہوا اور پکار کر کہا اے گروہِ قریش! میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے کوئی ان سے تعرض نہ کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں تشریف لائے اور حجر اسود کو بوسہ دیا اور طواف کر کے ایک دو گانا ادا فرمایا اور مکان واپس تشریف لے گئے۔ مطعم اور اس کے بیٹے آپؐ کو حلقہ میں لیے ہوئے تھے[1]

مطعم کے اسی احسان کی بنا پر، بدر کے دن اسیران بدر کی بابت آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔

لو کان المطعم بن عدی حیاثم کلّمنیُ فی ھؤلاء النتنی لترکتھم لہ (عیون الاثر ص ۱۳۶ ج ۱)

اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور پھر مجھ سے ان گندوں کے بارے میں کچھ کلام کرتا تو میں اس کی رعایت سے ان سب کو یک لخت چھوڑ دیتا۔

اِسلام طفیل بن عمر دَوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اسی عرصہ میں طفیل عمرو دوسی مکہ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصروف تبلیغ تھے طفیل شریف النسب ہونے کے علاوہ بہت بڑے شاعر اور بہت بڑے زیرک اور فہیم اور مہمان نواز تھے۔ قریش سے حلیفانہ تعلقات رکھتے تھے۔

جب واپس مکہ آئے تو قریش کے کچھ آدمی آپ کے پاس آئے اور یہ کہا کہ ہم میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جس نے تمام قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے اس کا کلام مثل سحر اور جادو کے ہے کہ باپ اور بیٹے اور بھائی بھائی اور میاں بیوی کے مابین جدائی ڈالتا ہے۔ آپ

[1] طبقات ابن سعد ج ۱ ص: ۱۴۲، زاد المعاد ج ۲ ص: ۴۷۔

اس سے بچتے رہیں ہمیں اندیشہ ہے کہ آپ اور آپ کی قوم کہیں اس مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائے۔ جہاں تک ممکن ہو آپ اس کی کوئی بات نہ سنیں۔ قریش نے انکو اس قدر ڈرایا کہ انھوں نے اپنے کانوں میں کپڑے ٹھونس لیے کہ اتفاقی طور پر اس شخص کا کلام کان میں نہ پڑ جائے۔ یہاں تک کہ لوگ مجھ کو ذوالقطنتین کہنے لگے۔ اتفاقاً ایک روز مسجد حرام کی طرف گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ آپ کھڑے ہوئے بیت اللہ کے سامنے نماز پڑھ رہے ہیں۔

طفیلؓ کہتے ہیں کہ میں آپ کے قریب جا کر کھڑا ہوا۔ میں اگرچہ یہ چاہتا تھا کہ آپؐ کا کلام سنوں مگر خداوند ذوالجلال یہ چاہتا تھا کہ اپنا کچھ کلام مجھ کو سنائے۔ چنانچہ بلا اختیار یہ کلام میں نے سُن پایا۔ نہایت اچھا اور بھلا معلوم ہوا۔ اس وقت میں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ میں تو مرد عاقل اور بڑا شاعر ہوں مجھ پر کسی کلام کا حسن اور قبح مخفی نہیں رہ سکتا۔

میں یہ کلام ضرور سنوں گا اگر عمدہ اور مستحسن ہے تو قبول کروں گا اور اگر قبیح اور نازیبا ہے تو چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ جب آپ ﷺ حرم سے واپس ہوئے تو میں آپ کے پیچھے ہولیا۔ جب آپ دولت کدہ پر پہنچے تو آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے مجھے آپ کا کلام سننے سے اس قدر ڈرایا کہ کانوں میں کپڑے ٹھونس لیے تا کہ آپ کا کلام نہ سُن سکوں۔ مگر خدا کی مشیت نے انکار کیا کہ میں آپ ﷺ کا کلام نہ سنوں۔ آپ کا کلام جو کان میں پڑا تو بہت بھلا معلوم ہوا۔ آپ اپنا دین مجھ پر پیش کیجیے۔ آپ نے اسلام پیش کیا اور میرے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ سورۂ اخلاص اور معوذتین کی تلاوت فرمائی۔ خدا کی قسم میں نے قرآن کریم سے بہتر کبھی کوئی کلام سنا ہی نہیں اور اسلام سے زیادہ معتدل[1] اور متوسط کسی دین کو نہیں پایا اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

---

[1] یہ اسلام کا ایک خاص طرۂ امتیاز ہے کہ اسکا ہر حکم متعدل اور متوسط ہے اور افراط وتفریط سے پاک ہے۔ ہر حکم میں توسط اور اعتدال اور میانہ روی ہے۔ مثلاً اسلام نے نہ دشمنوں سے انتقام کو واجب کیا اور نہ عفو کو لازم گردانا بلکہ انتقام کی اجازت دی اور دشمنوں کو معاف کرنے کی ترغیب دی اور عفو کو تقویٰ اور پرہیزگاری کے زیادہ قریب بتلایا۔ اسلام نے عوام کے لیے اسراف اور بخل دونوں کو ممنوع قرار دیا نہ مسرف اور فضول خرچ بنیں اور نہ بخیل بلکہ مین بین رہیں اور جن لوگوں کے قلب توکل اور قناعت سے ایسے لبریز ہوں کہ مال کا وجود اور عدم ان کی نظروں میں برابر ہو چکا ہے ایسے حضرات کو اسلام نے اجازت دی ہے کہ وہ اپنا پورا مال خدا کی راہ میں خیرات کریں۔ وقس علیٰ ہذا۔

اور آپ سے عرض کیا اے اللہ کے نبی میں اپنی قوم کا سردار ہوں یہ ارادہ ہے کہ واپسی کے بعد اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دوں آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی نشانی عطا فرمائے کہ جو اس بارے میں میری معین اور مددگار ہو۔ آپ نے دُعا فرمائی۔

اللّٰھم اجعل له اٰیة	اے اللہ اس کے لیے کوئی نشانی پیدا فرما۔

چنانچہ جب میں اپنی بستی کے قریب پہنچا تو میری آنکھوں کے مابین چراغ کے مانند ایک نور پیدا ہو گیا میں نے اللہ سے دعا کی اے اللہ اس نور کو بجائے چہرہ کے کسی اور جگہ منتقل فرما۔ میری قوم کئے لوگ کہیں اس کو مثلہ[۱] نہ سمجھیں اور یہ خیال نہ کریں کہ آبائی مذہب چھوڑنے کی وجہ سے اس کی صورت بدل گئی۔ وہ نور اسی وقت میرے کوڑے کی طرف منتقل ہو گیا اور وہ کوڑا مثل ایک قندیل اور لالٹین کے بن گیا۔

جب صبح ہوئی تو اوّل اپنے باپ کو اسلام کی دعوت دی اور پھر بیوی کو۔ دونوں نے کپڑے پاک کیے اور غسل کیا اور مشرف باسلام ہوئے اور بیوی سے یہ کہا کہ اگر تجھ کو یہ خدشہ ہو کہ بتوں کے چھوڑنے سے کہیں بچوں کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے تو اس کا ذمہ دار ہوں۔

بعد ازاں قبیلۂ دوس کو اسلام کی طرف بلایا۔ مگر دوس[۲] نے اسلام قبول کرے میں تامل کیا۔ میں دوبارہ مکہ مکرمہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے نبی! دوس نے اسلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ آپ ان پر بددعا کیجئے آپ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی۔

اللّٰھم اھْدِ دَوسًا وائت بھم.	اے اللہ قبیلۂ دوس کو ہدایت دے اور مسلمان بنا کر یہاں بھیج۔

اور طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جاؤ نرمی سے اسلام کی طرف بلاؤ۔ آپ کی ہدایت کے مطابق لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتا رہا۔ ۷ ہجری تک ۷۰ ستر یا اسی ۸۰ گھرانے اسلام

---

۱ ہیئت بدل جانے کو مثلہ کہتے ہیں ۱۲ ۲ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس وقت قوم میں سوائے ابو ہریرہؓ کے کوئی اسلام نہ لایا۔ ۱۲ اصابہ ص ۲۲۶۔ ج ۲

کے حلقہ بگوش بن گئے ان سب کو بے ہے میں اپنے ساتھ لے کر مدینہ منورہ آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔

فتح مکہ کے بعد میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی طفیل روانہ ہوئے اور پہنچ کر بُت کو جلایا جلاتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔

يَاذَاالْكَفَيْنِ لَسْتُ من عِبَادِكَا مِيْلَادُنَا اَكْبَرُ مِنْ مِيْلَادِكَا

اے ذوالکفین میں تیری پرستش کرنے والوں میں سے نہیں۔ میری پیدائش تیری پیدائش سے مقدم ہے۔

اِنِّیْ حَشَوْتُ النَّارَ فِیْ فُؤَادِكَا

میں نے تیرے اندر خوب آگ بھری ہے

نصف قبیلۂ دوس تو پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا۔ باقی ماندہ نصف بھی اس بُت کے جلانے سے شرک اور بت پرستی سے تائب ہو کر حلقہ اسلام میں آ گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ طفیل جب اپنی قوم میں پہنچے تو اندھیری رات تھی اور پانی برس رہا تھا راستہ نظر نہ آیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ نور پیدا فرمایا۔ لوگ دیکھ کر بہت متعجب ہُوئے اور حضرت طفیل کو گھیر لیا اور کوڑے کو پکڑنے لگے۔ وہ نور لوگوں کی انگلیوں سے چھنتا تھا۔

جب اندھیری رات ہوتی تو یہ کوڑا اسی طرح روشن ہو جاتا۔ اسی وجہ سے حضرت طفیل ذی النّور (نور والے) کے لقب سے مشہور ہُوئے[1]

فائدہ

اولیاء اللہ کی کرامتیں انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوٰۃ اللہ کے معجزات کا نمونہ ہوتی ہیں۔ جس طرح علماء ربانیین علم وحکمت میں انبیاء ومرسلین کے وارث ہوتے ہیں۔ اسی

[1] الاستیعاب ج:۲، ۲۳۱،

طرح علیٰ حسب المدارج کرامات اور خوارق عادات میں بھی حضرات انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

العلماء ورثة الانبياء	علماء انبیاء کے (علمی) وارث ہیں۔

لہٰذا حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ کرامت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزۂ ید بیضا کا ایک نمونہ معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

نیز سورۂ تحریم میں حق جل شانہ صحابہ کے حق میں ارشاد فرماتے ہیں

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ط نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ[1]	قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نبی کریم اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رُسوا نہیں کرے گا۔ ان کا نور اُن کے سامنے اور داہنے دوڑتا ہوگا۔

عجب نہیں کہ حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ نور اُس نور کا نمونہ ہو کہ جو قیامت کے دن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی خاص طور رہ نمائی کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے طفیل کر یہ نور دنیا ہی میں دکھلا دیا گیا۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

اسراء ومعراج

طائف[2] سے واپسی کے بعد حق جل وعلا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے سبع سمٰوٰت تک اسی جسم اور روح کے ساتھ بحالت بیداری ایک ہی شب میں سیر کرائی جس کو ''اسراج ومعراج'' کے نام موسوم کیا جاتا ہے جس کا

---

[1] التحریم، آیۃ ۸۔ [2] حافظ ابن قیم زاد المعاد میں سفر طائف کا واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کے بعد آپ کو معراج ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن قیم کے نزدیک اسراء اور معراج کا واقعہ طائف سے واپس آنے کے بعد پیش آیا۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ معراج ۱۱ نبوی میں ہوئی۔ ۱۲

مفصل بیان انشاء اللہ تعالیٰ معجزات کے بیان میں آئے گا) علماء سیر کا اس میں اختلاف ہے کہ کس سال آپ کو معراج ہوئی؟ علماء کے اس بارے میں دس قول ہیں۔

(۱) ہجرت سے چھ ماہ قبل معراج ہوئی۔

(۲) ہجرت سے آٹھ مہینہ پیشتر

(۳) ہجرت سے گیارہ مہینہ پیشتر

(۴) ہجرت سے ایک سال پیشتر

(۵) ہجرت سے ایک سال اور دو ماہ پیشتر

(۶) ہجرت سے ایک سال اور تین ماہ پیشتر

(۷) ہجرت سے ایک سال اور پانچ ماہ پیشتر

(۸) ہجرت سے ایک سال اور چھ ماہ پیشتر

(۹) ہجرت سے تین سال پیشتر

(۱۰) ہجرت سے پانچ سال پیشتر

یہ تمام اقوال تفصیل کے ساتھ فتح الباری میں باب المعراج میں مذکور ہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد اور بیعتِ عقبہ سے پہلے معراج ہوئی جیسا کہ اوّل کے آٹھ سال اس پر متفق ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد معراج ہوئی، غرض یہ کہ کثرت اسی جانب ہے۔ نیز یہ امر روایات سے ثابت ہے کہ حضرت خدیجہ پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئیں اور یہ بھی مسلّم ہے کہ حضرت خدیجہؓ شعب ابی طالب میں آپ کے ہمراہ تھیں۔ شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد ان کا انتقال ہوا اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ اور آپ کے رفقاء شعب ابی طالب سے ۱۰ نبوی میں باہر نکلے۔ لہٰذا ان تمام مقدمات سے نتیجہ یہی نکلا کہ معراج ۱۰ نبوی کے بعد ۱۱ نبوی میں سفر طائف سے واپسی کے بعد کسی مہینہ میں ہوئی۔ رہا یہ امر کہ کس مہینہ میں ہوئی اس اختلاف ہے۔ ربیع الاوّل یا ربیع الآخر یا رجب یا رمضان یا شوال میں ہوئی پانچ قول ہیں۔ مشہور یہ

ہے کہ جب کی ستائیسویں شب میں ہوئی۔ ہٰذا ماظہر لی بعد مراجعہ شرح الواہب ص ۳۰۷ ج ا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نکتہ

سنہ ۱۰ انبوی گذر گیا۔ ابتلاء اور آزمائش کی سب منزلیں طے ہوچکیں۔ ذلت اور رسوائی کی کوئی نوع ایسی باقی نہ رہی کہ جو خداوند ذوالجلال کی راہ میں نہ برداشت کی گئی۔ ہو اور ظاہر ہے کہ خدائے رب العزت کی راہ میں ذلت اور رسوائی کا انجام سوائے عزت اور رفعت اور سوائے معراج اور ترقی کے کیا ہوسکتا ہے؟

چنانچہ جب شعب ابی طالب اور سفر طائف سے ذلت انتہاء کو پہنچ گیا تو خداوند ذوالجلال نے اسراء معراج کی عزت سے سرفراز فرمایا اور آپ کو اس قدر اونچا کیا کہ افضل الملائکۃ المقربین[1] یعنی جبریل پیچھے اور نیچے رہ گئے اور ایسے مقام تک سیر کرائی کہ جو کائنات کا منتہیٰ ہے یعنی عرشِ عظیم تک جس کے بعد اب اور کوئی مقام نہیں۔

اسی وجہ سے بعض عارفین کا قول ہے کہ عرش تک سیر کرانے میں ختم نبوت کی طرف اشارہ ہے کہ کیونکہ تمام کائنات عرش پر ختم ہوجاتی ہیں۔ کتاب وسنت سے عرش کے بعد کسی مخلوق کا وجود ثابت نہیں۔ اسی طرح نبوت ورسالت کے تمام کمالات آپ پر ختم ہیں۔ فافہم ذلک واستقم۔

تفصیل واقعۂ معراج

قال اللّٰہ عزوجل سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ہ

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی خاص بندہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے ایک قلیل حصّہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس سے اصل مقصود یہ تھا کہ آپ

[1] اشارۃ الی ما اخرجہ الطبرانی بسند ضعیف عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبرکم بافضل الملائکۃ جبرائیل۔ کذا فی روح المعانی ص ۱۰۳ ج ۱۱

کو آسمانوں کی سیر کرائیں اور وہاں کی خاص خاص نشانیاں آپ کو دکھلائیں۔ جن کا کچھ ذکر سورۂ نجم[۱] میں فرمایا ہے کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ کے تشریف لے گئے اور وہاں جنت و جہنم و دیگر عجائب قدرت کا مشاہدہ فرمایا۔ تحقیق اصلی سننے والا اور اصلی دیکھنے والا حق تعالیٰ ہے وہی جس کو چاہتا ہے اپنی قدرت کے نشانات دکھلاتا ہے اور پھر وہ بندہ اللہ کی تبصیر سے دیکھتا ہے اور اللہ کے اسماع سے سنتا ہے۔

اصطلاح علماء میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کو اسراء کہتے ہیں اور مسجد اقصیٰ سے سدۃ المنتہیٰ تک کی سیر کو معراج کہتے ہیں اور بسا اوقات اوّل سے آخر تک کی پوری سیر کو اسراء اور معراج کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ معراج کو معراج اس لیے کہتے ہیں کہ معراج کے معنی سیڑھی کے ہیں۔ مسجد اقصےٰ سے برآمد ہونے کے بعد بعد حضور کے لیے جنت سے ایک سیڑھی لائی گئی جس کے ذریعہ حضور آسمان پر چڑھے جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس سیڑھی کا ذکر آیا ہے[۲] قرآن کریم میں تو یہ واقعہ اسی قدر اجمالاً مذکور ہے البتہ احادیث میں اس کی تفصّل آئی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے۔

ایک شب نبی کریم ﷺ حضرت ام ہانی کے مکان میں بستر استراحت پر پرآرام فرمارہے تھے۔ نیم خوابی کی حالت تھی کہ یکا یک چھت پھٹی اور چھت سے جبریل امین اترے اور آپ کے ہمراہ اور بھی فرشتے تھے آپ کو جگایا اور مسجد حرام کی طرف لے گئے۔ وہاں جا کر آپ حطیم میں لیٹ گئے اور لٹا کر آپ کے سینۂ مبارک کو چاک کیا اور قلب مبارک کو نکال کر زم زم کے پانی سے دھویا اور ایک سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا۔ اس ایمان اور حکمت کو آپ ﷺ کے دل میں بھر کر سینہ کو ٹھیک کر دیا اور دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت لگائی گئی (جو حضور ﷺ کے خاتم النبین ہونے کی حسی اور ظاہری علامت ہے) بعدازاں براق لایا گیا۔ براق ایک بہشتی جانور کا

[۱] کما قال تعالیٰ: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۔ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۔ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۔ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۔ [۲] زرقانی ج:۶، ص۳۳، ۵۵۔

نام ہے جو خچر سے کچھ چھوٹا اور حمار سے کچھ بڑا سفید رنگ برق رفتار تھا۔ جس کا ایک قدم منتہائے بصر پر پڑتا تھا جب اس پر سوائے ہوئے تو شوخی کرنے لگا۔ جبریل امین نے کہا اے براق یہ کیسی شوخی ہے تیری پشت پر آج تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی اللہ کا مکرّم اور محترم بندہ سوار نہیں ہوا۔ براق شرم کی وجہ سے پسینہ پسینہ ہو گیا اور حضور کو لے کر روانہ ہوا۔ جبریل ومیکائیل آپ کے ہمرکاب تھے۔ اس شان کے ساتھ حضورؐ روانہ ہوئے۔

اور بعض روایات سے یہ معلوہوتا ہے کہ جبریل امین نے حضور پُر نور کو براق پر سوار کیا اور خود نبی کریم کے لیے رویف بنے یعنی آپ کے پیچھے براق پر سوار ہوئے (دیکھو زرقانی۔ وخصائص کبریٰ۔ باب المعراج۔

شدّاد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راستہ میں ایسی زمین پر گذر ہُوا کہ جس میں کھجور کے درخت بکثرت تھے جبریلؑ امین نے کہا یہاں اتر کر نماز نفل پڑھ لیجیے۔ میں نے اتر کر نماز پڑھی۔ جبریل امین نے کہا آپ کو معلوم بھی ہے کہ آپ نے جس جگہ نماز پڑھی۔ میں نے کہا مجھ کو معلوم نہیں۔ جبریل امین نے کہا آپ نے یثرب یعنی مدینہ طیبہ میں نماز پڑھی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کریں گے۔ بعدازاں روانہ ہوا اور ایک اور زمین پر پہنچے جبریل امین نے کہا یہاں بھی اتر کر نماز پڑھیے میں نے اتر کر نماز پڑھی۔ جبریل امین نے کہ اآپ نے دادی سینا میں شجرۂ موسیٰ کے قریب نماز پڑھی جہاں حضرت حق جل شانہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا پھر ایک اور زمین پر گذر ہوا جبریل نے کہا اتر کر نماز پڑھیئے۔ میں نے اتر کر نماز پڑھی جبریل امین نے کہا آپ نے مدین میں نماز پڑھی (جو شعیب علیہ السلام کا ممکن تھا) وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک اور زمین پر پہنچے جبریل امین نے کہا اتر کر نماز پڑھیئے میں نے اتر کر نماز پڑھی، جبریل امین نے کہا یہ مقام اللحم ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اخرجہ ابن ابی حاتم والبیہقی وصححہ والبز اروالطبر انی عن شداد بن اوس۔[1] او اما

[1] الخصائص الکبریٰ ج:۱ص:۱۵۸ فتح الباری ج:۱ص ۱۵۳

قصة الصلاة بطور سيناء حيث كلم الله موسٰى عليه السلام فقداخرجها النسائي عن انس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ كما في خصائص كبرى ص ۱۵۳ ج ۱.

نیز یہ تمام تفصیل زرقانی شرح مواہب کے ص۳۹ ج۶ پر مذکور ہے۔

عجائب سفر اور عالم مثال کی بے مثال امثال

(۱) آپ براق پر سوار جا رہے تھے کہ راستے میں ایک بڑھیا پر گذر ہوا۔ اس نے آپ کو آواز دی۔ حضرت جبریل نے کہا آگے چلئے اور اس کی طرف التفات نہ کیجیے آگے چل کر ایک بوڑھا نظر آیا اس نے بھی آں حضرت کو آواز دی۔ حضرت جبریل نے کہا آگے چلیئے۔ آگے چل کر آپ کا ایک جماعت پر گذر ہوا۔ جنہوں نے آپ کو بایں الفاظ سلام کیا۔

السلام عليك يا اوّل. السلام عليك يا اخر. السلام عليك يا حاشر.

جبریل امین نے کہا کہ آپ ان کے سلام کا جواب دیجئے اور بعد ازاں بتلایا کہ وہ بوڑھی عورت کے کنارے پر کھڑی تھی وہ دنیا تھی۔ دنیا کی عمر اتنی ہی قلیل باقی رہ گئی ہے جتنی اس عورت کی عمر باقی ہے اور وہ بوڑھا مرد شیطان تھا۔ دونوں کا مقصد آپ کو اپنی طرف مائل کرنا تھا اور وہ جماعت جنہوں نے آپ کو سلام کیا وہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ تھے۔ اخرجہ ابن جریر والبیہقی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ[۱]

(۲) صحیح مسلم میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پرنور نے فرمایا کہ شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام پر گذر ادیکھا کہ قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں[۲]

اور ابن عباس کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں نے شب معراج میں موسےٰ علیہ السلام اور دجّال اور خازن نازیعنی داروغۂ جہنم کو دیکھا جس کا نام مالک

---

۱ الخصائص الکبریٰ ج:۱ص:۱۵۵، تفسیر ابن کثیر ج:۶ ص:۸۔ ۲ الخصائص الکبریٰ ج۱، ۱۵۶

ہے۔ اخرجہ الشیخان عن ابن عباس ولینظر ھل کانت ھٰذہ الرویۃ فی الارض او فی السماء واللہ اعلم[1]

(۳) نیز راستہ میں آپ کا ایک ایسی قوم پر گذرا ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ان ناخنوں سے چھیلتے تھے۔ آں حضرت نے جبریل امین سے دریافت کیا تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ وہ ہیں کہ جو آدمیوں کا گوشت کھاتے ہیں یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں اور ان کی آبرو پر حرف گیری کرتے ہیں۔ اخرجہ احمد وابوداؤد عن انس[2]

(۴) نیز حضور نے ایک شخص کو دیکھا کہ نہر میں تیر رہا ہے اور پتھر کو لقمہ بنا بنا کر رکھا رہا ہے۔ آپ نے جبریل سے دریافت کیا تو یہ جواب دیا کہ یہ سود خوار ہے۔ اخرجہ ابن مردویہ عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۵) نیز آپ کا ایک ایسی قوم پر گذرا ہوا کہ جو ایک ہی دن میں تخم ریزی بھی کر لیتے ہیں اور ایک ہی دن میں کاٹ بھی لیتے ہیں اور کاٹنے کے بعد کھیتی پھر ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ ئیسے پہلے تھی۔ آپ نے جبریل امین سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ جبریل امین نے کہا کہ یہ لوگ اللہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں ان کی ایک نیک سات سو نیکی سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ لوگ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا نعم البدل عطا فرماتا ہے پھر آپ کا ایک اور قوم پر گذر ہوا۔ جن کے پتھروں سے کچلے جا رہے ہیں کچلے جانے کے بعد پھر دیسے ہی ہو جاتے ہیں جیسے پہلے تھے۔ اسی طرح سلسلہ جاری ہے کبھی ختم نہیں ہوتا۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ جبریل نے کہا کہ...... یہ فرض نماز سے کاہلی کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر ایک قوم پر گذر ہوا کہ جن کی شرمگاہ پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہُوئے ہیں اور اونٹ اور بیل کی طرح چرتے ہیں۔ ضریع اور زقوم یعنی کانٹوں اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ پھر آپ کا ایک ایسی قوم پر گذر ہوا کہ

[1] الخصائص الکبریٰ ج۱ص:۱۶۰ [2] الخصائص الکبریٰ ج۱ص:۱۵۶

جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت اور ایک ہانڈی میں کچا اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے کہ لوگ سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے۔ آپ نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں جبریلؑ نے کہا کہ یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے کہ جس کے پاس حلال اور طیب عورت موجود ہے مگر وہ ایک زانیہ اور فاجرہ کے ساتھ شب باشی کرتا ہے اور اور صبح تک اسی کے پاس رہتا ہے یا آپ کی امت کی وہ عورت ہے کہ جو حلال اور طیب شوہر کو چھوڑ کر کسی ذاتی اور بدکار کے ساتھ رات گذارتی ہے۔ پھر آپ کا ایک ایسی لکڑی پر گذر ہوا کہ جو سر راہ واقع ہے جو کپڑا اور شی بھی اس کے پاس سے گذرتا ہے اس کی پھاڑ ڈالتی ہے اور چاک کر دیتی ہے۔ آپ نے جبریل سے دریافت کیا جبریل نے نے کہا کہ یہ آپ کی امت میں ان لوگوں کی مثال ہے کہ جو راستہ پر چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں اور راہ سے گذرنے والوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں پھر آپ کا ایک قوم پر گذر ہُوا کہ جس نے لکڑیوں کا ایک بڑا بھاری گٹھہ جمع کر رکھا ہے اور اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا مگر لکڑیاں لا لا کر اس میں اور زیادہ کرتا رہتا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے جبریل نے کہا یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے کہ جس پر حقوق اور امانتوں کا بار گراں ہے کہ جس کا وہ ادا نہیں کر سکتا اور با ایں ہمہ اور بوجھ اپنے اُوپر لادتا جاتا ہے پھر آپ کا ایک قوم پر گذر ہُوا کہ جن کی زبانیں اور بولیں لوہے کی قینچوں سے کاٹی جا رہی ہیں اور جب کٹ جاتی ہیں تو پھر پہلے کی طرح صحیح وسالم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح سلسلہ جاری ہے ختم نہیں ہوتا آپ نے پوچھا یہ کیا ہے جبریل امین نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب اور واعظ ہیں (جو یقولون مالا یفعلون کا مصداق ہیں) یعنی دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے (اخرجہ ابن جریر والبز ار ابو یعلی والبیھقی عن ابی ہریرہ[۱] وحدیث قرض الشفا بمقاریض الحدید (اخرجہ ابن مردویہ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر آپ کا ایسے مقام پر گذر ہُوا جہاں نہایت ٹھنڈی اور خوشبودار ہوا آ رہی تھی۔ جبریل نے کہا یہ جنت کی خوشبو ہے از اں ایسے مقام پر گذرا ہوا جہاں سے بدبو محسوس ہوئی جبریل نے کہا یہ جہنم کی بدبو ہے[۲]

[۱] الخصائص الکبریٰ ج ا، ص: ۱۷۲، زرقانی ج: ۶، ص: ۱۴۱ [۲] الخصائص الکبریٰ ج ا، ص: ۱۷۲

تنبیہ: بظاہر یہ تمام واقعات عروج سماء سے پہلے کے ہیں اس لیے کہ روایات میں ان واقعات کا ذکر براق پر سوار ہونے کے بعد متصلا اور مسجد اقصیٰ میں پہنچنے سے پہلے آیا ہے اس لیے معلوم ہوا کہ یہ واقعات عروج سماء سے پہلے کے ہیں۔ واللہ اعلم۔

نزول[1] اقدس در بیت المقدس

الغرض اس شان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پرنور بیت المقدس پہنچے اور براق سے اترے صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا کہ جس سے انبیاء کرام اپنی سواریوں کو باندھتے تھے اور بزار کی روایات میں ہے کہ جبریل امین نے ایک پتھر میں انگلی سے سوراخ کر کے اسی براق کو باندھ دیا۔ عجب نہیں کہ براق کے باندھنے میں دونوں حضرات شریک ہوں۔ ممکن ہے کہ مرور زمانہ کی وجہ سے وہ سوراخ بند ہو گیا ہو اس لیے جبریل امین نے اس کو انگلی سے کھول دیا ہو۔

بعد ازاں حضور مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے اور دو رکعت (تحیۃ المسجد[2]) ادا فرمائی (رواہ مسلم عن انس) زرقانی ص ۴۵ ج ۶ ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور جبریل امین دونوں مسجد میں داخل ہوئے اور ہم دونوں نے دو رکعت نماز پڑھی (رواہ البیہقی)[3]

اور آپ کے قدوم میمنت لزوم کی تقریب میں حضرات[4] انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام پہلے ہی سے حضور پرنور کے انتظار میں موجود تھے۔ جن میں حضرت ابراہیم اور حضرۃ موسیٰ اور عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام بھی تھے (۵)

---

[1] ففی حدیث انس عند النسائی ثم دخلت بیت المقدس فجمع فی الانبیاء علیہم السلام فقدمنی جبریل علیہ السلام حتی اممتہم ابن کثیر ص ۹ ج ۶ [2] نزول اقدس میں ترکیب توصیفی اور ترکیب اضافی دونوں ممکن ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک تلفظ دونوں کی نیت کر لیجائے۔ کما ہو مذہب الشافعیۃ یا دو تلفظ میں کما ہو مذہب الحنفیۃ البتہ ترکیب توصیفی میں اقدس کی اسناد نزول کی طرف اسناد مجازی ہوگی۔ فافہم ذالک واستقم ۱۲ عنہ عفا اللہ عنہ [2] بین القوسین عبارت مسلم کی روایت میں نہیں ۱۲۔ خصائص کبریٰ ص ۱۷۲ ج ۱ [3] تفسیر ابن کثیر ۶ ص: ۲۔۳ [4] زرقانی ج: ۶۔ ص: ۵۔

کچھ دیر نہ گذری کہ بہت سے حضرات مسجد اقصیٰ میں جمع ہو گئے پھر ایک مؤذن نے اذان دی اور پھر اقامت کہی۔ ہم صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اسی انتظار میں تھے کہ کون امامت کرے۔ جبریل امین نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا۔ میں نے سب کو نماز پڑھائی جب میں نماز سے فارغ ہو گیا۔ جبریل امین نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کن لوگوں کو نماز پڑھائی۔ میں نے کہا مجھ کو معلوم نہیں۔ جبریل امین نے کہا کہ جتنے نبی مبعوث ہوئے سب نے آپ کے پیچھے نماز نہ پڑھی۔ اخرجہ ابن ابی حاتم عن انس[۱]

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کی آمد پر فرشتے بھی آسمان سے نازل ہوئے اور حضورؐ نے حضرات انبیاء اور ملائکہ سب کی امامت کرائی۔ جب نماز[۲] پوری ہو گئی تو ملائکہ نے جبریل امین سے دریافت کیا کہ یہ تمہارے ہمراہ کون ہیں۔ جبریل امین نے کہا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اخرجہ ابن جریر والبزار ابو یعلی والبیہقی من طریق ابی العالیۃ عن ابی العالیۃ عن ابی ہریرۃؓ اور (۳) ایک روایت میں ہے کہ جبریل نے کہا یہ محمد رسول اللہ خاتم النبین ہیں۔ ملائکہ نے پوچھا کہ کیا ان کے پاس بلانے کا پیغام بھیجا گیا تھا۔ جبریل نے کہا ہاں۔ فرشتوں نے کہا اللہ تعالیٰ ان کو زندہ سلامت رکھے بڑے اچھے بھائی اور بڑے اچھے خلیفہ ہیں یعنی ہمارے بھائی ہیں اور خدا کے خلیفہ ہیں (۴) بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارواح انبیاء کرام سے ملاقات فرمائی سب نے اللہ کی حمد اور ثناء کی۔

تحمید ابراہیمی علیہ الصلاۃ والسلام

الحمدللّٰہ الذی اتخذنی خلیلا واعطانی ملکا عظیما وجعلنی امۃ قانتایؤتم بی وانقذنی من النار وجعلھا علیَّ بردًاو سلاما.

ترجمہ: حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ کو اپنا خلیل بنایا اور مجھ کو ملک عظیم عطا فرمایا اور امام اور پیشوا بنایا اور آگ کو میرے حق میں بردو سلام بنایا۔

---

[۱] حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔ ثم سار حتی اتی بیت المقدس فنزل فربط فرسہ الی الصخرۃ ثم دخل فصلّی مع الملائکۃ۔ فلما قضیت الصلاۃ قالوا یا جبریل من ھذا معک قال محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تحمید موسوی علیہ الصلاۃ والسلام

الحمدللہ الذی کلمنی تکلیما وجعل ھلاك ال فرعون ونجاۃ بنی اسرائیل علے یدی وجعل من امتی قوما یھدون بالحق وبه یعدلون

ترجمہ: حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ سے بلا واسطہ کلام فرمایا اور قوم فرعون کی ہلاکت اور تباہی اور بنی اسرائیل کی رست گاری میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائی اور میری امت میں ایسی قوم بنائی ئحہ جو موجب حق۔ ہدایت اور انصاف کرتی ہیں۔

تحمید داؤدی علیہ الصّلاۃ والسّلام

الحمدللہ جعل لی ملکا عظیما وعلمنی الزبورولے الحدید وسخرلی الجبال یُسبحن والطیرواعطانی الحکمة وفصل الخطاب

ترجمہ: حمد ہے اس ذات پاک کے جسنے مجھ کو ملک عظیم عطا کیا اور زبور سکھائی اور لوہے کو میرے لیے نرم کیا اور پہاڑوں اور پرندوں کو میرے لیے مسخر کیا کہ میرے ساتھ تسبیح پڑھیں اور مجھ کو علم وحکمت اور تقریر دل پذیر مجھ کو عطا کی

تحمید سلیمانی علیہ الصّلاۃ والسلام

الحمدللہ الذی سخرلی الریاح وسخرلی الشیاطین یعملون ماشئت من محاریب و تماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات وعلمنی منطق الطیر واٰتانی من کل شیئ فضلا وسخرلی جنودالشیاطین والانس والطیر وفضلنے علی کثیر من عبادہ المومنین واتانی ملکا عظیما لاینبغی لاحدمن. بعدی وجعل ملکی ملکا طیبالیس فیه حساب.

ترجمہ: حمد ہے اس ذات پاک کی جسنے ہوا اور شیاطین اور جنات کو میرے مسخر کیا میرے حکم پر چلیں اور پرندوں کی بولی مجھ کو سکھائی اور جن اور انس چرند اور پرند کا لشکر میرے لیے

مسخر کیا اور ایسی سلطنت عطا کی میرے بعد کسی کے لیے مناسب نہ ہوگی اور نہ مجھ سے اس پر کوئی حساب و کتاب ہوگا۔

تحمید عیسوی علیہ الصّلاۃ والسّلام

الحمدللّٰہ الذی جعلنی کلمۃ وجعل مثلی مثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون وعلمنی الکتاب والحکمۃ والتوارۃ والا نجیل وجعلنی اخلق من الطین کھئیۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللّٰہ وجعلنی ابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتی باذن اللّٰہ ورفعنی وطھری و اعاذنی وامی من الشیطان الرجیم فلم یکن للشیطان علینا سبیل.

ترجمہ: حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ کو کلمہ بنایا اور حضرت آدمؑ کی طرح مجھ کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور پرندوں کے بنانے اور مُردوں کے زندہ کرے اور کوڑھی اور مادرزاد اندھے کے اچھا کرے کا معجزہ مجھ کو دیا اور توریت اور انجیل کا علم دیا اور مجھ کو اور میری ماں کو شیطان کے اثر سے محفوظ رکھا اور مجھ کو آسمان پر اٹھایا اور کافروں کی صحبت سے پاک کیا۔

تحمید محمّدی صلی اللہ علیہ وسلّم

الحمدللّٰہ الذی ارسلنی رحمۃ للعالمین وکافتہ للناس بشیرا ونذیرا وانزل علی الفرقان فیہ بیان لکل شئ وجعل امتی خیر امۃ اخرجت للناس وجعل امتی ھم الاولین والاٰخرین وشرح لی صدری ووضع عنی وزری ورفع لی ذکری وجعلنی فاتحاو خاتما.

ترجمہ: حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور تمام عالم کے لیے بشیر و نذیر بنایا اور مجھ پر قرآن کریم اتارا جس میں تمام امور دینیہ کا صراحۃ یا اشارہ بیان

کیا ہے اور میری امت کو بہترین امت بنایا اور میری امت کو اوّلین اور آخرین بنایا یعنی ظہور میں آخری امت اور مرتبہ میں اوّل بنایا اور میرے سینہ کو کھولا اور میرے ذکر کو بلند کیا اور مجھ کو فاتح اور خاتم بنایا یعنی وجود نطفی اور روحانی میں سب سے اوّل اور بعثت اور ظہور جسمانی میں سب سے آخری نبی بنایا۔

آں حضرت ﷺ جب خطبہ تحمید سے فارغ ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام انبیاء کرام سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا۔ افضلکم محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی انہی فضائل اور کمالات کی وجہ سے محمد ﷺ تم سب سے بڑھ گئے (۱) جب آپ[۱] فارغ ہو کر مسجد سے باہر تشریف لائے تو تین پیالے آپ کے سامنے پیش کیے گئے ایک پانی کا اور ایک دودھ کا اور ایک شراب کا آپ نے دودھ کا پیالہ اختیار کیا جبریل امین نے کہ آپ نے دین فطرت کو اختیار کیا ہے اگر آپ شراب کو اختیار کرتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی اور اگر آپ پانی کو اختیار کرتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی۔ بعض روایات میں ہے کہ شہد کا پیالہ بھی پیش کیا گیا اور آپ نے اس میں سے بھی کچھ پیا غرض یہ کہ تمام روایات کے جمع کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چار پیالے پیش کیے گئے تفصیل کے لیے زرقانی کی مراجعت کی جائے[۲]

اس کے بعد حضور نے جبریل امین اور دیگر ملائکہ مکرمین کی معیت میں آسمانوں کی طرف عروج وصعود فرمایا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور حسب سابق براق پر سوار ہو کر آسمان پر بلند ہوئے اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اقصیٰ سے برآمد ہونے کے بعد جنت سے زمرد اور زبرجد کی ایک سیڑھی کے ذریعہ آپ نے آسمان کی طرف صعود فرمایا اور سیڑھی کے دائیں بائیں جانب ملائکۃ اللہ آپ کے جلو میں تھے۔

---

[۱] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین پیالے سدرۃ المنتہیٰ کے بعد پیش کیے گئے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ عجب نہیں کہ یہ پیالے دو مرتبہ پیش کیے گئے ہوں ایک مرتبہ اقصیٰ میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد اور دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ پر اور اختیار لبن کی تصویب کی تاکید مزید مقصود ہو واللہ اعلم زرقانی ص ۴۸ ج ۶

[۲] زرقانی ج ۶، ص: ۴۷

قال ابن اسحاق واخبرني من لایتهم عن ابي سعيد قال سمعت رسولَ الله صلى الله عليه وسلم يقول لمافرغت مما كان في بيت المقدس اتي بالمعراج ولم ارشياء قط احسن منه وهوالذي يمد اليه ميتكم عليه اذاحضر فاصعدني فيه صاحبي حتىٰ انتهى بي الى باب من ابواب السماء يقال له باب الحفظة۔

الحدیث کذافی البدایۃ والھایۃ ص۱۱۰ ج۳ للحافظ ابن کثیر و کذافی شرح المواھب للزرقانی ص۵۵ ج۶

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ معتبر اور مستند راویوں نے مجھ کو خبر دی کہ ابوسعید خدریؓ یہ کہتے تھے کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب میں بیت المقدس کے امور سے فارغ ہوا تو ایک سیڑھی لائی گئی کہ اس سے بہتر میں نے کوئی سیڑھی نہیں دیکھی یہ وہ سیڑھی تھی کہ جس پر سے نبی آدم کی ارواح آسمان کی طرف چڑھتی ہیں اور دیکھتا ہے۔ میرے رفیق طریق جبریل امین نے مجھ کو اس سیڑھی پر چڑھایا۔ یہاں تک کہ میں آسمان کے ایک دروازے پر پہنچا جس کو باب الحفظہ کہتے ہیں

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضور پرنور بیت المقدس کے مشاغل سے فارغ ہونے کے بعد اسی سیڑھی کے ذریعہ آسمان پر تشریف لے گئے اور براق بدستور مسجد اقصیٰ کے دروازے پر بندھا رہا حضور آسمان سے بیت المقدس میں آ کر اترے اور پھر اسی براق پر سوار ہو کر مکہ واپس تشریف لائے۔ البدایۃ والنہایۃ ص۱۱۰ ج۳ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور براق پر سوار ہو کر موسیٰ سیڑھی پر سے آسمان پر تشریف لے گئے ہوں جیسا کہ بعض علماء[۲] کا قول ہے اس صورت میں تمام روایتیں متفق ہو جاتی ہیں اور نیز یہ صورت حضور کی مزید تکریم و تشریف کا موجب بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[۱] وعبارتہ ہکذا۔ والمقصود انہ ﷺ لما فرغ من امر بیت المقدس نصب لہ المعراج وہو السلم فصعد فیہ الی السماء ولم یکن الصعود علی البراق کما یتوہمہ بعض الناس بل کان البراق مربوطا علی باب مسجد بیت المقدس لیرجع علیہ الی مکۃ ۱۲ اور تفسیر ابن کثیر سورۂ اسراء ص۲۸ ج۶ ثم نزل الی البیت المقدس ثانیا وہم (ای الانبیاء) معہ وصلی بہم ثم انہ رکب البراق وکر راجعا الی مکۃ۔ واللہ اعلم ۱۲ انتہی کلامہ۔ [۲] قال النعمانی ما المانع من انہ ﷺ رقی المعراج فوق ظہر البراق بظاہر الحدیث زرقانی ص۳۳ ج۶

سیر ملکوت اور آسمانوں میں انبیاء کرام سے ملاقات

اس طرح آپ آسمانِ اوّل پر پہنچے جبریل امین نے دروازہ کھلوایا۔ آسمان دنیا کے دربان نے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ کون ہے جبریل نے کہا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں فرشتے نے دریافت کیا کہ کیا ان کے بلانے کا پیام بھیجا گیا ہے جبریل نے کہا ہاں فرشتوں نے یہ سنکر مرحبا کہا اور دروازہ کھول دیا۔ آپ آسمان میں داخل ہوئے اور ایک نہایت بزرگ آدمی کو دیکھا۔ جبریل نے کہا کہ یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے آپ نے سلام کیا۔ حضرت آدم نے سلام کا جواب دیا اور کہا مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح مرحبا ہو فرزند صالح اور نبی صالح کو اور آپ کے لیے دُعاء خیر کی اور اس وقت آپ نے دیکھا کہ کچھ صورتیں حضرت آدم کی دائیں جانب ہیں اور کچھ صورتیں بائیں جانب ہیں۔ جب دائیں جانب نظر ڈالتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ہنستے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ حضرت جبریل نے بتلایا کہ دائیں جانب ان کی نیک اولاد کی صورتیں ہیں یہ اصحاب یمین اور اہل جنت ہیں اور ان کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور بائیں جانب اولاد بد کی صورتیں ہیں۔ یہ اصحاب شمال اور اہل نار ہیں ان کو دیکھ کر روتے ہیں یہ تمام مضمون صحیحین (بخاری و مسلم) کی روایتوں میں ہے اور مسند بزار میں ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت آدم کی دائیں جانب ایک دروازہ ہے جس میں سے نہایت عمدہ اور خوشبو آتی ہے اور ایک دروازہ بائیں جانب ہے جس سے نہایت سخت بدبو آتی ہے۔ جب دائیں جانب دیکھتے ہیں تو مسرور ہوتے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو مغموم ہوتے ہیں۔ (زرقانی ص ٦٠ ج ٦)

پھر دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے اور اسی طرح جبریل نے دروازہ کھلوایا جو وہاں کا دربان تھا اس نے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ کون ہیں جبریل نے کہا محمد ﷺ ہیں اس فرشتہ نے کہا کیا بلائے گئے ہیں۔ جبریل نے کہا۔ ہاں فرشتہ نے کہا مرحبا نِعم المجئ جاء مرحبا ہو کیا اچھا آنا آئے۔ یہاں آپ نے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ

علیہما السلام کو دیکھا جبریل امین نے کہا کہ یہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام ہیں ان کو سلام کیجئے آپ نے سلام کیا۔ ان دونوں حضرات نے سلام کا جواب دیا اور مـرحبا بـالاخ الصالح وبالنبی الصالح کہا یعنی مرحبا ہو برادر صالح کو اور نبی صالح کو۔ بعدازیں آپ تیسرے آسمان میں تشریف لے گئے اور جبریل امین نے اسی طرح دروازہ کھلوایا۔ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور اسی طرح سلام وکلام ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کو حسن و جمال کا ایک بہت بڑا حصّہ عطا کیا گیا ہے۔ پھر چوتھے آسمان پر تشریف لے گئے وہاں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر پانچویں آسمان پر تشریف لے گئے وہاں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر چھٹے آسمان پر تشریف لے گئے وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور یہ دیکھا کہ حضرت ابراہیم بیت معمور سے پشت لگائے بیٹھے ہیں۔ بیت معمور قبلۂ ملائک ہے جو ٹھیک خانہ کعبہ کے مقابلہ میں ہے بالفرض وہ گرے تو خانہ کعبہ پر گرے۔ روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور پھر ان کی نوبت نہیں آتی جبریل نے کہا یہ آپ کے باپ ہیں۔ ان کو سلام کیجئے آپ نے سلام کیا حضرت ابراہیم نے جواب دیا اور **مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح** کہا۔

سدرۃ المنتہیٰ

بعدازاں آپ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا جو ساتویں آسمان پر ایک بیری کا درخت ہے زمین سے جو چیز اوپر جاتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر جا کر منتہی ہو جاتی ہے اور پھر اوپر اٹھائی جاتی ہے اور ملاء اعلیٰ سے جو چیز اترتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر آ کر ٹھہر جاتی ہے پھر نیچے اترتی ہے اس لیے اس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے[1]

---

[1] زرقانی۔ ج ۶ ص: ۱۸

اسی مقام پر حضور نے جبریل امین کو اصلی صورت میں دیکھا اور حق جل شانہ کی عجیب وغریب انوار وتجلیات کا مشاہدہ کیا اور بے شمار فرشتے اور سونے کے پتنگے اور پروانے دیکھے جو سدرۃ المنتہیٰ کو گھیرے ہوئے تھے۔

مشاہدۂ جنّت وجہنم

جنت کیونکہ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہے جیسا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ عِنْدَسِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اس لیے ابوسعید خدری کی حدیث میں ہے کہ حضور بیت معمور میں نماز پڑھنے کے بعد سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیے گئے اور سدرۃ المنتہیٰ کے بعد جنت کی طرف بلند کیے گئے اور جنت کی سیر کے بعد آپ پر جہنم پیش کی گئی یعنی آپ کو دکھلائی گئی۔[1]

اور صحیحین میں ابوذرؓ کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا جہاں عجیب وغریب الوان اور رنگتیں دیکھیں مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا تھیں۔ پھر میں جنت میں داخل کیا گیا تو اس کے گنبد موتیوں کے تھے اور مٹی اس کی مشک کی تھی۔

مقام صریف الاقلام[2]

بعدازاں پھر آپ کو عروج ہوا اور ایسے بلند مقام پر پہنچے کہ جہاں صریف الاقلام کو سنتے تھے۔ لکھنے کے وقت قلم کی جو آواز پیدا ہوتی ہے اس کو صریف الاقلام کہتے ہیں اس مقام پر قضاء وقدر کے قلم مشغول کتابت تھے۔ ملائکۃ اللہ امور الٰہیہ کی کتابت اور احکام خداوندی کو لوح محفوظ سے نقل کر رہے تھے[3]

تنبیہ: احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام صریف الاقلام سدرۃ المنتہیٰ کے بعد ہے اس لیے کہ احادیث میں مقام صریف الاقلام کا عروج سدرۃ المنتہیٰ کے بعد

---

[1] الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص: ۱۶۹ [2] حضور کا صریف الاقلام پر پہنچنا بخاری اور مسلم میں ابن عباس اور ابوحبہ انصاری سے مروی ہے باقی صریف الاقلام کی شرح زرقانی سے ماخوذ ہے ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ [3] زرقانی ج ۶ ص: ۸۸

لفظ ثم سے ذکر کیا گیا ہے۔ نیز سدرۃ المنتہیٰ کو اس لیے سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہیں کہ اوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں ان کا منتہیٰ یہی مقام ہے معلوم ہوا کہ سدرۃ المنتہیٰ کے اوپر کوئی اور مقام ہے کہ جہاں سے تدابیر عالم کے متعلق احکام تکوینیہ کا نزول ہوتا ہے وہ یہی مقام صریف الاقلام ہے گویا کہ مقام صریف الاقلام تدابیر الٰہی وتقادیر خداوندی کا بلاتشبیہ و تمثیل مرکزی دفتر اور صدر مقام ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ اور جنت اور جہنم کے بعد حضورؐ کو اس مقام کا معائنہ کرایا گیا۔ نیز روایات حدیث میں نمازوں کی فرضیت اور مکالمۂ خداوندی کا ذکر صریف الاقلام کے بعد آیا ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ مقام صریف الاقلام سدرۃ المنتہیٰ کے بعد ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دنو اور تدلی، قرب اور تجلّی

دیدار اور کلام اور عطائے احکام

مقام صریف الاقلام[1] سے چل کر حجابات طے کرتے ہوئے بارگاہ قدس میں پہونچے کہا جاتا ہے کہ آپ کی سواری کے لیے ایک رفرف (یعنی ایک سبز مخملی مسند) آئی اس پر سوار ہوئے اور بارگاہ ''دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین اوادنیٰ'' میں پہنچے۔

---

[1] حافظ عسقلانی فتح الباری جلد ہفتم باب المعراج ص ۱۶۹ ج ۷ میں لکھتے ہیں (تکملہ) وقع فی غیر ہذہ الروایۃ زیادات رآہا صلی اللہ علیہ وسلم بعد سدرۃ المنتہیٰ لم تذکر فی ہذہ الروایۃ عنہا ماتقدم فی الصلاۃ حتیٰ ظہرت لمستوی اسمع فیہ صریف الاقلام ۱۲ھ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مقام صریف الاقلام سدرۃ المنتہیٰ کے بعد ہے۔ علامہ سفارینی فرماتے ہیں لما وصل سدرۃ المنتہی غشیتہ سحابۃ فیہا من کل لون فتاخر جبریل ثم عرج بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی وصل لمستوی سمع فیہ صریف الاقلام فدنا من الحضرۃ الالہیۃ حتی کان قاب قوسین اوادنی ای اواقرب ای بل اقرب من ذلک کذافی شرح العقیدہ السفارینیۃ ص ۲۷۱ ج ۲ اس عبارت سے بھی مقام صریف الاقلام کا سدرۃ المنتہیٰ کے بعد ہونا صاف ظاہر ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں قال القرطبی وقیل تدلی الرفرف لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ جلس علیہ ثم دنا محمد من ربہ انتہیٰ فتح الباری ص ۴۰۳ ج ۳ کتاب التوحید وزرقانی ص ۷۹ ج ۶ (فائدہ) قاضی عیاض شفاء میں فرماتے ہیں کہ آیت شریفہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دنو اور تدلی ایسا ہے کہ جیسا احادیث میں اللہ تعالیٰ کا اخیر شب میں بلاتشبیہ ومثال کے نزول اجلال کا ذکر آیا ہے فافہم ذلک واستقم۔ نسیم الریاض ص ۳۳۶ ج ۲۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ شفاء میں فرماتے ہیں۔

وقال ابن عباس هواے قوله تعالیٰ دنی فتدلی مقدم وموخر فاصله فتدلی فدنا ای فتدلی الرفرف[1] لمحمد ﷺ ليلة المعراج فجلس عليه ثم رفع ودنامن ربه۔[2]

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دنی فتدلی میں تقدیم وتاخیر ہے اصل میں اس طرح ہے فتدلی فدنا۔ اور معنی یہ ہیں۔ کہ محمد ﷺ کی سواری کے لیے شب معراج میں ایک رفرف اتری۔ آپؐ اس پر بیٹھ گئے پھر آپ بلند کیے گئے یہاں تک کہ اپنے پروردگار کے قریب پہنچ گئے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے۔

وفتح لی باب من ابواب السماء فرایت النور الاعظم واذادون الحجاب رفرف الدُرّ والياقوت واوحی اللّٰه اِلیَّ ماشاء ان يوحی الحديث.

میرے لیے آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا اور میں نے نورِ اعظم کو دیکھا اور پردہ میں سے موتیوں کی ایک رفرف (مسند) کو دیکھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے جو کلام کرنا چاہا وہ مجھ سے کلام فرمایا۔[3]

حضورؐ پرنور جب مقام دنا فتدلی اور حریم قرب میں پہونچے تو بارگاہ بے نیاز میں سجدۂ نیاز بجالائے[4] اور نور السمٰوات والارض کے جمال بیمثال کو حجاب کبریائی کے پیچھے سے

---

[1] علامہ شہاب خفاجی فرماتے ہیں کہ رفرف کے معنی بساط کے ہیں یا بساط اخضر یا بساط دیباج کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ رفرف اور زرابی مبثوثہ ایک ہی شے ہیں اور یہ لفظ قرآن کریم میں بھی آیا ہے متکئین علی رفرف خضر ص ۳۴۴ ج ۲۔ نسیم الریاض۔ نیز زرقانی ص ۹۵ ج ۶ کی بھی مراجعت کی جائے (تنبیہ) رفرف کا ذکر صحیح احادیث سے ثابت نہیں۔ ضعیف اور منکر روایتوں میں اس کا ذکر آیا ہے اس لیے اس کو بالکل بے اصل بھی نہیں کہا جا سکتا واللہ اعلم ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

[2] نسیم الریاض ج:۲ ص:۲۶۴ [3] الخصائص الکبریٰ ج:۱ ص:۱۵۷ [4] حافظ عسقلانی فرماتے ہیں وعند ابن ابی حاتم وابن حاتم وابن عائذ من طریق یزید بن ابی مالک عن انس ثم انطلق حتی انتہی بی الی شجرہ فغشیۃ سحابۃ فیہا من کل لون فتاخر جبریل وخررت ساجدا۔ فتح الباری ص ۱۶۹ ج ۷ اور زرقانی فرماتے ہیں۔ وفی روایۃ فرای ربہ سبحانہ فخر ﷺ ساجدا۔ الحدیث۔ زرقانی ص ۱۰۳ ج ۲۔

دیکھا اور بلاواسطہ کلام خداوندی اور وحی ایزدی سے مشرف اور سرفراز ہوئے۔ فاوحی الی عبده ما اوحی۔

اخرج الطبرانی فی السنة والحكيم عن انسؓ قال قال رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم رايت النور الاعظم فاوحی اللّٰه الیَّ ماشاء ان یوحی[1]

امام طبرانی اور حکیم ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ آں حضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے نور اعظم یعنی نور الٰہی کو دیکھا پھر اللہ نے میری طرف وحی بھیجی جو چاہی یعنی مجھ سے بلاواسطہ کلام فرمایا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے دنی فتدلی اور فاوحی الیٰ عبده مااوحی کی تفسیر بھی ہوجاتی ہے کہ آیت میں دنو اور تدلی سے حق جل شانہ کا ایسا قرب خاص اور تام مراد ہے کہ جس کے ساتھ دیدار پر انوار اور مسرت التیام بھی ہو اور فاوحی الی عبده ما اوحی سے بلاواسطہ مکالمۂ خداوندی اور بلاواسطہ کلام اور وحی مراد ہے۔ اس لیے کہ دیدار کے بعد بالواسطہ کلام کے کیا معنی۔ دیدار بلاواسطہ کے بعد کلام بلاواسطہ ہی کا ذکر مناسب اور موزوں ہے۔

الغرض نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم دیدار خداوندی اور بلاواسطہ کلام ایزدی سے مشرف ہوئے۔ حق جل شانہ نے آپ سے کلام فرمایا اور پچاس نمازیں آپ پر اور آپ کی امت پر فرض فرمائیں۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حق جل شانہ نے آپ کو اس وقت تین عطیے مرحمت فرمائے (۱) پانچ نمازیں (۲) اور خواتیم سورۃ بقرہ یعنی سورۂ بقرہ کی آخری آیتوں کا مضمون عطا کیا گیا جن میں اس امت پر حق تعالیٰ کی کمال رحمت اور لطف وعنایت اور تخفیف اور سہولت اور عفو اور مغفرت اور کافرین کے مقابلہ میں فتح اور نصرت کا مضمون ہے جس کی برنگ دُعاء اس امت کو تعلیم وتلقین کی گئی ہے اشارہ اس طرف ہے کہ سورۂ بقرہ کے اخیر میں جو دعائیں تم کو تلقین کی گئی ہیں وہ ہم سے مانگو ہم تمہاری یہ تمام دعائیں اور درخواستیں قبول کریں گے۔

---

[1] درالمنثور: ج۶، ص: ۱۲۳

وَلَولَمْ تُرِدْنَيْلَ مَانَرْجوو نَطْلُبهٗ ۔۔۔ مِنْ فيض جُودك مَا عَلَّمْتَنَا الطَّلبَا

(اگر تیرا ارادہ ہم کو اپنے دریائے کرم سے ہمارے مطلوب عطا کرنے کا نہ ہوتا تو ہم کو طلب اور استدعاء کی تعلیم بھی نہ دیتا) یعنی درخواست کا مضمون ہی نہ بتاتا۔ (۳) تیسرا عطیہ آپ کو یہ عطا کیا گیا جو شخص آپ کی امت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانے اللہ تعالیٰ اس کے کبائر سے درگذر فرمائے گا یعنی گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافروں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہ ڈالے گا۔ کسی کو انبیاء کرام کی شفاعت سے معاف کرے گا اور کسی کو ملائکہ مکرمین کی شفاعت سے اور کسی کو اپنی خاص رحمت اور عنایت سے۔ جس کے قلب میں ذرّہ برابر بھی ایمان ہوگا بالآخر وہ بھی جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حق جل شانہ نے اثناء کلام میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے یہ فرمایا۔

فقال له ربه قد اتخذتك خليلا وحبيباً وارسلتك الى الناس كافة بشيرا ونذيرا وشرحت لك صدرك ووضعت عنك وزرك ورفعت لك ذكرك فلا اذ كرالا اذكرت معى وجعلت امتك خير امة اخرجت للناس وجعلت امتك وسطا و جعلت امتك هم الاولين والاخرين وجعلت من امتك اقوا ما قلوبهم اناجيلهم وجعلتك اول النبيين خلقاو اٰخرهم بَعْثاً وا عطيتك سبعا من المثانى لم اعطها نبيا قبلك واعطيتك خواتيم

آپ سے آپ کے پروردگار نے کہا کہ میں نے تجھ کو اپنا خلیل اور حبیب بنایا اور تمام لوگوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا اور تیرا سینہ کھولا اور تیرا بوجھ اتارا اور تیری آواز کو بلند کیا میری توحید کے ساتھ تیری رسالت اور عبدیت کا بھی ذکر کیا جاتا ہے اور تیری امت کو خیر الامم اور امت متوسطہ اور عادلہ اور معتدلہ بنایا شرف اور فضیلت کے لحاظ سے اولین اور ظہور اور وجود کے حساب سے آخرین بنایا اور آپ کی امت میں سے کچھ لوگ ایسے بنائے کہ جن کے دل اور سینہ ہی انجیل ہونگے یعنی اللہ کا کلام ان کے سینوں

سورة البقرة من كنز تحت العرش لم اعطها نبيا قبلك واعطيتك الكوثر واعطيتك ثمانية اسهم الاسلام والهجرة والجهاد والصلاة وصوم رمضان والامربالمعروف والنهى عن المنكر وجعلتك فاتحا وخاتما الى اٰخر الحديث اخرجه ابن جرير فى تفسير سورة الاسراء عن ابى هريرة بطوله كذافى الخصائص الكبرى[1]

اور دلوں پر لکھا ہوا ہوگا اور آپ کو وجود نورانی اور روحانی کے اعتبار سے اول النبیین اور بعثت کے اعتبار سے آخر النبیین بنایا اور آپ کو سورۂ فاتحہ اور خواتیم سورۂ بقرہ عطا کیے جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے اور آپ کو حوض کوثر عطا کی اور آٹھ چیزیں خاص طور پر آپ کی امت کو دیں اسلام اور مسلمان کا لقب اور ہجرت اور جہاد اور نماز اور صدقہ اور صوم رمضان اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور آپ کو فاتح اور خاتم بنایا یعنی اول الانبیاء اور آخر الانبیاء بنایا۔

وقال السيوطى فى الأية الكبرىٰ فى شرح قصة الاسراء اخرجه الحاكم وغيره ورجاله موثقون الاان اباجعفر الرازى وثقه بعضهم وضعفه بعضهم وقال ابوزُرعة يتهم وقال الحافظ ابن كثير الاظهرانه سيئ الحفظ (ص ٢٦)

الغرض حق جل شانہ نے اس مقام قرب میں حضور کو گونا گوں الطاف وعنایات سے نوازا اور طرح طرح کے بشارات سے مسرور کیا اور خاص خاص احکام وہدایات دیئے سب سے اہم حکم یہ تھا کہ آپ کو اور آپ کی امت کو پچاس نمازں کا حکم ہُوا۔ آں حضرت یہ تمام احکام وہدایات لے کر بصد ہزار مسرت وابتہاج واپس ہوئے۔ واپسی میں پہلے حضرۃ ابراہیمؑ خلیل اللہ سے ملے حضرت ابراہیمؑ نے ان احکام وہدایات اور فریضۂ نماز وغیرہ

[1] الخصائص الکبریٰ ج۱،ص:۱۷۵

کے متعلق کچھ نہیں فرمایا۔ کمافی فتح الباری باب المعراج[1]۔ بعدازاں موسیٰ علیہ السلام پر گذر ہوا انہوں نے دریافت کیا کہ کیا حکم ہُوا۔ آپ نے فرمایا۔ دن رات میں پچاس نمازوں کا حکم ہُوا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کر چکا ہوں آپکی امت ضعیف اور کمزور ہے وہ اس فریضہ کو انجام نہیں دے سکے گی۔ اس لیے تم اپنے پروردگار کے پاس واپس جاؤ اور اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کرو۔ حضور واپس گئے اور حق تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کی حق تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کردیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے۔ انہوں نے پھر یہی بات کہی۔ آپ پھر گئے اور تخفیف کی درخواست کی مکرر سہ کرر تخفیف کے بعد جب پانچ نمازیں رہ گئیں اور پھر بھی موسیٰ علیہ السلام نے یہی مشورہ دیا کہ جایا جائے اور حق تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کی جائے تو آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے بار بار درخواست کی اب میں حق تعالیٰ سے شرما گیا۔ آپ موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دیکر آگے روانہ ہوئے۔ غیب سے ایک آواز آئی کہ یہ پانچ ہیں مگر پچاس کے برابر ہیں یعنی ثواب میں پچاس ہیں اور میرے قول میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ میرے علم میں اسی طرح متعین اور طے شدہ تھا کہ اصل فرض پانچ نمازیں ہیں اور پچاس سے پانچ تک یہ تدریج و ترتیب کسی مصلحت اور حکمت کی بنا پر اختیار کی گئی جیسے طبیب کے معالجہ میں ترتیب و تدریج حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتی ہے اور مریض اپنی لاعلمی کی وجہ سے اس کو تغیر و تبدل سمجھتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس طرح سے آسمانوں سے واپسی ہوئی اور اولاً بیت المقدس میں آکر اترے اور وہاں سے براق پر سوار ہو کر صبح سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچے صبح کے بعد آپ نے یہ واقعہ قریش کے سامنے بیان کیا سن کر حیران ہوگئے کسی نے تعجب سے سر پر ہاتھ رکھ لیا اور کسی نے تالیاں بجائیں اور از راہ تعجب یہ کہنے لگے کہ ایک ہی رات میں بیت المقدس جا کر واپس

---

[1] قال الحافظ وفی ہذہ الروایۃ من الزیادۃ فانصرفت سریعا فاتیت علی ابراہیم فلم یقل شیئا ثم اتیت علی موسیٰ فقال ما صنعت الخ فتح الباری ص ۱۶۹ ج ۷ باب المعراج

آ گئے جو لوگ بیت المقدس دیکھے ہوئے تھے انھوں نے بطور امتحان بیت المقدس کی علامتیں دریافت کرنا شروع کردیں حق تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کی نظروں کے سامنے کردیا۔ کفار نے سوالات شروع کیے آپ اس کو دیکھتے جاتے تھے اور ان کے سوالات کا جواب دیتے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ جب کوئی بات پوچھنے سے باقی نہ رہی تو یہ کہا کہ اچھا اب کوئی راستہ کا واقعہ بتلاؤ۔ آپ نے فرمایا کہ راستہ میں فلاں جگہ مجھ کو ایک تجارتی قافلہ ملا جو شام سے مکہ واپس آ رہا ہے اس کا ایک اونٹ گم ہوگیا جو بعد میں مل گیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ تین دن کے بعد وہ قافلہ مکہ پہنچ جائے گا اور ایک خاکستری رنگ کا اونٹ سب سے آگے ہوگا جس پر دو بورے لدے ہوں گے۔ چنانچہ تیسرے دن اسی شان سے وہ قافلہ مکہ میں داخل ہوا اور اونٹ کے گم ہونے کا واقعہ بھی بیان کیا۔ ولید بن مغیرہ نے یہ سن کر اور یہ دیکھ کر یہ کہا کہ یہ جادو ہے۔ لوگوں نے کہا ولید سچ کہتا ہے۔[1]

حبس شمس

بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ نشانی بتلائی کہ فلاں تجارتی قافلہ جو شام سے آ رہا ہے وہ بدھ کی شام تک مکہ پہنچ جائے گا۔ جب بدھ کا دن ہوا تو قافلہ نہ پہنچا اور آفتاب غروب کے قریب ہوگیا۔ آنحضرت نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو کچھ دیر کے لیے روک دیا۔ یہاں تک کہ قافلہ آپ کی خبر کے مطابق اسی روز شام کو مکہ پہنچ گیا[2] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قافلہ صبح کے وقت مکہ مکرمہ پہنچا ممکن ہے کہ دو قافلہ ہوں ایک صبح پہنچا ہو اور ایک شام اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی قافلہ ہو کچھ آدمی صبح کو پہنچے ہوں اور کچھ غروب کے وقت علماء سیرت کے نزدیک یہ معجزہ حبس شمس کے نام سے موسوم ہے۔ شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَشَمْسُ الضُّحیٰ طاعَتْكَ عِنْدَ مَغِیْبِهَا　　فَمَا غَرَبَتْ بَلْ وَافَقَتْكَ بِوَقْفِه

---

[1] و [2] زرقانی ج ۶ ص: ۱۲۶

اس طرح حق جل شانہ نے آپ کا صدق ظاہر فرمایا اور قریش نے آپ کا صدق آنکھوں سے دیکھ لیا اور کانوں سے سُن لیا مگر اپنی اسی تکذیب اور عناد اور مقابلے پر تلے رہے۔ کچھ لوگ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے دوست یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہیں کہ میں آج رات بیت المقدس گیا تھا اور صبح سے پہلے واپس آ گیا کیا تم اس کی بھی تصدیق کرو گے۔ ابوبکرؓ نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تو بالکل سچ فرمایا ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور میں تو اس سے بھی بڑھ کر آپ کی بیان کردہ آسمانی خبروں کی صبح وشام تصدیق کرتا رہتا ہوں۔ اسی روز سے آپ کا لقب صدیق ہو گیا[1]

لطائف ومعارف اور اسرار وحکم

(۱) حق جل شانہ نے واقعہ اسراء کو لفظ سبحان الذی سے اس لیے شروع فرمایا کہ کوئی کوتاہ نظر اور تاریک خیال اس کو ناممکن اور محال نہ سمجھے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے ضعف اور عجز سے پاک اور منزہ ہے ہماری ناقص عقلیں اگر چہ کسی شے کو کتنا ہی مستبعد اور عجیب سمجھیں مگر خدا کی لامحدود قدرت اور مشیت کے سامنے کوئی مشکل نہیں۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن   کہ جاہا سپر باید انداختن

نیز اس طرف اشارہ ہے کہ یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ ایک عظیم الشان معجزہ اور کرامت ہے جو آپ کے سواء کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ حق جل شانہٗ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضور پُر نور کو بحالت بیداری اسی جسم اطہر کے ساتھ آسمانوں کی سیر کرائی تمام صحابہ اور تابعین اور سلف صالحین کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور پُر نور کو اسی جسد مبارک کے ساتھ بحالت بیداری معراج ہوئی صرف دو تین صحابہ اور تابعین سے نقل کیا جاتا ہے کہ یہ سیر روحانی تھی یا کوئی عجیب وغریب خواب تھا۔ مگر صحیح یہی ہے کہ اسراء ومعراج کا تمام واقعہ

---

[1] الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۱۷۶

از اوّل تا آخر بحالت بیداری اسی جسد شریف کے ساتھ واقع ہُوا اگر کوئی خواب یا کشف ہوتا تو مشرکین مکہ اس قدر تمسخر اور استہزاء نہ کرتے اور نہ بیت المقدس کے علامتیں آپ سے دریافت کرتے خواب میں دیکھنے والے سے نہ کوئی علامت پوچھتا ہے اور نہ کوئی اس کا مذاق اڑاتا ہے نیز لفظ ''اسریٰ'' خواب یا کشف کے لیے مستعمل نہیں ہوتا بلکہ بیداری کی حالت کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ لوط علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ قَالُوْا یَا لُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلاً ان دونوں قصوں میں اسراء سے رات کے وقت بحالت بیداری لے جانا مراد ہے نیز اگر یہ واقعہ معراج کوئی خواب ہوتا تو حضرت کے معجزات میں شمار نہ ہوتا اس لیے کہ خواب میں تو یہودی اور نصرانی بھی آسمان اور جنت اور جہنم کی سیر کرسکتا ہے۔ نیز ہمارے نبی اکرم ﷺ کو دوسرے انبیاء پر جو فضیلت ہے ان میں دو باتیں خاص طور پر باعث فضیلت ہیں دنیا میں معراج اور آخرت میں شفاعت۔ محض خواب ایسی فضیلت عظمیٰ کا سبب نہیں ہوسکتا۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضور کو یہ دونوں فضیلتیں اور یہ دونوں دولتیں تواضع کی بدولت حاصل ہوئیں۔ حضور نے حق تعالیٰ کے ساتھ تواضع کی تو دولت معراج کی پائی اور مخلوق کے ساتھ تواضع کی تو دولت شفاعت کی پائی۔

(۲) حق جل شانہ نے اس مقام پر حضور کی شان عبدیت کو ذکر فرمایا اور شان نبوت اور رسالت کو ذکر نہیں فرمایا۔ یعنی ''اسریٰ بعبدہٖ'' فرمایا اور ''اسریٰ بنبیہ ورسولہ'' نہیں فرمایا اس لیے کہ سیر الی اللہ کے لیے وصف عبدیت ہی مناسب ہے کہ بندہ سب کو چھوڑ کر اپنے آقا کی طرف جا رہا ہے اور نبوت اور رسالت کا ذکر اُس مقام پر مناسب ہے کہ جہاں انبیاء کرام کا منجانب اللہ بندوں کی طرف آنا بیان کیا گیا ہے کما قال تعالیٰ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْكُمْ رَسُوْلاً شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلاً [1] حق تعالیٰ

---

[1] المزمل، آیت ۱۵

نے اس مقام پر انا ارسلنا الیکم عبدنا نہیں فرمایا اس لیے کہ اس جگہ انبیاء کرام کا دنیا کی طرف مبعوث ہونا بیان فرمایا ہے۔ دنیا کو چھوڑ کر اپنی طرف آنا یا بلانا بیان نہیں فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ یہ مقام۔ سیر الی اللہ اور خدا کی طرف جانے کا تھا۔ اس لیے عبد کا لفظ استعمال فرمایا اور رسول اور نبی کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ نیز عبد کا لفظ اس لیے بھی اختیار فرمایا کہ کہیں ناقص العقل نصاریٰ کی طرح حضور پرنور کو معراج آسمانی کی وجہ سے خدا نہ خیال کر بیٹھیں۔

امام رازیؒ اپنے والد ماجد سے ناقل ہیں کہ میں نے ابوالقاسم سلیمان انصاری کو یہ کہتے سنا کہ شب معراج میں حق تعالیٰ نے نبی کریم سے دریافت فرمایا کہ آپ کو کون سا لقب اور کونسی صفت سب سے زیادہ پسند ہے آپ نے فرمایا صفت عبدیت تیرا بندہ ہونا مجھ کو سب سے زائد محبوب ہے۔ اس لیے جب یہ سورت نازل ہوئی تو اسی پسند کردہ لقب کے ساتھ نازل ہوئی۔

(۳) اسراء کے معنی اگر چہ رات ہی کو لیجانے کے ہیں لیکن لیلاً کی تصریح اس لیے کی گئی تاکہ نکرہ ہونے کی وجہ سے تبعیض اور تقلیل پر دلالت کرے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے رات کے بعض اور قلیل ہی حصہ میں زمین و آسمان کی سیر کروادی اور رات کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ رات عادۃً خلوت اور تنہائی کا وقت ہے ایسے وقت میں بلانا مزید تقرب اور اختصاص خاص کی دلیل ہے اور اسی وجہ سے قیام اللیل اور تہجد کی فضیلت قرآن کریم اور احادیث میں خاص طور سے آئی ہے۔ یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ۔ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْأً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا۔ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ۔ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ۔ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ۔ نیز قرآن کریم میں آپ کا لقب سراج منیر آیا ہے اور سراج منیر یعنی روشن چراغ کے لیے رات ہی مناسب ہے۔

قلت یاسیدی فلم توثر　　　اللیل علی بھجة النھار

میں نے کہا اے میرے محبوب آپ اپنی سیر میں رات کو دن کے مقابلہ میں کیوں ترجیح دیتے ہیں کہ رات کو نکلتے ہیں دن کو نہیں۔

قال لا استطیع تغییر رسمی ھکذا الرسم فی طلوع البدور۔

جواب میں یہ کہا کہ میں اپنی رسم اور عادت کو نہیں بدل سکتا۔ بدر کی رسم یہی ہے کہ رات میں طلوع کرے۔

(۴) مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جانے میں شاید یہ حکمت ہو کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں قبلوں کے انوار و برکات اور حضرات انبیاء بنی اسرائیل کے فضائل و کمالات حضور پُرنور میں جمع کر دیئے جائیں اور اس طرف بھی اشارہ ہو جائے کہ اب عنقریب ہی بنی اسرائیل کا قبلہ بنی اسماعیل کے قبضہ میں دے دیا جائے گا اور امت محمدیہ دونوں قبلوں یعنی کعبۃ اللہ اور مسجد اقصیٰ کے انوار و برکات کی حامل ہوگی اور حضرات انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مکرمین کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرنا حضور پرنور کی سیاوت اور امامت انبیاء کا حسّی نمونہ دکھلانے کے لیے تھا کہ مقربین بارگاہ خداوندی اپنی آنکھوں سے آپ کی سیادت اور امامت کا مشاہدہ کرلیں۔

مسئلہ

حضرات انبیاء نے اور ملائکہ نے حضورؐ کی اقتداء میں نماز پڑھی ظاہر یہ ہے کہ سب نے خاموشی کے ساتھ آپ کی قراءت کو سُنا کسی کا آپ کے پیچھے پڑھنا کہیں ثابت نہیں۔ قرآن کریم کا حق بھی یہی ہے کہ اس کو خاموشی کے ساتھ سنا جائے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ میں رحمت کا وعدہ منصتین کے لیے ہے اور امام کے ساتھ پڑھنے والوں کے لیے رحمت کا وعدہ نہیں اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ قراءت خلف الامام کے قائل نہیں۔

(۵) ظاہر یہ ہے کہ نماز جو حضورؐ نے مسجد اقصیٰ میں پڑھائی وہ نفل تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ فرض نماز تھی جو معراج سے پہلے آپ پر فرض تھی۔ واللہ اعلم[1]

صحیح یہی ہے کہ وہ نماز نفل تھی اس لیے کہ روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

---

[1] قارقانی ج:۶، ص:۵۴

سفر نماز عشاء اور نماز فجر کے درمیان میں تھا۔ آپ عشاء کی نماز پڑھ کر بستر استراحت پر لیٹ چکے تھے تب جبرئیل براق لیکر آئے اور نماز فجر سے پہلے مکہ مکرمہ آسمانوں سے واپس آ گئے اور صبح کی نماز مکہ میں ادا فرمائی کمافی فتح الباری ص ۱۵۱ ج ۷ حدیث الاسراء معلوم ہُوا کہ یہ نماز جو آپ نے ملائکہ اور انبیاء کرام کو پڑھائی فرض نماز نہ تھی بلکہ نفل نماز تھی۔ واللہ اعلم۔

(۶) جبرئیل امین کا بجائے دروازے کے چھت کھول کر اترنا شق صدر کی طرف اشارہ تھا کہ اسی طرح آپ کا سینہ کھولا جائے گا اور پھر عنقریب ہی اس کو سی دیا جائے گا۔

(۷) ایمان وحکمت اگرچہ اس عالم کے اعتبار سے معانی اور اعراض کے قبیل سے ہیں۔ لیکن عالم آخرت میں معانی اور اعراض اجسام بنادیئے جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران دو بادلوں کی شکل میں نمودار ہوں گی اور اپنے پڑھنے والوں پر سایہ کریں گی اور موت کو مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا۔ ونحو ذلک۔ تفصیل کے لیے زرقانی کی مراجعت کی جائے[1]

(۸) شق صدر کے اسرار وحکم ابتداء کتاب میں گذر چکے ہیں۔ وہاں دیکھ لیے جائیں۔

(۹) آسمانوں میں انہی چند حضرات انبیاء کرام کو آں حضرت کی ملاقات کے لیے خاص کرنے میں ان خاص حالات کی طرف اشارہ تھا جو حضور کو بعد میں وقتاً فوقتاً پیش آئے جیسا کہ علماء تعبیر کا قول ہے کہ جس نبی کو خواب میں دیکھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس جیسے حالات اس کو پیش آئیں گے۔ پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کی چونکہ حضرت آدمؑ اوّل الانبیاء ہیں اور اوّل الآباء ہیں اس لیے سب سے پہلے ان سے ملاقات کرائی گئی اور اس ملاقات میں ہجرت کی طرف اشارہ تھا کہ جس طرح سے حضرت آدم نے ایک دشمن کی وجہ سے آسمان اور جنت سے زمین کی طرف ہجرت فرمائی۔ اسی طرح آپ بھی مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائیں گے اور حضرت آدم کی طرح آپ کو بھی وطن مالوف کی مفارقت طبعا شاق ہوگی۔

---

[1] زرقانی ج:۶ ص:۲۸-۳۰۔

دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰ و حضرت یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی

حدیث میں ہے۔

انا اقرب الناس بعیسی بن مریم لیس بینی وبینہ نبی۔	میں تمام انبیاء میں عیسیٰ بن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں۔ میرے اور اُن کے درمیان میں کوئی نبی نہیں۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام اخیر زمانہ میں قتل دجال کے لیے آسمان سے اتریں گے اور امت محمدیہ میں ایک مجدد ہونے کی حیثیت سے شریعت محمدیہ کو جاری فرمائیں گے اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام اوّلین و آخرین کو لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ شفاعت کبریٰ کی درخواست کریں گے۔ ان وجوہ سے حضرۃ عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کرائی گئی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی معیت کی وجہ محض قرابت نسبی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرۃ یحییٰؑ دونوں خلیرے بھائی ہیں۔ اس ملاقات میں یہود کی تکالیف اور ایذا رسانیوں کی طرف اشارہ تھا کہ یہود آپ کے درپئے آزار ہوں گے اور آپ کے قتل کے لیے طرح طرح کے مکر اور حیلے کریں گے مگر جس طرح اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو یہود بے بہبود کے شر سے محفوظ رکھا اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ان کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ تیسرے آسمان میں یوسف علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ اس ملاقات میں اشارہ اس طرف تھا کہ یوسف علیہ السلام کی طرح آپ بھی اپنے بھائیوں سے تکلیف اٹھائیں گے اور بالآخر آپ غالب آئیں گے اور ان سے درگذر فرمائیں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن آپ نے قریش کو اسی خطاب سے مخاطب کیا جس سے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو خطاب کیا تھا۔ چنانچہ فرمایا۔

لَاتَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ یَغۡفِرُاللّٰہُ لَکُمۡ وَھُوَاَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ۔ اذھبوا فانتم الطلقاء العتقاء[1]	آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تم کو معاف کرے۔ وہ ارحم الراحمین ہے اور جاؤ تم سب آزاد ہو۔

[1] فتح الباری ج:۷، ص:۱۶۳

نیز امت محمدیہ جب جنت میں داخل ہوگی تو یوسف علیہ السلام کی صورت پر ہوگی اور حضرت ادریس علیہ السلام کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ سلاطین کو دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائیں گے کیونکہ خط اور کتابت کے اوّل موجد ادریس علیہ السلام ہیں۔ نیز حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں ورفعناه مكانا عليا آیا ہے تو ان کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ رفعتِ منزلت اور علوّ مرتبت عطا فرمائے گا۔ چنانچہ جب آپ نے شاہ روم کے نام والا نامہ تحریر فرمایا تو شاہ روم مرعوب ہوگیا جیسا کہ صحیح بخاری میں ابوسفیان کا قول ہے۔

امر امر ابن ابی کبشة حتی یخافه ملك بنی الاصفر

اور حضرت ہارون علیہ السلام کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ جس طرح سامری اور گوسالہ پرستوں نے حضرت ہارون کے ارشاد سراپا رشاد پر عمل نہ کیا جس کا انجام یہ ہوا کہ اس ارتداد کی سزا میں قتل کیے گئے۔ اسی طرح جنگ بدر میں قریش کے ستّر سردار مارے گئے اور ستّر قید کیے گئے اور عرنیین کو مرتد ہوجانے کی وجہ سے قتل کیا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام ملک شام میں جبّارین سے جہاد وقتال کے لیے گئے اور اللہ نے آپ کو فتح دی اس طرح آپ بھی ملک شام میں جہاد وقتال کے لیے داخل ہوں گے چنانچہ آپ شام میں غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے اور دومۃ الجندل کے رئیس نے جزیہ دے کر صلح کی درخواست کی آپ نے اس کی صلح کی درخواست منظور فرمائی اور جس طرح ملک شام حضرت موسیٰ کے بعد حضرت یوشع کے ہاتھ پر فتح ہوا اسی طرح حضور پرنور کے بعد حضرت عمر کے ہاتھ پر پورا ملک شام فتح ہوا اور اسلام کے زیرنگین آیا اور ساتویں آسمان میں ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت معمور سے پشت لگائے بیٹھے ہیں۔

بیت معمور ساتویں آسمان میں ایک مسجد ہے جو خانہ کعبہ کے محاذات میں واقع ہے

ستر ہزار فرشتے روزانہ اس کا حج اور طواف کرتے ہیں۔ چونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ بانی کعبہ ہیں اس لیے ان کو یہ مقام عطا ہوا۔ اس آخری ملاقات میں حجۃ الوداع کی طرف اشارہ تھا کہ حضور پرنور وفات سے پیشتر حج بیت اللہ فرمائیں گے اور علماء تعبیر کے نزدیک خواب میں حضرت ابراہیم کی زیارت حج کی بشارت ہے۔

یہ اسرار و حکم فتح الباری ص ۱۶۲ ج ۷ وروض الانف ص ۲۵۰ ج ا وزرقانی شرح مواہب ص ۶۷ ج ۶ تا ص ۷۲ ج ۶ سے لیے گئے ہیں۔ حضرات اہل علم۔ اصل کی مراجعت فرمائیں۔

ابن منیر فرماتے ہیں کہ یہاں تک سات معراجیں ہوئیں آٹھویں معراج سدرۃ المنتہیٰ تک ہوئی اس میں فتح مکہ کی طرف اشارہ تھا جو ۸ھ میں فتح ہوا اور نویں معراج سدرۃ المنتہیٰ سے مقام صریف الاقلام تک ہوئی اس معراج میں غزوۂ تبوک کی طرف اشارہ ہوا۔ جو ۹ھ میں پیش آیا اور دسویں معراج رفرف اور مقام قرب اور دنو تک ہوئی جہاں دیدار خداوندی ہوا اور کلام ربانی سنا اس دسویں معراج میں چونکہ بقاء خداوندی حاصل ہوا اس لیے اس میں اشارہ اس طرف تھا کہ ہجرت کے دسویں سال حضور کا وصال ہوگا اور اس سال خداوند ذوالجلال کا لقاء ہوگا اور دار دینا کو چھوڑ کر رفیق اعلیٰ سے جا ملیں گے۔ کذا فی رسالۃ الحافظ السیوطی فی قصۃ الاسراء ص ۴۵۔

(۱۰) حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ کو حرام کیا ہے زمین اُن کے جسموں کو کھا نہیں سکتی۔ اس لیے حضرات انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ کا اصل مستقر تو ان کی قبور ہیں اور حضور پرنور کا انبیاء کرام کو بیت المقدس اور آسمانوں میں دیکھنا اس سے یا تو ان کی ارواح مبارکہ کو دیکھنا مراد ہے یا مع اجسام عنصریہ دیکھنا مراد ہے کہ حضور کے اعزاز و اکرام کے لیے انبیاء کرام کو مع اجسام عنصریہ کے مسجد اقصیٰ اور آسمانوں میں مدعو کیا گیا۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اجسام اصلیہ تو قبور میں رہے اور اللہ نے ان کی ارواح کو اجسام مثالیہ کے ساتھ متمثل کر کے آپ کی ملاقات کے لیے جمع کیا۔ البتہ حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کو آسمان پر جسد اصلی کے ساتھ دیکھا کیونکہ وہ اسی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور علیٰ ہذا ادریس علیہ السلام کو بھی جسم اصلی کے ساتھ دیکھا کہ وہ بھی زندہ اٹھائے گئے[1]

(۱۱) اسی شب میں آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ آپ سمعنا واطعنا کہہ کر واپس ہوئے۔ واپسی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملے مگر حضرۃ ابراہیم علیہ السلام نے کچھ نہیں فرمایا۔ بعدازاں موسیٰ علیہ السلام پر گذر ہوا۔ انھوں نے تخفیف کا مشورہ دیا۔ وجہ یہ تھی کہ مقام خُلۃ۔ مقام رضاء وتسلیم یعنی مقام نیاز ہے۔ اور مقام تکلیم۔ مقام ناز ہے۔ اس لیے حضرت خلیل اللہ نے سکوت فرمایا اور حضرۃ کلیم اللہ نے تخفیف کا مشورہ دیا۔ خلیل اللہ ساکت رہے اور کلیم اللہ بولے۔

(۱۲) حضرت موسیٰ کے مشورے کی بناء پر حضور بار بار تخفیف کی درخواست کرتے رہے بالآخر جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو حضور نے فرمایا کہ اب مجھ کو شرم آتی ہے۔ وجہ شرم کی یہ تھی کہ آپ نے اس سے قبل نو مرتبہ تخفیف کی درخواست میں یہ دیکھ لیا کہ ہر مرتبہ پانچ نمازوں کی تخفیف ہو جاتی ہے پس جبکہ تخفیف ہوتے ہوتے صرف پانچ ہی رہ گئیں تو اگر اس کے بعد بھی تخفیف کا سوال کیا جائے تو اس درخواست کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ پانچ بھی ساقط ہو جائیں اور فرض کا کوئی حصّہ بھی ایسا نہ رہے کہ جو واجب الامتثال ہو سکے اس لیے حضور شرما گئے اور واپس جانے سے انکار فرما دیا۔

(۱۳) عروج سیر سمٰوات سے پہلے آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور آب زمزم سے اس کو دھویا گیا اور ایمان اور حکمت سے بھر کر اس کو سی دیا گیا تا کہ اس عجیب وغریب طہارت کے بعد افضل عبادات کی فرضیت کا حکم دیا جا سکے۔

(۱۴) سیر سمٰوات میں آپ نے ملائکۃ اللہ کو مختلف عبادتوں میں مشغول پایا۔ بعض ہیں کہ قیام ہی کی حالت میں دست بستہ کھڑے ہیں اور بعض ہیں کہ رکوع ہی میں کبھی سر نہیں

[1] فتح الباری ج:۷، ص۱۶۲، زرقانی ج:۶، ص:۷۲، ۷۳

اٹھاتے اور بعض ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سربسجود ہیں اور بعض ہمیشہ قعود میں ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس امت کے لیے ان تمام ارکان کو ایک ہی رکعت میں جمع کر دیا تا کہ امت کی عبادت تمام ملائکہ کی عبادتوں کا مجموعہ اور خلاصہ ہو [۱]

نیز قرآن کریم میں ہے کہ ہر شئ ہر وقت اللہ کی تسبیح اور تحمید کرتی ہے۔ کما قال تعالیٰ **وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ** [۲]۔ کائنات کا کوئی وقت اللہ کی تسبیح سے خالی نہیں گذرتا اور ظاہر ہے کہ کائنات کی تسبیح ایک طور پر نہیں مختلف طور پر ہے۔ اشجار اور نباتات کی تسبیح ہمیشہ بحالت قیام ہے اور بہائم اور چوپاؤں کی تسبیح ہمیشہ بحالت رکوع ہے اور حشرات الارض کی تسبیح ہمیشہ بحالت سجود ہے۔ ہر وقت ان کی جبین نیاز زمین سے لگی رہتی ہے اور احجار و جمادات کی تسبیح ہمیشہ بحالت قعود ہے۔ حق جل شانہ نے ہماری نماز میں تحمید و تسبیح کی تمام اقسام کو یکجا جمع فرمایا۔

نیز انسان عناصر اربعہ سے مرکب ہے اس لیے اس کی عبادت بھی قیام اور قعود، رکوع اور سجود ان ارکان اربعہ سے مرکب ہوئی اور چونکہ خدا سے غفلت کے اسباب پانچ ہیں یعنی حواس خمسہ اس لیے ایک دن میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔

(۱۵) علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ شب معراج میں دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں اور اگر رویت ہوئی تو وہ رویت بصری تھی یا رویت قلبی تھی سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے دیکھا یاد رہے کہ دل کی آنکھوں سے دیکھنا اور ہے اور جاننا اور ہے۔ جمہور صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا اور محققین کے نزدیک یہی قول راجح اور حق ہے اس لیے حدیث میں تصریح ہے کہ خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے جب دریافت کیا گیا کہ کیا آپ نے پروردگار کو دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں میں نے شب معراج میں اپنے پروردگار کو دیکھا۔

[۱] فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۶۸۔ [۲] الاسراء۔ آیت ۴۴

اخرج احمدبسندصحیح عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم رایت ربی عزوجل [۱] واخرج الطبرانی فی السنة والحکیم عن انس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم رایت النور الاعظم فاوحی اللّٰہ الیّ ماشاء [۲]	مسند امام احمد میں سند صحیح کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ کو دیکھا۔ (خصائص کبریٰ) امام طبرانی اور حکیم ترمذی نے انسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے نور اعظم۔ یعنی نورالٰہی کو دیکھا پھر اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی جو چاہی یعنی مجھ سے بلاواسطہ کلام فرمایا۔

ابن عباسؓ کی ایک [۳] مرفوع روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شب معراج میں آپ کو رویت بصری اور رویت قلبی دونوں حاصل ہوئیں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے نور بصر کو نور بصیرت میں ایسا مدغم فرمایا کہ آپ کی رویت بصری اور رویت قلبی میں کوئی فرق نہ رہا۔

کلام سرمدی بے نقل بشنید خدا وند جہاں رابے جہت دید
دراں دیدن کہ حیرت حاصلش بود دلش درچشم وچشمش دردلش بود

حضرت نظامی رحمہ اللہ تعالیٰ:۔

کلامیکہ بے آلہ آمد شنید لقائے کہ آں دیدنی بوددید
چناں دید کز حضرت ذوالجلال نہ زانسوجہت بُدنہ زیں سوخیال

عارف جامی قدس سرہٗ السامی:۔

بدید انچہ ازدیدن بروں بود مپرس ازماز کیفیت کہ چوں بود
نہ چندی گنجد آنجاونہ چونی فروبند ازکمی لب وزفزونی
شنید انگہ کلامے نہ باآواز معانی درمعانی راز باراز

---

[۱] الخصائص الکبریٰ ج ۱ص:۶۱ [۲] ایضاً ص۔۱۲۳ [۳] وہ روایت یہ ہے اخرج ابن جریر عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ رأیت ربی عزوجل باحسن صورۃ الی ان قال ما کذب الفؤاد مارأی فجعل نوربصری فی فؤادی فنظرت الیہ بفؤادی انتہیٰ درمنثور ص ۶ ص ۱۲۴

نہ آگاہی از وکام وزباں را نہ ہمراہی از نطق وبیاں را

حافظ تورپشتیؒ المعتمد فی المعتقد میں لکھتے ہیں کہ رویت قلبی یعنی دل کے دیکھنے سے محض علم اور معرفت مراد نہیں اس لیے کہ یہ بات تو رسول اللہ ﷺ کو پہلے سے حاصل تھی بلکہ مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضور کے دل میں اس قسم کی رویت فرمائی کہ جس طرح کی رویت چشم سر کو حاصل ہے یہ مراد ہے کہ آنکھ دل کی معاونت سے اور دل چشم کی مرافقت اور مقارنت سے دولت دیدار سے مشرف ہوا۔ بوقت دیدار دل آنکھ کے ساتھ تھا اور آنکھ دل کے ساتھ تھی۔ ایک دوسرے سے جدا نہ تھی۔ انتہیٰ کلامہ موضحا واللہ اعلم۔

ملاحدہ کے اعتراضات اوران کے جوابات

ملاحدہ نے حضور کے معراج جسمانی پر جو اعتراضات کیے ہیں ان سب کا اجمال یہ ہے کہ فلسفۂ قدیمہ تو اجرام فلکیہ میں خرق والتیام کو محال بتلاتا ہے اور فلسفۂ جدیدہ افلاک کے وجود ہی کو تسلیم نہیں کرتا۔ لہٰذا جب آسمان کا وجود ہی ثابت نہ ہوا تو معراج جسمانی کا ثبوت کس طرح ہوگا۔ نیز فلسفۂ جدیدہ وقدیمہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ زمین سے کچھ اوپر کرۂ زمہریر ہے اور فلسفۂ قدیمہ کے نزدیک کرۂ ناری ہے اور ان دونوں مقاموں سے کسی جسم عنصری کا صحیح سالم اور زندہ عبور کرنا محال ہے لہٰذا عروج جسمانی بھی محال ہوگا بعض کہتے ہیں کہ جسم ثقیل کی اسقدر بلند اور سریع سیر عقلاً محال ہے۔

جواب

یہ سب استبعادات اور توہمات ہیں عقلا ان میں سے کوئی شئ بھی محال نہیں هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۔ جو شخص ان چیزوں کے محال ہونے کا مدعی ہو وہ دلیل پیش کرے۔

(۱) تمام انبیاء اور مرسلین اور تمام کتب سماویہ اس پر متفق ہیں کہ قیامت قائم ہوگی۔ اور آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔ اِذَا السَّمَآءُ

انفطرت اور حضرات انبیاء ومرسلین کا امر محال کے وقوع پر متفق ہونا قطعاً محال اور ناممکن ہے اور فلسفۂ قدیمہ نے جو افلاک کے خرق اور التیام کے محال ہونے کے پادر ہوا دلائل ذکر کیے ہیں حضرات متکلمین نے ان کا کافی اور شافی جواب دیدیا ہے۔

(۲) رہا فلسفۂ جدیدہ کا افلاک کے وجود کو نہ تسلیم کرنا سو یہ افلاک کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی شی کا نظر نہ آنا یا اس کا ثابت نہ ہونا اس کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا ورنہ زمین اور آسمان کی اُن ہزار ہا چیزوں کا انکار لازم آئے گا۔ جو ہماری نظر اور عقل اور علم سے مخفی اور پوشیدہ ہیں نیز عقلاء اس پر بھی متفق ہیں کہ کسی کا جہل اور عدم علم دوسرے پر حجت نہیں۔

(۳) آجکل نئی نئی قسم کے ایسے آلات ایجاد ہو رہے ہیں کہ جن کے ذریعہ سے جسم حرارت اور برودت کے خارجی اثرات سے بالکل محفوظ رہتا ہے اور خداوند ذوالجلال کی قدرت تو اس سے کہیں اعلیٰ اور ارفع ہے۔ ما للتراب ورب الارباب مشت خاک کو خداوند افلاک سے کیا نسبت۔ سرکاری باغوں میں ایسے درخت موجود ہیں کہ بجائے پانی کے ان کے نیچے آگ روشن کی جاتی ہے وہ آگ کی گرمی سے سرسبز رہتے ہیں اگر آگ کی حرارت کم ہو جائے تو خشک ہو جاتے ہیں۔ ''سمندر'' ایک کیڑا ہے جو آگ میں پیدا ہوتا ہے وہ نہ آگ سے جلتا ہے نہ مرتا ہے بلکہ آگ اس کے حق میں حیات ہے اور آگ سے جدائی اس کے لیے موت ہے۔

(۴) نیز ہزار ہا من وزن کے طیاروں کا آسمانی فضا میں اڑنا اور گھنٹوں میں ہزار ہا میل کی مسافت طے کرنا ساری دنیا کے سامنے ہے پھر فقط ایک انسان کے پرواز اور طیران کے بارے میں کیوں اس قدر سرگردان اور حیران ہیں۔

(۵) آجکل ایسے زینے بھی ایجاد ہو گئے ہیں کہ بجلی کا بٹن دبانے سے ایک منٹ میں سو منزل کے آخری بالاخانہ پر پہنچا دیتے ہیں۔ کیا خداوند ذوالجلال ایسے معراج یعنی سیڑھی اور زینہ سے قاصر ہے کہ جو ایک منٹ میں اس کے کسی خاص بندہ کو زمین سے آسمان پر پہنچا دے۔

(۶) ماہرین اکتشافات کے برابر اعلانات آرہے ہیں کہ فلسفہ اور سائنس کے ذریعہ سے اب تک جو انکشافات ہوئے ہیں وہ نہایت ہی قلیل ہیں اور آئندہ جن اکتشافات کی توقع ہے وہ اس سے ہزاراں ہزار درجہ زائد ہیں حتّٰی کہ یہاں تک اعلان آچکے ہیں کہ ہم عنقریب کواکب اور سیارات تک پہنچ جائیں گے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے متمدن بھائی جو مغربی علوم کے سودائی وشیدائی ہیں وہ ان خبروں کو نہایت مسرت اور ابتہاج کے ساتھ سنتے اور سناتے ہیں مگر جب نبی امی فداہ نفسی وابی وامی کے معراج کی خبر کو سنتے ہیں تو طرح طرح کے شبہے اور وسوسے ان کے سامنے آجاتے ہیں۔ یورپ[۱] کی وحی کی بے چون وچرا تصدیق کرتے ہیں اور اللہ کی وحی میں شبہے نکالتے ہیں اور ڈالتے ہیں۔

(۷) یہود کے نزدیک حضرت ایلیاء علیہ السلام کا بجسدہ العنصری زندہ آسمان پر جانا اور عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا اور پھر اخیر زمانہ میں آسمان سے ان کا اترنا مسلم ہے اسی طرح آں حضرت ﷺ کا اسی جسم اطہر کے ساتھ آسمان پر جانا اور پھر واپس آنا قرآن وحدیث اور اجماع صحابہ وتابعین سے ثابت ہے اگر آسمان پر جانا عقلاً محال ہوتا تو صحابہ وتابعین کبھی اس پر متفق نہ ہوتے۔

موسم حج میں دعوت اسلام

جب آپ نے دیکھا کہ قریش اپنی اسی عداوت اور دشمنی پر تلے ہوئے ہیں تو جب موسم حج آتا اور اطراف واکناف سے لوگ آتے تو آپ خود ان کی فرودگاہ پر تشریف لے جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے اور دین برحق کی نصرت وحمایت کے لیے فرماتے۔ آپ تو لوگوں کو توحید وتفرید صدق واخلاص کی طرف بلاتے اور آپ کا چچا ابولہب جس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا وہ اپنے تمام کام چھوڑ کر آپ کے پیچھے پیچھے یہ کہتا پھرتا کہ اے لوگو! دیکھو یہ شخص تم کو لات اور عزیٰ سے چھڑانا چاہتا ہے اور بدعت اور گمراہی کی طرف تم کو بلاتا ہے تم

[۱] وہذا کما قال اللہ تعالیٰ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِہِمْ ۱۲۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

ہرگز اس کی اطاعت نہ کرنا۔ غرض یہ کہ آپ نے مختلف قبائل پر اسلام پیش کیا اور ان کو اسلام کی نصرت وحمایت کی دعوت دی کسی نے نرمی سے جواب دیا اور کسی نے سختی اور درشتی سے بعض نے یہ کہا کہ ہم اس شرط پر آپ کی نصرت وحمایت کریں گے کہ اگر آپ فتح یاب ہوئے تو اپنے بعد ہمیں اپنا خلیفہ بنائیں۔ آپ نے فرمایا یہ میرے اختیار میں نہیں اللہ کو اختیار ہے جس کو چاہے بنائے۔ ان لوگوں نے یہ کہا یہ خوب ہے کہ ہم تو آپ کے ساتھ ہو کر اپنی گردنیں کٹائیں اور اپنے سینوں کو عرب کے تیروں کا نشانہ بنائیں اور جب آپ کامیاب ہو جائیں تو دوسرے آپ کے خلیفہ اور جانشین ہوں[۱] قبیلۂ بنی ذہل بن شیبان کے پاس آپ تشریف لے گئے ابوبکرؓ اور علیؓ آپؐ کے ہمراہ تھے۔ مفروق بن عمرو اور ہانی بن قبیصہ اس قبیلہ کے سرداروں میں سے تھے۔ ابوبکرؓ نے مفروق سے مخاطب ہو کر یہ کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت کی خبر نہیں پہنچی اور یہ رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ ہیں یہی اللہ کے رسول ہیں۔ مفروق نے کہا ہاں میں نے آپ کا تذکرہ سنا ہے اے برادر قریش آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ آگے بڑھے اور فرمایا اللہ کو وحدہٗ لاشریک لہٗ اور مجھ کو اس کا رسول اور پیغمبر مانو اور اس کے دین کی حمایت کرو۔ قریش نے اللہ کا حکم ماننے سے انکار کیا اور اس کے رسول کو جھٹلایا اور باطل کے نشے میں حق سے مستغنی ہو گئے وَاللّٰہُ ھُوَالْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ اور اللہ سب سے زیادہ بے نیاز ہے یعنی اس غنی حمید کو تو ذرہ برابر ضرورت نہیں کہ تم اس کے دین کو قبول کرو۔ اس کی نصرت اور حمایت کے لیے کھڑے ہو ہاں اگر تم کو اپنی فلاح اور بہبود کی فکر ہے تو حق اور ہدایت کو قبول کرو اور باطل اور گمراہی سے توبہ کرو۔ مفروق نے کہا اور آپ کس شے کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَاحَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ اَلَّا تُشْرِکُوْابِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْا	آپ ان سے کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک

[۱] سیرت ابن ہشام۔

اَوْلَادَکُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ[1]

نہ کرو۔ والدین کے ساتھ احسان کرنا اولاد کو افلاس کی وجہ سے قتل نہ کرنا ہم تم کو بھی رزق دیں گے اور ان کو بھی اور بے حیائیوں کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ اور جس نفس کا خون اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہ کرنا مگر کسی حق کی بنا پر ان باتوں کا اللہ تم کو تاکیدی حکم دیتا ہے تا کہ تم سمجھو۔

مفروق نے کہا خدا کی قسم یہ کلام تو زمین والوں کا نہیں۔ اے برادر قریش اور کس شے کی طرف بلاتے ہو۔ آپ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ[2]

بے شک اللہ تعالیٰ تم کو عدل اور احسان اور اہل قرابت کے ساتھ سلوک کا حکم دیتا ہے اور ہر بے حیائی اور بری بات اور ظلم سے تم کو منع کرتا ہے تا کہ تم نصیحت پکڑو۔

مفروق نے کہا کہ واللہ آپ نے نہایت عمدہ اخلاق اور پسندیدہ افعال کی طرف بلایا ہے لیکن مجبوری یہ ہے کہ میں اپنی قوم سے بغیر دریافت کے ان کے غیاب میں آپ سے کوئی معاہدہ کر لینا مناسب نہیں سمجھتا نہ معلوم کہ وہ لوگ اس معاہدہ کو قبول کریں یا رد کریں۔ علاوہ ازیں ہم کسریٰ کے زیر اثر ہیں۔ کسریٰ سے ہم معاہدہ کر چکے ہیں کہ کوئی نیا امر بغیر آپکی اطلاع ہم طے نہ کریں گے اور غالب گمان یہ ہے کہ اگر ہم آپ سے اس قسم کا معاہدہ کریں گے تو کسریٰ کو ضرور ناگوار ہوگا۔ آپ نے مفروق کی اس سچائی اور راست گوئی کو پسند فرمایا اور یہ کہا کہ اللہ اپنے دین کا خود حامی اور مددگار ہے اور جو لوگ اس کے دین کی حمایت کریں گے عنقریب اللہ ان کو کسریٰ[3] کی زر اور زمین کا وارث بنائے

[1] الانعام، آیۃ: ۱۵۱۔ [2] النحل، آیۃ: ۹۰ [3] دنیا نے دیکھ لیا کہ خدا نے صحابہ کرام کو چند ہی روز میں قیصر و کسریٰ کے تخت کا مالک بنا دیا۔ ۱۲۔

گا۔ بعدازاں رسول اللہ ﷺ ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور قبیلۂ اوس اورخزرج کے لوگ جو مدینہ منورہ سے آئے ہوئے تھے۔ان کی مجلس میں پہنچے (جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آتا ہے) ان لوگوں نے اسلام قبول کیا اور آپ کی نصرت اور حمایت کا وعدہ کیا۔[1]

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں۔ اخرجه الحاكم وابونعيم والبيقهی باسنادحسن عن ابن عباس قال حدثنی علی بن ابی طالب الحديث (فتح الباری ص ۱۷۱ ج ۷ باب وفود الانصار الی النبی ﷺ بمكة وبيعة العقبة)

تنبیہ: حافظ ابونعیم اصبہانیؒ فرماتے ہیں مجھ کو معلوم نہیں کہ مفروق اسلام لائے یا نہیں[2]

اسلام ایاس بن معاذ

اسی سال ابوالحیسر انس بن رافع مع چند جوانوں کے اس غرض سے مکہ آئے کہ بمقابلۂ خزرج قریش میں سے کسی کو اپنا حلیف بنائیں ان جوانوں میں ایاس بن معاذ بھی تھے۔رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا جس مقصد کے لیے آئے ہو اس سے کہیں بہتر شے میں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں ابوالحیسر اور اس کے ہمراہیوں نے کہا وہ کیا ہے۔آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ نے مجھ کو اس لیے بھیجا ہے کہ بندوں کو اللہ کی طرف بلاؤں، صرف اللہ کی بندگی کریں اور کسی شئ کو کسی طرح اس کے ساتھ شریک نہ کریں اور اللہ نے مجھ پر ایک کتاب نازل فرمائی ہے اور پھر اس کی کچھ آیتیں تلاوت فرمائیں اور اسلام پیش کیا۔

ایاس بن معاذ نے کہا اے قوم واللہ جس کام کے لیے ہم آئے ہیں یہ اس سے کہیں بہتر ہے ابوالحیسر نے کنکریاں اٹھا کر ایاس کے منہ پر ماریں اور کہا ہم اس کام کیلئے نہیں آئے۔ایاس خاموش ہو گئے اور آنحضرت ﷺ مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ مدینہ واپس ہوئے کچھ روز نہ گذرے کہ ایاس بن معاذ انتقال کر گئے۔مرتے وقت لَآ اِلٰہَ

[1] روض الانف ج:ص ۲۶۴ البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص: ۱۴۳
[2] اسد الغابہ ج ۴: ۴۰۹

اِلَّا اللّٰهُ۔ اور اللهُ اَكْبَرُ اور سُبْحَانَ اللّٰه اور اَلْحَمْدُلِلّٰه یہ کلمات زبان پر جاری تھے جس کو تمام حاضرین سن رہے تھے کسی کو بھی اس میں شک نہ تھا کہ وہ مسلمان مرے[1]۔
حافظ ہیثمیؒ فرماتے ہیں رواه احمد والطبرانی ورجاله ثقات[2]۔

مدینہ منورہ میں اسلام کی ابتداء ۱۱ نبوی

مدینہ میں زیادہ آبادی اوس اور خزرج کی تھی جو مشرک اور بُت پرست تھے اور اُن کے ساتھ یہود بھی رہتے تھے جو اہل کتاب اور اہل علم تھے۔ مدینہ میں چونکہ یہود اقلیت میں تھے اس لیے جب کبھی یہود کا اوس وخزرج سے کوئی جھگڑا ہوتا تو یہود یہ کہا کرتے تھے اب عنقریب نبی آخر الزمان مبعوث ہونے والے ہیں ہم ان کا اتباع کریں گے اور ان کے ساتھ ہو کر تم کو قوم عاد اور ارم کی طرح ہلاک وبرباد کریں گے۔

جب موسم حج کا آیا تو خزرج کے کچھ لوگ مکہ آئے۔ یہ نبوت کا گیارھواں سال تھا۔ آں حضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ اور قرآن پاک کی ان پر تلاوت کی۔ ان لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور آپس میں ایک دوسرے سے مخاطب ہو کر کہنے لگے واللہ یہ وہی نبی ہیں جن کا یہود ذکر کیا کرتے ہیں دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس فضیلت اور سعادت میں یہود ہم سے سبقت کر جائیں اور اسی مجلس میں اٹھنے سے پہلے اسلام لے آئے اور آپ سے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم تو آپ پر ایمان لے آئے یہود سے ہمارا اکثر جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو واپس ہو کر ان کو بھی اسلام کی دعوت دیں اگر وہ بھی اس دعوت کو قبول کر لیں اور اس صورت سے ہم اور وہ متفق ہو جائیں تو پھر آپ سے زیادہ کوئی عزیز نہ ہوگا۔ یہ ایمان لانے والے قبیلۂ خزرج کے چھ آدمی تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج:۳، ص:۱۴۸، الاصابہ ج۱، ص:۹۱ [2] مجمع الزوائد ج۶، ص:۳۶۰

۱۔ اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ ۲۔ عوف بن الحارث رضی اللہ عنہ

۳۔ رافع بن مالک بن عجلان رضی اللہ عنہ ۴۔ قطبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ

۵۔ عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ ۶۔ جابر بن بن عبداللہ بن رَباب رضی اللہ عنہ[۱]

اور بعض علماء سیر نے بجائے جابر کے عبادۃ بن الصامت کا نام ذکر کیا ہے[۲] (فتح الباری باب وفود الانصار الی النبی ﷺ بمکۃ وبیعۃ العقبۃ)[۳]

یہ چھ حضرات آپ سے رخصت ہوکر مدینہ منورہ پہنچے جس مجلس میں بیٹھتے وہیں آپ کا ذکر کرتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ مدینہ کا کوئی گھر اور کوئی مجلس آپ کے ذکر سے خالی نہ رہی۔

انصار کی پہلی بیعت ۱۲ نبوی

جب دوسرا سال آیا جو نبوت کا بارہواں سال تھا تو بارہ اشخاص آپ سے ملنے کے لیے مکہ حاضر ہوئے۔ پانچ توانھیں چھ میں سے تھے اور سات ان کے سوا تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ ۲۔ عوف بن الحارث رضی اللہ عنہ

۳۔ رافع بن مالک رضی اللہ عنہ ۴۔ قطبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ

۵۔ عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ

اس سال جابر بن عبداللہ بن رباب رضی اللہ عنہ حاضر نہیں ہوئے۔

۶۔ معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ (یعنی عوف بن الحارثؓ کے بھائی)

۷۔ ذکوان بن عبدقیس رضی اللہ عنہ[۴] ۸۔ عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ

۹۔ یزید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ ۱۰۔ عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ

---

[۱] یہ جابر دوسرے ہیں اور جابر کے نام سے جو صحابی مشہور ہیں وہ جابر بن عبداللہ بن حرامؓ ہیں۔ زرقانی ص ۳۹۱ ج ۱
[۲] ابن ہشام ج ۱ ص: ۵ [۳] البدایۃ والنہایۃ ج ۳۔ ص: ۱۴۸ [۴] ذکوانؓ بیعت کے بعد مکہ ہی میں رہ پڑے بعد میں ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے اس لیے ذکوان رضی اللہ عنہ مہاجر بھی ہیں اور انصاری بھی۔ ۱۲ زرقانی ص ۳۱۳ ج ۱ عیون الاثر۔

۱۱۔ابوالہیثم مالک بن تیہان رضی اللہ عنہ

۱۲۔عویم بن ساعدۃ رضی اللہ عنہ

یہ بارہ حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رات کے وقت منیٰ میں عقبہ کے قریب آپ کے ہاتھ پر یہ بیعت کی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرینگے اور نہ ہی چوری اور زنا کریں گے اور نہ اولاد کو قتل کریں گے اور نہ کسی پر بہتان اور تہمت لگائیں گے۔ یہ انصار کی پہلی بیعت تھی۔جس کو بیعت عقبہ اولیٰ کہتے ہیں۔

جب یہ لوگ بیعت کر کے مدینہ منورہ واپس ہونے لگے تو عبداللہ بن ام مکتوم اور مصعب بن عمیر کو تعلیم قرآن اور احکام اسلام کے سکھانے کے لیے ان کے ہمراہ کیا اور مدینہ پہنچ کر اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر قیام کیا۔ مصعب بن عمیر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور مسلمانان مدینہ کو نماز پڑھاتے یہی امام تھے ایک دن مصعب بن عمیر لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ لوگ بہت جمع تھے۔

اسید بن حضیرؓ کو جب خبر ہوئی تو تلوار لے کر پہنچے اور کہا کہ آپ یہاں کس لیے آئے ہیں ہمارے بچوں اور عورتوں کو کیوں بہکاتے ہو۔ بہتر ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا یہ ممکن ہے کہ آپ تھوڑی دیر کے لیے تشریف رکھیں اور جو میں کہوں وہ سنیں اگر پسند آئے تو قبول کریں اور اگر ناپسند ہو تو کنارہ کشی کریں۔ اسید بن حضیر یہ کہہ کر کہ بے شک تم نے یہ بات انصاف کی کہی بیٹھ گئے۔ مصعب بن عمیرؓ نے اسلام کے محاسن بیان کیے اور قرآن کی تلاوت فرمائی اُسید سن کر کہنے لگے۔

مااحسن ھذا الکلام واَجملَہ کیا ہی عمدہ اور کیا ہی بہتر کلام ہے۔

اور پوچھا کہ اس دین میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے۔ مصعبؓ نے کہا اوّل اپنے جسم اور کپڑوں کو پاک کرو اور غسل کرو اور پھر کلمہ شہادت پڑھو اور نماز ادا کرو۔

اُسید اسی وقت اٹھے کپڑے پاک کیے اور غسل کیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر دو رکعت نماز پڑھی اور کہا کہ ایک اور شخص ہیں یعنی سعد بن معاذ اگر وہ مسلمان ہو گئے تو پھر اوس کی

قوم میں سے کوئی شخص بغیر مسلمان ہوئے نہ رہے گا۔ میں ابھی جا کر اس کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ سعد بن معاذ نے اسیدؓ کو آتے ہوئے دیکھ کر یہ کہا کہ یہ وہ اسید نہیں معلوم ہوتے جو یہاں سے گئے تھے۔ جب قریب پہنچے تو سعد نے اسیدؓ سے دریافت کیا۔ مَافَعَلْتَ تونے کیا کیا اسید نے کہا میں نے ان کی بات میں کوئی حرج نہیں پایا۔ سعد بن معاذ کو غصہ آ گیا اور تلوار لے کر خود پہنچے اور اسعد بن زرارہؓ سے مخاطب ہو کر کہا اگر تم سے میری قرابت نہ ہوتی اور تم میرے خالہ زاد بھائی نہ ہوتے تو ابھی تلوار سے کام تمام کر دیتا۔ قوم کے بہکانے کے لیے تم ہی ان کو یہاں لے کر آئے ہو۔

مصعبؓ نے کہا کہ اے سعد کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم کچھ دیر بیٹھ کر میری بات سنو اگر پسند آئے تو قبول کرو ورنہ پھر جو چاہے کرنا۔ سعد یہ کہہ کر کہ تم نے انصاف کی بات کہی۔ بیٹھ گئے۔ مصعبؓ نے اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ سنتے ہی سعدؓ کا رنگ ہی بدل گیا اور پھر پوچھا کہ اس دین میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے۔

مصعبؓ نے کہا کہ اوّل کپڑے پاک کرو اور غسل کرو اور پھر کلمۂ شہادت پڑھو۔ اور دو رکعت نماز ادا کرو۔ سعدؓ اسی وقت اٹھے اور غسل کیا اور کلمۂ شہادت پڑھا اور ایک دوگانہ ادا کیا اور یہاں سے اُٹھ کر سیدھے اپنی قوم کی مجلس میں پہنچے۔ قوم کے لوگوں نے سعد کو آتے دیکھ کر دُور ہی سے پہچان لیا کہ رنگ دوسرا ہے۔ مجلس میں پہنچتے ہی سعد نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم مجھ کو کیسا سمجھتے ہو۔ سب نے متفق ہو کر یہ کہا کہ تم ہمارے سردار اور باعتبار رائے اور مشورے کے سب سے افضل اور بہتر ہو سعد نے کہا کہ خدا کی قسم میں تم سے اس وقت تک کلام نہ کروں گا۔ جب تک تم سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آؤ۔ شام نہ گذری کہ قبیلۂ بنی عبدالاشہل میں کوئی مرد اور عورت ایسا نہ رہا کہ جو مسلمان نہ ہو گیا ہو[1]

قبیلہ بنی عبدالاشہل سے صرف ایک شخص عمرو بن ثابت جن کا لقب اُصَیرم تھا اسلام

---

[1] عیون الاثر ج: ۱ص: ۱۵۸، نیز ابن ہشام، طبری، البدایۃ والنہایۃ۔

لانے سے رہ گیا۔ جنگ احد کے دن اسلام لائے اور اسلام لاتے ہی جہاد کے لیے معرکۂ قتال میں پہنچ گئے اور شہید ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بطور معمہ فرمایا کرتے تھے بتلاؤ وہ کون شخص ہے کہ جس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور جنت میں پہنچ گیا۔

جب لوگ جواب نہ دیتے تو آپ خود فرماتے کہ وہ قبیلۂ بنی عبدالاشہل میں اُصَیرِم ہے (رواہ ابن اسحاق باسناد حسن مطولاً عن ابی ہریرہؓ)[1]۔

اسلام رفاعہ رضی اللہ عنہ

رفاعۃ بن رافع زرقیؓ فرماتے ہیں کہ چھ انصار کے آنے سے پہلے میں اور میرا خالہ زاد بھائی معاذ بن عفراء مکہ آئے اور آپ سے ملے۔ آپ نے اسلام پیش کیا اور یہ فرمایا اے رفاعہ بتلاؤ آسمان اور زمین اور پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا ہم نے کہا اللہ نے آپ نے فرمایا خالق عبادت کا مستحق ہے یا مخلوق۔ ہم نے کہا خالق۔ آپ نے فرمایا کہ پس تم مستحق ہو اس کے کہ یہ بت تمہاری عبادت کریں اور تم خدا کی عبادت کرو اس لیے کہ بت تمہارے بنائے ہوئے ہیں اور تم اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہو اور میں تم کو ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں۔ تم خدا کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت اور بندگی کرو۔ اور مجھ کو خدا کا رسول اور نبی مانو۔ صلہ رحمی کرو۔ ظلم اور تعدی کو چھوڑ دو میں نے کہا بیشک آپ نے بلند امور اور پاکیزہ اخلاق کی طرف بلایا ہے۔ میں آپ کے پاس سے اُٹھ کر حرم میں پہنچا اور پکار کر یہ کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ (اخرجہ الحاکم وصححہ۔ خصائص کبری ص ۱۸۲ ج ۱)

---

[1] زرقانی ج ۱، ص: ۳۱۶

مدینہ منورہ میں جمعہ کا قیام

اسی سال اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں جمعہ قائم کیا آپ نے جب یہ دیکھا کہ یہود اور نصاریٰ میں اجتماع کے لیے ہفتہ میں ایک خاص دن مقرر ہے۔ یہود شنبہ کے روز اور نصاریٰ یک شنبہ کے دن ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اس لیے خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ ہفتہ میں ایک دن ایسا مقرر کریں کہ جس میں سب جمع ہوں اور اللہ کا ذکر اور شکر کریں اور نماز پڑھیں اور اس کی عبادت اور بندگی کریں اسعد بن زرارہ نے جمعہ کا دن تجویز کیا اور اس روز سب کو نماز پڑھائی (رواہ عبد بن حمید باسناد صحیح عن ابن سیرین) غرض یہ کہ حضرات صحابہ نے محض اپنے اجتہاد سے ایک تو جمعہ قائم کیا اور دوسرے جمعہ کے دن کو جاہلیت میں یوم عروبہ کہتے تھے بجائے یوم عروبہ کے اس دن کا نام جمعہ تجویز کیا وحی الٰہی نے دونوں اجتہادوں کی تصویب کی جس کے بارہ میں آیت نازل ہوئی۔ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ۔ الایۃ۔

جس سے جمعہ کی فرضیت بھی معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حق جل وعلا کو یوم الجمعہ کا لفظ پسند ہے۔ وحی الٰہی نے یوم عروبہ کے استعمال سے کہ جو زمانہ جاہلیت میں شائع تھا گریز کیا اور انصار نے جو لفظ تجویز کیا تھا بعینہ اس کا استعمال فرمایا۔ اس نہج اور عنوان سے انصار کے اجتہاد کی تصویب و تحسین فرمائی۔

اور اس کے کچھ ہی روز بعد رسول اللہ ﷺ کا ایک والا نامہ جمعہ قائم کرنے کے بارے میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے نام پہنچا کہ نصف النہار کے بعد سب مل کر بارگاہ خداوندی میں ایک دوگانہ سے تقرب حاصل کیا کرو (رواہ الدارقطنی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) ہذا کلہ من الزرقانی[1]

عبدالرحمن بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب جمعہ کی اذان سنتے تو اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے مغفرت

---

[1] ج ۱ ص ۳۱۵

فرماتے ہیں نے ایک بار دریافت کیا تو یہ فرمایا کہ مدینہ میں سب سے پہلے اسعد بن زرارہ ہی نے ہم کو جمعہ پڑھایا ہے (رواہ ابوداؤد والحاکم۔ اصابہ۔ ترجمہ اسعد بن زرارہؓ)[۱]

فائدہ: علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلے اسعد بن زرارہؓ نے جمعہ قائم کیا اور جاہلیت میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے جدامجد کعب بن لوی نے جمعہ قائم کیا جیسا کہ سلسلہ نسب کے بیان میں گذر چکا ہے۔[۲]

انصار کی دوسری بیعت ۱۳ نبوی

جب دوسرا سال آیا جو نبوت کا تیرھواں سال تھا تو مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ایک گروہ کو اپنے ہمراہ لیکر بغرض ادائے حج مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کے علاوہ اوس اور خزرج کے مشرکین بھی جو ہنوز اسلام کے حلقہ بگوش نہیں ہوئے تھے حج کے لیے روانہ ہوئے زیادہ تعداد انھیں لوگوں کی تھی چار سو سے زیادہ تھے۔ مشہور قول کی بنا پر مسلمانوں کی تعداد پچھتر تھی جس میں سے تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں جنھوں نے آپ کے دست مبارک پر اسی گھاٹی میں بیعت کی جس میں پہلے کی تھی اور اس بیعت کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والے حضرات کے جو نام ذکر کیے ہیں وہ پچھتر سے کچھ زیادہ ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

حرف الالف

(۱) اسعد ابن زرارہ رضی اللہ عنہ (۲) اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

(۳) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (۴) اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ یعنی حضرت حسّان بن ثابت کے بھائی۔

(۵) اوس بن یزید رضی اللہ عنہ

---

[۱] الاصابہ ج ۱ ص: ۳۴ [۲] روض الانف ج ۱ ص: ۲۶۹۔

ب

(۶) براء بن معرور رضی اللہ عنہ (۷) بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ
(۸) بشر بن سعد رضی اللہ عنہ (۹) بہیر بن الہیثم رضی اللہ عنہ

ث

(۱۰) ثابت بن الجزع رضی اللہ عنہ (۱۱) ثعلبۃ بن عدی رضی اللہ عنہ
(۱۲) ثعلبۃ بن غنمۃ رضی اللہ عنہ

ج

(۱۳) جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ (۱۴) جابر بن صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ح

(۱۵) حارث بن قیس رضی اللہ عنہ

خ

(۱۶) خالد بن زید رضی اللہ عنہ (۱۷) خالد بن عمرو بن ابی کعب رضی اللہ عنہ
(۱۸) خالد بن عمرو بن عدی رضی اللہ عنہ فی قول الواقدی وحدہ۔ (۱۹) خالد بن قیس رضی اللہ عنہ فی قول ابن اسحاق والواقدی ولم یذکرہ ابومعشر وابن عقبۃ۔
(۲۰) خارجۃ بن زید رضی اللہ عنہ (۲۱) خدیج بن سلامۃ رضی اللہ عنہ
(۲۲) خلّاد بن سوید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ

ذ

(۲۳) ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ۔ العقبتین

ر

(۲۴) رافع بن مالک بن عجلان رضی اللہ عنہ (۲۵) رفاعۃ بن رافع بن مالک رضی اللہ عنہ
(۲۶) رفاعۃ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ (۲۷) رفاعۃ بن عمرو رضی اللہ عنہ

ز

(۲۸) زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ (۲۹) زید بن سہل ابوطلحہ رضی اللہ عنہ

س

(۳۰) سعد بن زید بن مالک الاشہلی رضی اللہ عنہ فی روایۃ الواقدی۔ (۳۱) سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ
(۳۲) سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ (۳۳) سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ
(۳۴) سلمۃ بن سلامۃ بن وقش رضی اللہ عنہ (۳۵) سلیم بن عمرو رضی اللہ عنہ
(۳۶) سنان بن صیفی رضی اللہ عنہ (۳۷) سہل بن عتیک رضی اللہ عنہ

ش

(۳۸) شمر بن سعد رضی اللہ عنہ

ص

(۳۹) صیفی بن سواد رضی اللہ عنہ

ض

(۴۰) ضحاک بن زید رضی اللہ عنہ (۴۱) ضحاک بن حارثہ رضی اللہ عنہ

ط

(۴۲) طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ

ظ

(۴۳) ظہیر بن رافع رضی اللہ عنہ

ع

(۴۴) عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ (۴۵) عبّاد بن قیس رضی اللہ عنہ

(۴۶) عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ (۴۷) عباس بن نضلہ رضی اللہ عنہ

(۴۸) عبداللہ بن ربیع رضی اللہ عنہ (۴۹) عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

(۵۰) عبداللہ بن زید صاحب الاذان رضی اللہ عنہ (۵۱) عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ

(۵۲) عبس بن عامر رضی اللہ عنہ (۵۳) عبید بن التیہان رضی اللہ عنہ یعنی ابو الہیثم بن التیہان کے بھائی اور بعض نے بجائے عبید کے عتیک کہا ہے۔

(۵۴) عقبۃ بن عمرو رضی اللہ عنہ (۵۵) عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ

(۵۶) عقبۃ بن وہب رضی اللہ عنہ (۵۷) عبادۃ بن حزم رضی اللہ عنہ

(۵۸) عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ (۵۹) عمرو بن غزیۃ رضی اللہ عنہ

(۶۰) عمرو بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶۱) عمیر بن الحارث رضی اللہ عنہ

(۶۲) عوف بن حارث رضی اللہ عنہ (۶۳) عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ

ف

(۶۴) فروۃ بن عمر رضی اللہ عنہ

ق

(۶۵) قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ ذکروہ (۶۶) قطبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ الا ابن اسحاق۔

(۶۷) قیس بن عامر رضی اللہ عنہ (۶۸) قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ

ک م

(۶۹) کعب بن مالک رضی اللہ عنہ (۷۰) مالک بن تیہان ابوالہیثم رضی اللہ عنہ

(۷۱) مالک بن عبداللہ بن جعشم رضی اللہ عنہ (۷۲) مسعود بن یزید رضی اللہ عنہ

(۷۳) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (۷۴) معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ یعرف بامہ عفراء۔

(۷۵) معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ (۷۶) معقل بن المنذر رضی اللہ عنہ

(۷۷) معن بن عدی رضی اللہ عنہ (۷۸) معوذ بن الحارث رضی اللہ عنہ یعرف بامہ عفراء۔

(۷۹) منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ

ن

(۸۰) نعمان بن حارثہ رضی اللہ عنہ (۸۱) نعمان بن عمرو رضی اللہ عنہ

ھ

(۸۲) ہانئی بن نیار ابو بردہ رضی اللہ عنہ

ی

(۸۳) یزید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ (۸۴) یزید بن خذام رضی اللہ عنہ

(۸۵) یزید بن عامر رضی اللہ عنہ (۸۶) یزید بن المنذر رضی اللہ عنہ

(۸۷) نسیبۃ بنت کعب رضی اللہ عنہا (۸۸) اسماء بنت عمرو رضی اللہ عنہا

یہ تمام نام ہم نے علامہ ابن جوزی کی کتاب تلقیح ص ۲۱۵ سے نقل کیے ہیں۔ علامہ ابن ہشام نے سیرت میں اور حافظ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں تقریباً یہی نام ذکر کیے ہیں۔ صرف آٹھ دس نام کا تفاوت ہے۔

مسند احمد میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ دس سال تک رسول اللہ ﷺ لوگوں کے گھروں اور بازاروں اور میلوں میں جا جا کر اسلام کی دعوت دیتے اور یہ فرماتے **من یؤوینی ومن ینصرنی حتے ابلغ رسالۃ ربی ولہ الجنۃ** کون ہے جو مجھ کو ٹھکانہ دے کون ہے جو میری مدد کرے یہاں تک کہ میں خدا کا پیام پہنچا سکوں اور اس کے لیے جنت ہو۔ مگر کوئی ٹھکانہ دینے والا اور مدد کرنے والا نہ ملتا تھا۔ یہاں تک اللہ نے ہم کو یثرب سے آپ کے پاس بھیجا ہم نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کو ٹھکانہ دیا۔ ہم میں سے جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا وہ مسلمان ہو کر واپس ہوتا۔ جب مدینہ کے گھر گھر میں اسلام پہنچ گیا تو ہم نے مشورہ کیا کہ آخر کب تک ہم اللہ کے رسول کو اس حال میں چھوڑے رکھیں کہ آپ مکہ کے پہاڑوں میں پریشان اور خوف زدہ پھرتے رہیں ستر آدمی ہم میں سے موسم حج میں مدینہ سے مکہ آئے الی آخر الحدیث حافظ بن کثیر فرماتے ہیں (ہذا اسناد جید علی شرط مسلم۔ البدایۃ والنہایۃ ص ۱۵۹ ج ۳) اور حافظ ہیثمی فرماتے ہیں رواہ احمد والبزار ورجال احمد رجال صحیح (مجمع الزوائد ص ۴۶ ج ۶)

قافلہ مکہ پہنچا تو مسلمانوں نے خفیہ طور پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیام بھیجا کہ ہم قدم بوسی کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے ایام تشریق کے دوران منیٰ کی اس مبارک گھاٹی پر شب میں ملنے کا وعدہ فرمایا جہاں گذشتہ سال بارہ حضرات بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ کے چچا حضرت عباسؓ آپکے ہمراہ تھے۔ حضرت عباس اگرچہ اس وقت تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی نصرت وحمایت کو غایت درجہ محبوب رکھتے تھے۔ بیٹھتے ہی حضرت عباس نے انصار سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ محمد (ﷺ) اپنی قوم میں نہایت عزت اور وقعت والے ہیں (لوگ اگرچہ آپ کے دین کے مخالف تھے مگر جس عزت اور وقعت سے آپ کو دیکھتے تھے وہ کسی کو نصیب نہ تھی) اور ہم ان کے حامی اور مددگار ہیں اور وہ تمہارے یہاں آنا چاہتے ہیں اگر تم ان کی پوری پوری حمایت اور حفاظت کر سکو اور مرتے دم تک اس پر قائم رہو تو بہتر ہے ورنہ ابھی سے صاف جواب دے دو۔

انصار نے کہا کہ آپ نے جو فرمایا وہ ہم نے سنا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف مخاطب ہو کر عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں ہم اس کے لیے حاضر ہیں کہ آپ اپنے لیے اور خدا کے لیے جو چاہیں ہم سے عہد لیں۔

آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ اور اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت فرمائی اور کہا کہ اللہ کے لیے تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اس کی عبادت اور بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور اپنے ساتھیوں کے لیے یہ چاہتا ہوں کہ ہمکو ٹھکانہ دو اور جس طرح اپنی اور اپنے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح ہماری حفاظت کرو اور خوشی ہو یا رنج اور راحت ہو یا کلفت، افلاس ہو یا تونگری ہر حال میں میری اطاعت کرو اور جو کہوں وہ سنو۔ انصار نے عرض کیا کہ اگر ہم ایسا کریں تو ہم کو اس کا کیا صلہ ملے گا۔ آپ نے فرمایا جنت (یعنی آخرت کی لازوال نعمتیں) انصار نے کہا سب منظور، لایئے دست مبارک، بیعت کیلئے ہاتھ بڑھایئے! ابوالہیثم بن تیہانؓ نے عرض کیا یارسول اللہ مجھ کو کچھ عرض کرنا ہے وہ یہ کہ ہم میں اور یہود میں کچھ تعلقات ہیں۔ آپ سے تعلق قائم ہونے کے بعد ان سے ہمارے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ کہیں ایسا تو نہ ہو گا کہ جب اللہ آپ کو فتح و نصرت نصیب فرمائے تو آپ پھر مکہ مکرمہ واپس ہو جائیں اور ہم کو (تڑپتا ہوا) یہاں چھوڑ جائیں۔ آپ یہ سُن کر مسکرائے اور یہ فرمایا۔

ہر گز نہیں تمہاری جان میری جان ہے۔ تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں جس سے تمہاری جنگ ہے اُس سے میری جنگ ہے جس سے تمہاری صلح ہے اس سے میری بھی صلح ہے۔ اس پر سب نے نہایت رضاء و رغبت کے ساتھ بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔[1]

اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے بیعت کے لیے کس نے ہاتھ بڑھایا۔ ابن سعد کی ایک روایت سے تمام مختلف اقوال مجتمع ہو جاتے ہیں۔ سلیمان بن نجیم فرماتے ہیں کہ جب اوس اور خزرج کا اس بارے میں اختلاف ہُوا کہ سب سے پہلے کس نے آپ

[1] قال الحافظ العسقلانی اخرجہ ابن اسحٰق وصححہ ابن حبان۔ فتح الباری ص ۱۷۳ ج ۷

کے دستِ مبارک پر بیعت کی تو بعض نے یہ کہا کہ اس کا صحیح علم حضرت عباس کو ہوگا وہ اس وقت موجود تھے۔ ان سے دریافت کرنا چاہیے۔

حضرت عباس نے فرمایا کہ سب سے پہلے اسعد بن زرارہ نے (جو سب سے زیادہ خوش نصیب اور باسعادت تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور پھر براء بن معرور نے اور پھر اسید بن حضیر نے۔[1]

عباس بن عبادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (بیعت کو پختہ اور مستحکم کرنے کی غرض سے) کہا اے گروہ خزرج تم کو معلوم بھی ہے کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو، یہ سمجھ لو کہ عرب اور عجم سے جنگ کرنے پر بیعت کر رہے ہو۔ اگر آئندہ چل کر مصائب و شدائد سے گھبرا کر چھوڑ دینے کا خیال ہو تو ابھی سے چھوڑ دو اُس وقت گھبرا کر چھوڑ نا خدا کی قسم دنیا اور آخرت کی رسوائی کا سبب ہوگا اور اگر تم آئندہ کے شدائد و مصائب کا تحمل کر سکتے ہو اور اپنی جان اور مال پر کھیل کر اپنے عہد اور وعدہ پر قائم رہ سکتے ہو تو واللہ اس میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی خیر اور بہبودی ہے۔ سب نے کہا ہاں ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔ آپ کے لیے جان و مال سے ہم کو دریغ نہیں۔ مصائب سے ڈر کر خدا کی قسم ہم اس بیعت کو نہیں چھوڑ سکتے۔[2]

انتخاب نقباء

جب سب بیعت کر چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیب منتخب فرمائے تھے۔ اسی طرح میں بھی جبریل کے اشارہ سے تم میں سے بارہ نقیب منتخب کرتا ہوں اور ان بارہ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ تم اپنی اپنی قوم کے کفیل اور ذمہ دار ہو۔ جیسے حواریین عیسیٰ علیہ السلام کے کفیل تھے۔[3]

[1] قال العلامۃ الزرقانی رواہ البیہقی باسناد قوی عن الشعبی وصلہ الطبر انی واخرجہ احمد ۱۲ زرقانی ص ۳۱۷ ج ۱

[2] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص: ۱۵۶ [3] ابن سعد ج ۱ ص: ۱۵

اسماءِ نقباء کفر اللہ عنہم سیآتہم وادخلہم جنات تجری من تحتہا الانہار

جن حضرات کو رسول اللہ ﷺ نے نقیب منتخب فرمایا۔ ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ	۲۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
۳۔ سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ	۴۔ رافع بن مالک رضی اللہ عنہ
۵۔ ابو جابر عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ	۶۔ براء بن معرور رضی اللہ عنہ
۷۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ	۸۔ منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ
۹۔ عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ	۱۰۔ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ
۱۱۔ سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ	۱۲۔ رفاعۃ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ

اور بعض اہل علم نے بجائے رفاعہ کے ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کیا ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے انصار میں سے ایک شیخ نے بیان کیا کہ انتخاب کے وقت جبریل امینؑ رسول اللہ ﷺ کو اشارہ سے بتلاتے جاتے تھے کہ فلاں کو نقیب بنائیں۔[۱]

زہریؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تم میں سے بارہ نقیب منتخب کروں گا تم میں سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مجھ کو کیوں نہیں نقیب بنایا گیا اس لیے کہ میں مامور ہوں جس طرح حکم ہے۔

اسی طرح کروں گا اور جبریل امین آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جس جس کو نقیب بنانے کا حکم تھا اس کی طرف اشارہ کرتے جاتے تھے[۲] جب صبح ہوئی اور یہ خبر مکہ میں پھیلی تو قریش نے انصار سے آ کر دریافت کیا قافلہ میں جو یثرب کے مشرک اور بت پرست تھے چونکہ ان کو اس بیعت کا بالکل علم نہ تھا اس لیے ان لوگوں نے اس خبر کی تکذیب کی اور یہ کہہ دیا کہ یہ خبر بالکل غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو ہم کو ضرور علم ہوتا۔[۳]

بعد ازاں یہ قافلہ مدینہ کو روانہ ہوا روانگی کے بعد قریش کو اس خبر کی تصدیق ہوئی۔ انصار کے

---

۱ زرقانی ج:۱ ص ۳۱۷ ۲ روض الانف ج ۱ ص: ۲۷۷۔ ۳ ابن ہشام ج ۱ ص: ۱۵۷

پکڑنے کے لیے دوڑے مگر قافلہ نکل چکا تھا کوئی ہاتھ نہ آیا صرف سعد بن عبادۃ کو جو قافلہ سے پیچھے رہ گئے تھے ان کو اثناء راہ سے پکڑ لائے اور خوب مارا جبیر بن مطعم نے آ کر چھڑایا۔[1]

بیعت کیا ہے؟

بیعت بیع سے مشتق ہے جس کے معنی فروخت کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں انتہائی رضاء ورغبت کے ساتھ اپنی جان ومال کو خداوند ذوالجلال کے ہاتھ بمعاوضۂ جنت فروخت کردینے کا نام بیعت ہے۔

چنانچہ جب یہ بیعت ہونے لگی تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ ہم سے جو چاہیں شرط کرلیں مگر یہ ارشاد فرمائیں کہ ہم کو اس کے معاوضہ میں کیا ملے گا۔ آپ نے فرمایا جنت۔ عبداللہ بن رواحہ نے عرض کیا۔

رَبِح البَیْعُ لا نَقِیْلُ ولا نستقیلُ۔

بڑے نفع والی بیع (خرید وفروخت) ہے ہم اسکے اقالہ اور فسخ پر ہرگز راضی نہ ہوں گے۔

اس پر اللہ جل جلالہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ[2]

(رواہ الحاکم فی الاکلیل عن کعب بن مالک واحمد عن جابر فتح الباری ص ۲ ج ۶ کتاب الجہاد)

تحقیق اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو بمعاوضہ جنت خرید لیا ہے یہ لوگ خدا کی راہ میں جہاد وقتال کرتے ہیں جس میں کبھی مارتے ہیں اور کبھی مارے بھی جاتے ہیں یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ توریت اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ کون عہد کو پورا کرنے والا ہوسکتا ہے پس اے مسلمانو تم کو بشارت ہو اور یہ بیع تم کو مبارک ہو جو تم نے اللہ تعالیٰ سے کی ہے یہ بہت ہی بڑی کامیابی ہے۔

---

[1] ابن ہشام ج ۱ ص: ۱۵۷ [2] التوبۃ: آیۃ ۱۱۱

جنت میں ایک بازار لگے گا جس نے یہاں خدائے عزوجل کے ہاتھ اپنا جان ومال فروخت کیا اور سب جان ومال اُس کے حوالے کردیا اس کو وہاں اختیار ہوگا کہ اس بازار سے جو چاہے بلا قیمت لے لے۔ اس لیے کہ وہ قیمت (جان ومال) پیشگی دے چکا ہے۔ وللہ درّ القائل ؎

وحی علی السُّوقِ الذِی فیه ملتقی مُحِبُّونَ ذاك السُّوقُ للقوم مَعْلَم

فماشئت خُذمِنْهُ بِلَا ثَمَنٍ لَهٗ فَقَدْاَسْلَفَ التُّجَّارُفیه وَاَسْلَمُوْا

(حادی الارواح)

ایک ضروری تنبیہ

محمد بن اسحٰق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیعت کے وقت صرف مردوں سے مصافحہ فرماتے تھے۔ عورتوں سے مصافحہ نہیں فرماتے تھے۔ صرف زبانی اقرار اور عہد لے کر یہ فرماتے جاؤ تم سے بیعت ہوگئی[1]

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يمتحن من هاجر اليه من المومنات بهذه الأية يقول الله يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ الى قوله غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ فمن اقَرَّ بهذا الشرط من المؤمنات قال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم

رسول اللہ ﷺ ان عورتوں کا جو ہجرت کر کے آئیں اس آیت سے امتحان فرماتے جو عورت شرائط کو قبول کرتی جو اس آیت میں مذکور ہیں اس کو بیعت فرماتے اور یہ ارشاد فرماتے کہ میں نے تجھ کو کلام سے بیعت کرلیا خدا کی قسم آپ کے دست مبارک نے بیعت کرتے وقت کسی عورت

[1] ابن ہشام ج ا، ص: ۱۶۳

قد بايعتك كلاما ولاوالله ماامست يده يدامرأة قط فى المبايعة مايبايعهن الابقوله. قدبايعتك على ذلك (بخارى شريف ص ٧٢٦ ج ٢)	کے ہاتھ کومس نہیں کیا محض زبانی ارشاد سے بیعت فرماتے تھے۔

اور مسند احمد اور معجم طبرانی میں اسماء بنت یزید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

انى لااصافح النساء ولكن آخذ عليهن مااخذالله عليهن۔	میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا صرف اللہ کی اطاعت کا عہد لیتا ہوں۔

اور یہ روایت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طبقات ابن سعد اور مسند احمد اور ترمذی میں بھی آئی ہے امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن اور صحیح ہے لہٰذا آج کل پیروں کا جو عمل اس کے خلاف رائج ہے اسلام اس سے بری ہے لوگ اس سے دھوکا نہ کھائیں۔[1]

انصار کا قافلہ مکہ سے مدینہ پہنچا اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ مدینہ کے اکثر قبائل اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ مگر بعض بوڑھے ہنوز اسی قدیم بت پرستی پر نہایت سختی کے ساتھ قائم تھے منجملہ ان کے عمرو بن الجموح قبیلہ بنی سلمہ کے سردار بھی تھے جن کے بیٹے معاذ بن عمرو بن الجموح ابھی آں حضرت ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے مکہ سے واپس آئے تھے۔ عمرو بن الجموح نے لکڑی کا ایک بت بنا رکھا تھا جس کی عمرو بڑی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ ایک رات خود ان کے بیٹے معاذ بن عمرو نے اور معاذ بن جبل نے اور بنی سلمہ کے چند نوجوان مسلمانوں نے مل کر یہ کیا کہ عمرو کا بت لیجا کر ایک چو بچہ میں اوندھا کر کے ڈال آئے۔ جب صبح ہوئی تو عمرو بن الجموح نے دیکھا کہ ان کا خود ساختہ خدا غائب ہے۔ کہنے لگے افسوس نمعلوم ہمارے خدا کو کون لے بھاگا اور اس کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک چو بچہ میں اوندھا پڑا ہے وہاں سے

[1] کنز العمال ج ۱ ص: ۲۶

نکال کر اس کو غسل دیا اور خوشبو لگائی جب دوسری شب ہوئی تو پھر ان لوگوں نے ایسا ہی کیا کہ اس بت کو گڑھے میں ڈال دیا۔ جب صبح ہوئی تو عمرو بن الجموح اس کو تلاش کر کے لائے۔ نہلایا اور خوشبو لگائی۔

جب کئی روز متواتر اسی طرح گذرے تو عمرو بن الجموح ایک روز تلوار لائے اور اس بت کے کاندھے پر رکھ دیا کہا واللہ مجھ کو یہ معلوم نہیں کہ کون شخص تیرے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے۔ تیرے میں اگر کوئی خیر اور بھلائی ہے تو یہ تلوار موجود ہے تو آپ اپنی حفاظت کر لے جب رات ہوئی تو ان لوگوں نے تلوار تو اس بت کے کاندھے سے اٹھائی اور ایک مرے ہُوئے کتے اور اس بت کو ایک رسّی میں باندھ کر کسی گڑھے میں لٹکا آئے جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ بُت غائب ہے۔ عمرو بن الجموح تلاش میں نکلے دیکھا کہ بُت اور مَرا ہُوا کتا دونوں ایک رسّی میں بندھے ہوئے کنویں میں لٹک رہے ہیں۔ دیکھتے ہی آنکھیں کھل گئیں اور (بت سے مخاطب ہوکر) یہ کہا واللہ اگر تو خدا ہوتا تو اس قدر ذلیل نہ ہوتا اور اسلام لے آئے اور اللہ جل جلالہ کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اپنی رحمت سے اس گمراہی سے نجات دی اور نابینا سے بینا بنایا اور یہ شعر کہے

وَاللّٰہ لَو کُنتَ اِلٰھًا لَم تَکُنْ   اَنْتَ فَتَشُنَاك عَنْ سُوْءِ الْغَبَنْ

خدا کی قسم اگر تو خدا ہوتا تو کتے   کے ساتھ رسّی میں بندھکر کنویں میں نہ لٹکتا

اُفٍّ لِمَلْقَاكَ اِلٰھًا مُسْتَدَنْ[1]   الاٰن فَتَشُنَاك عَنْ سُوْءِ الْغَبَنْ

اف ہے تیری خدائی پر آج ہم کو   اپنی سفاہت اور بدعقلی معلوم ہوئی

الحمدللّٰہِ العلِی ذِی الْمِنَنْ   الوَاھِبِ الرزَّاقِ دَیَّان الدِیَن

حمد ہے اس خداوند ذوالجلال کی کہ جو بڑا احسان کرنے اور رزق دینے والا اور جزا دینے والا ہے

ھوالذی انقذنی من قبل اَنْ   اکون فی ظلمة قبر مرتَھَنْ

[1] قولہ مستدن من السدانۃ وہی خدمت البیت وتعظیمہ ۱۲ روض الانف ج ا ص: ۲۸

اسی نے مجھ کو اس گمراہی سے بچایا | قبل اس کے کہ میں قبر کی تاریکی میں رہن رکھا جاؤں

بِاَحْمَدَالمهدِیّ النبیّ الْمُؤْتَمَنْ[1]

احمد مجتبیٰ خدا کے ہدایت یافتہ نبی امین ﷺ کی برکت سے۔

اور نیز یہ اشعار پڑھے:

اَتُوبُ اِلَے اللّٰهِ مِمَّا مَضیٰ وَاَسْتَنْقِذُاللّٰه من نارِهٖ

گذشتہ تمام گناہوں سے اللہ کے سامنے توبہ کرتا ہوں اور نار جہنم سے پناہ مانگتا ہوں

وَاُثنِیْ عَلَیْهِ بِنَعمآئِهٖ اِلٰهَ الحَرامِ وَاَسْتارِهٖ

اور اس کی نعمتوں کا شکر کرتا ہوں جو خدا ہے بیت حرام کا اور اس کے پردوں کا

فَسُبْحَانَهٗ عَدَدَالخاطئین وَقَطْرِ السَّمآءِ وَمِدْرَارِهٖ

اور اسکی تسبیح اور پاکی بیان کرتا ہوں بقدر شمار گنہگاروں کے اور بقدر بارش کے قطروں کے

هدانی وقد کنت فی ظُلْمَةٍ حَلِیْفَ مَنَاةٍ واَحْجَارِهٖ

اس نے مجھ کو ہدایت دی درآنحالیکہ میں کفر اور شرک کی ظلمت اور تاریکی میں اور مناۃ اور اس کے ہم جنس پتھروں کا حلیف بنا ہوا تھا۔

وَاَنْقَذَنِی بعد شَیْبِ القذَا ل مِنْ شَیْنِ ذَاكَ وَمِنْ عَارِهٖ

اور بڑھاپے کے بعد اللہ نے مجھ کو اس عار (بت پرستی) سے چھڑایا۔

فَقَدْ کِدتُ اَهْلِكُ فی ظُلْمَةٍ تَدارَكَ ذَاكَ بِمِقْدَارِهٖ

قریب تھا کہ اسی بت پرستی کی ظلمت اور تاریکی میں ہلاک ہو جاؤں ایمان لانے نے اسکی تلافی کر دی۔

فَحَمْدًا وشکرًا لَه ما بقِیتُ اِلٰهَ الانَامِ وجَبَّارِهٖ

[1] البدایۃ والنہایۃ ج:۳،ص:۱۶۵، ابن ہشام ج:۱،ص:۱۵۸

اے خداوند خلائق جب تک میں زندہ رہوں گا اس وقت تک برابر تیری حمد اور ثناء اور تیرا شکر کرتا رہونگا۔

اُرِیْدُ بِذٰلِکَ اِذْقُلْتُہٗ مُجَاوَرَۃَ اللّٰہِ فِیْ دَارِہٖ

اس کہنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ مجھ کو اللہ کا قرب حاصل ہو[1]

نکتہ: حق جل وعلا کی یہ سُنت ہے کہ جب حضرات انبیاء ومرسلین کے منکرین اور مکذبین کا انکار اور تکذیب حد سے گذر جاتی اور ان کے اصحاب اور متبعین پر مصیبتوں کی کوئی انتہا باقی نہ رہتی حتیٰ کہ پیغمبر اُن کی اصلاح سے تقریباً ناامید ہوجاتے ہیں تب اللہ عزوجل کی نصرت اور مدد نازل ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔[2]	کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ جنت میں بلامشقت داخل ہوجاؤ گے حالانکہ تم نے پہلے لوگوں کی طرح مشقت نہیں اٹھائی۔ پہلے لوگوں کو تنگی پیش آئی اور اتنے ہلائے گئے کہ رسول اور اہل ایمان یہ کہہ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی اسوقت انکو تسلی دی گئی اور کہا گیا کہ آگاہ ہوجاؤ اللہ کی مدد اور نصرت قریب آگئی ہے
وقال تعالیٰ۔ حَتّٰى اِذَا اسْتَيْاَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا[3]	یہاں تک کہ انبیاء کرام ناامید ہوگئے اور انکو یہ خدشہ ہوا کہ مبادا لوگ یہ خیال کریں اور گمان کریں کہ ہم سے غلط کہا گیا اس وقت ہماری مدد انکے پاس پہنچی۔

[1] دلائل ابی نعیم ج:۲، ص:۱۱۰۔ [2] البقرہ، آیۃ:۲۱۴، [3] یوسف، آیۃ:۱۱۰

اسی طرح جب آپ کی اور آپ کے اصحاب کی مصائب انتہا کو پہونچ گئیں اور سفر طائف نے ان کی اصلاح سے ایک قسم کی ناامیدی بھی پیدا کر دی۔ تب جاء ہم نصرنا کا مصداق ظاہر ہوا اور اللہ تعالیٰ کی نصرت اور امداد آپہنچی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انصار کو آپ کی اور آپ کے دین کی نصرت اور حمایت کے لیے مدینہ سے بھیجا وہ آئے اور آپ کے دست مبارک پر آپ کی نصرت وحمایت کی بیعت کر کے واپس ہوئے۔ فرضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

ہجرت مدینہ منورہ زادہا اللہ تنویرا

جس طرح نبوت کی ابتداء رویائے صالحہ (سچے خواب) سے ہوئی اسی طرح ہجرت کی ابتداء بھی رویائے صالحہ سے ہوئی۔ ابتداءً حضور کو خواب میں ہجرت کی جگہ دکھلائی گئی۔ مقام کا نام نہیں بتلایا گیا۔ بلکہ اجمالاً صرف اتنا دکھلایا گیا کہ آپ ایک نخلستان (کھجور والی سرزمین) کی طرف ہجرت فرمارہے ہیں اس لیے آپ کو خیال ہوا کہ شاید وہ مقام یمامہ یا ہجر ہو آپ اسی تامل اور تردد میں تھے کہ وحی الٰہی نے مدینہ منورہ کی تعیین کر دی تب آپ نے بحکم الٰہی حضرات صحابہ کو مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا[1]

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ وحی نازل فرمائی کہ مدینہ اور بحرین، قنسرین ان تین شہروں میں سے جس شہر میں بھی جا کر آپ فروکش ہوں وہی آپ کا دارالہجرت ہے۔ (رواہ الترمذی والبیہقی عن جریرؓ کذا فی البدایۃ والنہایۃ ص ۱۶۸ ج ۳۔)

نکتہ: جس طرح مہمان عزیز پر متعدد مکانات پیش کیے جاتے ہیں کہ جس کو چاہے پسند کرے اسی طرح بطور اعزاز واکرام حضور کو ہجرت کے لیے متعدد مقامات دکھلائے گئے اور اخیر میں مدینہ منورہ متعین اور منتخب ہوا محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ بیعت عقبہ کے مکمل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم سنتے ہی پوشیدہ طور پر ہجرت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

[1] زرقانی ج:۱ص:۳۱۸۔

رضاعی بھائی ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی نے مع بیوی اور بچّے کے ہجرت کا ارادہ فرمایا مگر ہجرت کرنا بھی کوئی آسان نہ تھا جو ہجرت کا ارادہ کرتا قریش سدّ راہ ہوتے اور پوری کوشش کرتے کہ ہجرت نہ کرنے پائے ورنہ اپنے جور وستم کا تختۂ مشق کس کو بنائیں گے۔ چنانچہ ابوسلمہ مع بیوی اور بچہ کے ہجرت کے لیے تیار ہوگئے اور اونٹ پر کجاوہ بھی کس دیا اور بیوی اور بچہ کو اس پر سوار ابھی کر دیا۔ اس وقت لوگوں کی اطلاع ہوئی۔ ان کی بیوی ام سلمہ (جو کہ ابوسلمہ کی وفات کے بعد ام المؤمنین بنیں) کے رشتہ داروں نے یہ کہا کہ تم کو اپنے نفس کا اختیار ہے لیکن ہماری بیٹی کو تم نہیں لے جاسکتے اور یہ کہہ کر ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور ادھر سے ابوسلمہ کے رشتہ دار آپہنچے اور یہ کہہ کر کہ یہ بچہ ہمارے خاندان کا ہے اس کو کوئی نہیں لے جاسکتا۔ ام سلمہ کی گود سے چھین لیا۔ ماں اور باپ اور بچہ سب ایک دوسرے سے جدا ہوگئے اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تن تنہا مدینہ منورہ روانہ ہوئے ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب صبح ہوتی تو میں ابطح میں جا کر بیٹھ جاتی اور شام تک روتی رہتی جب اسی طرح ایک سال گذر گیا تو میرے بنی الاعمام میں سے ایک شخص کو مجھ پر رحم آیا اور بنی المغیر ہ سے یہ کہا کیا تم اس کو مسکینہ پر رحم نہیں آتا۔ اس پر بنی المغیر ہ نے مجھ کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی اور بنی الاسد نے میرا بچہ واپس کر دیا۔ میں نے بچہ کو گود میں اٹھایا اونٹ پر سوار ہو کر تنہا مدینہ کا راستہ لیا۔

جب مقام تنعیم پر پہنچی تو عثمان بن طلحہ[۱] ملے تنہا دیکھ کر پوچھا کہاں کا قصد ہے میں نے کہا اپنے شوہر کے پاس مدینہ جاری ہوں پوچھا تمہارے ساتھ کوئی نہیں میں نے کہا:

لا واللّٰه اِلّا اللّٰه وبُنَيّ هذا ۔ خدا کی قسم کوئی نہیں مگر اللہ تعالیٰ اور میرا یہ بچہ

یہ سن کر عثمان کا دل بھر آیا اونٹ کی مہار پکڑا کر آگے آگے ہولیے جب کوئی منزل آتی تو اونٹ بٹھلا کر خود پیچھے ہٹ جاتے۔ جب میں اتر جاتی تو اونٹ کو دُور لے جاتے اور ایک

---

[۱] عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور خالد بن ولید کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ عثمان بن طلحہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں شہید ہوئے۔ روض الانف ص ۴ ۲۷ ج

درخت سے باندھ کر اس درخت کے سایہ میں لیٹ جاتے اور جب روانگی کا وقت آتا تو اونٹ لاکر کھڑا کر دیتے اور خود پیچھے ہٹ جاتے اور یہ کہتے کہ سوار ہو جاؤ جب میں سوار ہو جاتی تو مہار پکڑ کر چلتے۔ جب کسی منزل پر اترتے تو ایسا ہی کرتے۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچے۔ جب قباء کے مکانات دُور سے نظر آنے لگے تو یہ کہا کہ اسی بستی میں تمہارے شوہر مقیم ہیں۔ اللہ کی برکت کے ساتھ اس بستی میں داخل ہوئے اور میرے شوہر کے پاس پہنچا کر مکہ واپس آگئے۔ خدا کی قسم میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ کسی کی شریف نہیں پایا[1]

پھر عامر بن ربیعہ نے مع اپنی بی بی لیلیٰ بنت خیثمہ کے اور پھر ابواحمد بن جحش اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے مع اہل وعیال کے ہجرت کی اور مکان کو قفل ڈال دیا۔

عتبہ اور ابو جہل کھڑے ہوئے اس منظر کو دیکھ رہے تھے کہ لوگ ایک ایک کر کے مکہ سے کوچ کر رہے ہیں۔ مکہ کے مکان خالی اور ویران ہو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر عتبہ کا دل بھر آیا اور سانس بھر کر یہ کہا۔

وَكُلُّ دَارٍ وَاِنْ طَالَتْ سَلَامَتُهَا يَوْمًا سَتُدْرِكُهَا النكبآءُ وَالْحُوْبُ

ہر مکان خواہ وہ کتنے ہی عرصہ تک آباد اور عشرت کدہ بنا رہے لیکن ایک نہ ایک دن وہ غم کدہ اور ماتم کدہ بن جاتا ہے۔

اور پھر یہ کہا کہ یہ سب کچھ ہمارے بھتیجے کا کام ہے جس نے ہماری جماعت میں تفریق ڈال دی۔

بعد ازاں عکاشہ بن محصن اور عقبۃ بن وہب اور شجاع بن وہب اور اربد بن جمیرہ اور منقذ بن نباتہ اور سعید بن رقیش اور محرز بن نضلہ اور یزید بن رقیش بن جابر اور عمرو بن محصن اور مالک بن عمرو اور صفوان بن عمرو اور ثقف بن عمرو اور ربیعہ بن اکثم اور زبیر بن عبیدہ اور تمام بن عبیدہ اور سخبرۃ بن عبیدہ اور محمد بن عبداللہ بن جحش اور مستورات میں سے زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین اور ام حبیب بنت جحش اور جذامہ بنت جدل اور ام قیس

---

[1] البدایۃ والنہایۃ: ج:۳ ص:۱۶۹

بنت محصن اور ام حبیب بنت ثمامہ اور آمنہ بنت رقیش اور سخبرہ بنت تمیم اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنھن اجمعین نے ہجرت کی بعد ازاں حضرت عمر اور عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ بیس سواروں کے ساتھ ہجرت کیلئے روانہ ہُوئے۔

ہشام بن العاص نے بھی حضرت عمر کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا لیکن قوم کے لوگوں نے مزاحمت کی اور ان کو ہجرت کرنے سے روک دیا۔

جب حضرت عمر اور عیاش بن ابی ربیعہ مدینہ پہنچ گئے تو ابوجہل بن ہشام اور حارث بن ہشام (ابوجہل کے بھائی جو بعد میں مشرف باسلام ہوئے) دونوں مدینہ پہنچے اور جا کر یہ کہا کہ تیری ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تجھ کو نہ دیکھ لیگی اس وقت تک نہ سر میں کنگھی کریگی اور نہ دھوپ سے سایہ میں آئے گی۔، یہ سن کر عیاش کا دل بھر آیا اور ابوجہل کے ساتھ ہو لیے۔ ابوجہل نے راستہ ہی سے عیاش کی مشکیں باندھ لیں اور مکہ لا کر عرصہ تک قید میں رکھا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے اور ان کی رہائی کے لیے دُعا فرماتے۔

اللھم انج الولید بن الولید وسلمۃ بن ھشام وعیاش بن ابی ربیعۃ	اے اللہ تو ولید اور سلمہ اور عیاش کو مشرکین کے جور وستم سے نجات دے۔

چنانچہ اللہ نے نجات دی اور چھوٹ کر مدینہ پہنچے۔

جن لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی ان کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

زید بن الخطاب[1] (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بھائی) اور سراقہ کے دونوں بیٹے عمرو بن سراقہ اور عبداللہ بن سراقہ خنیس بن حذافہ سہمی اور سعید بن عمرو بن نفیل اور

---

[1] زید بن الخطاب سابقین اولین میں سے ہیں ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے حضرت عُمر کو جب زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو حضرت عمر کو بہت صدمہ ہوا اور یہ فرمایا۔ سبقنی الحسنیین اسلم قبلی استشھد قبلی زید نے مجھ سے دو بھلی باتوں میں سبقت کی مجھ سے پہلے مسلمان ہوئے اور مجھ سے پہلے شہید ہوئے۔ زرقانی ص ۳۲۰ ج ۱۔

واقد بن عبد اللہ التمیمی اور خولی بن ابی خولی اور مالک بن ابی خولی اور بکیر کے چاروں بیٹے ایاس بن بکیر اور عامر بن بکیر اور عاقل بن بکیر اور خالد بن بکیر رضی اللہ عنھم اجمعین ہجرت کر کے مدینہ پہنچے بعد ازاں ہجرت کرنے والوں کا ایک تانتا بندھ گیا۔ طلحہ بن عبید اللہ اور صہیب بن سنان اور حمزہ بن عبد المطلب اور زید بن حارثہ اور ابو مرثد کناز بن حصین اور انسہ اور ابو کبشہ اور عبیدۃ بن الحارث اور ان کے دونوں بھائی طفیل بن حارث اور حصین بن حارث اور مسطح بن اثاثہ اور سویبط بن سعد اور طلیب بن عمیر اور خبّاب بن الارت اور عبد الرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام اور ابو سبرۃ بن ابی رہم۔ مصعب بن عمیر ابو حذیفہ بن عتبہ اور سالم مولی ابی حذیفہ اور عتبہ بن غزوان اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم اجمعین ہجرت کر کے مدینہ پہنچے الغرض رفتہ رفتہ تمام صحابہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ میں سوائے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کوئی باقی نہ رہا مگر چند بے کس اور بے پناہ مسلمان جو کفار کے پنجہ میں پھنسے ہوئے تھے[۱]

دار الندوہ میں قریش کا اجتماع اور آپ کے قتل کا مشورہ[۲]

قریش نے جب یہ دیکھا کہ صحابہ رفتہ رفتہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آج کل میں جانے والے ہیں تو مشورہ کے لئے دار الندوہ میں حسب

(۱) ابن ہشام ج:۲ ص:۳

۲ مکہ میں یہ پہلا مکان ہے جس کو قصی بن کلاب نے خاص مشوروں ہی کے لیے تعمیر کیا تھا جس میں جمع ہو کر مشورے کیا کرتے تھے۔ قصی بن کلاب کے بعد یہ مکان بنی عبد الدار کے قبضہ میں آیا اور ان سے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے خریدا جو بعد میں مشرف باسلام ہوئے اور حضرت معاویہ کے زمانہ خلافت میں حکیم نے یہ مکان ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا۔ بعض احباب نے ملامت کی کہ آباء واجداد کے شرف اور بزرگی کی ایک نشانی کو تم نے اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔ حکیم رضی اللہ عنہ نے حکیمانہ جواب دیا۔ ذہبت واللہ المکارم الا التقوی خدا کی قسم ساری بزرگیاں اور شرف ختم ہو گئے۔ سوائے تقوی اور پرہیزگاری کے واللہ میں نے یہ مکان زمانہ جاہلیت میں ایک شراب کی مشک دیکر خریدا تھا اور اب ایک لاکھ میں فروخت کیا اور میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ ایک لاکھ سب کے سب خدا کے راستہ میں دیتا ہوں بتلاؤ کیا نقصان رہا (ذکرہ الدارقطنی فی رجال المؤطا) زرقانی ص ۳۲۱ ج ۱۔

ذیل سرداران قریش جمع ہوئے۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ابوسفیان بن حرب۔ طعیمۃ بن عدی۔ جبیر بن مطعم۔ حارث بن عامر۔ نضر بن حارث۔ ابوالبختری بن ہشام۔ زمعۃ بن الاسود۔ حکیم بن حزام۔ ابوجہل بن ہشام۔ نبیہ اور منبہ پسران حجاج، امیۃ بن خلف وغیرہ۔ ابلیس لعین ایک بوڑھے شخص کی شکل میں نمودار ہوا۔ اور دروازہ پر کھڑا ہوگیا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ کہا میں نجد کا ایک شیخ ہوں۔ تمہاری گفتگو سننا چاہتا ہوں اگر ممکن ہوا تو اپنی رائے اور مشورہ سے میں تمہاری امداد کروں گا۔

لوگوں نے اندر آنے کی اجازت دی اور گفتگو شروع ہوئی کسی نے کہا کہ آپ کو کسی بند کوٹھڑی میں قید کر دیا جائے۔ شیخ نجدی نے کہا یہ رائے درست نہیں اس لیے کہ اس کے اصحاب اگر کہیں سن پائیں تو تم پر ٹوٹ پڑیں گے اور ان کو چھڑا کر لے جائیں گے۔ کسی نے کہا آپ کو جلائے وطن کر دیا جائے۔ شیخ نجدی نے کہا کہ یہ رائے تو بالکل ہی غلط ہے کیا تم کو اس کے کلام کی خوبی اور شرینی اور دل آویزی اور دلوں پر اس کا چھا جانا معلوم نہیں اگر ان کو یہاں سے نکال دیا تو ممکن ہے کہ دوسرے شہر والے ان کا کلام سُن کر ان پر ایمان لے آئیں اور پھر سب مل کر ہم پر حملہ آور ہوں۔

ابوجہل نے کہا میری رائے یہ ہے کہ نہ تو ان کو قید کیا جائے اور نہ جلاوطن کیا جائے۔ بلکہ ہر قبیلہ میں سے ایک نوجوان منتخب کیا جائے اور پھر سب مل کر دفعۃً محمد ﷺ کو قتل کر ڈالیں۔ اس طرح محمد ﷺ کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے گا اور بنی عبد مناف تمام قبائل سے نہ لڑ سکیں گے۔ مجبوراً خون بہا اور دیت پر معاملہ ختم ہو جائے گا۔ شیخ نجدی نے کہا واللہ رائے تو بس یہ ہے اور حاضرین جلسہ نے بھی اس رائے کو بہت پسند کیا[1]

اور یہ بھی طے پایا کہ یہ کام اسی شب میں انجام کو پہنچا دیا جائے۔ ادھر جلسہ برخاست ہوا اور اُدھر جبریل امین وحی ربانی لے کر پہنچے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج:۱،ص:۱۵۲، عیون الاثر ج۱،ص:۱۷۷

وَاِذۡ یَمۡکُرُ بِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِیُثۡبِتُوۡکَ اَوۡ یَقۡتُلُوۡکَ اَوۡ یُخۡرِجُوۡکَ وَ یَمۡکُرُوۡنَ وَ یَمۡکُرُ اللّٰہُ وَ اللّٰہُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ [۱]

اور یاد کرو جس وقت کافر تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا نکال دیں اور طرح طرح کے فریب کرتے تھے اور تدبیر کرتا ہے اللہ اور اللہ بہترین تدبیر فرمانے والے ہیں۔

اور تمام واقعہ سے آپ کو مطلع کیا اور من جانب اللہ آپ کو ہجرت مدینہ کی اجازت کا پیام پہنچایا اور یہ دعا تلقین کی گئی۔

وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا [۲]

اور یہ دعا مانگیے کہ اے پروردگار مجھ کو سچا پہنچانا پہنچا دیجئے اور سچا نکالنا مجھ کو نکالیے اور اپنے پاس سے مجھ کو ایک حکومت اور نصرت عطا فرمائیے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین سے دریافت فرمایا کہ میرے ساتھ کون ہجرت کرے گا۔ جبریل امین نے کہا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد وقال الذہبی صحیح غریب) [۳]

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ عین دوپہر کے وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا اس ناچیز کو بھی ہم رکاب ہونے کا شرف حاصل ہو سکے گا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔

ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ ابوبکر یہ سن کر رو پڑے۔ عائشہ فرماتی ہیں کہ اس سے پیشتر مجھ کو گمان نہ تھا کہ فرط مسرت سے بھی کوئی رونے لگتا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

---

۱ الانفال، آیۃ: ۳۰　۲ الاسراء، آیۃ: ۸۰ (رواہ الترمذی عن ابن عباس وصححہ الحاکم فی المستدرک۔ فتح الباری ص ۱۷۷ ج ۷ وزرقانی ص ۳۲۴ ج ۱)　۳ زرقانی ج: ۱ ص: ۲۲۶۔

پہلے ہی سے ہجرت کے لیے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ جن کو چار مہینے سے ببول کے پتے کھلا رہے تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ان میں سے جس ایک کو پسند فرمائیں وہ میری طرف سے آپ کے لیے ہدیہ ہے آپ نے فرمایا میں بدون قیمت کے نہ لوں گا۔

معجم طبرانی میں حضرت اسماء بنت ابی بکر سے مروی ہے کہ ابوبکر نے عرض کیا کہ بہتر ہے اگر آپ قیمۃً لینا چاہیں۔ قیمۃً لے لیں[1]

مطلب یہ کہ میری ذاتی خواہش کچھ بھی نہیں میری ہر خواہش اور میلان آپ کے اشارہ کے تابع ہے۔

اس مقام پر بعض لوگوں کو یہ شبہ پیش آیا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس اونٹنی کی قیمت سے کہیں زائد آپ کی ذات بابرکات پر خرچ کیا اور آپ نے اس کو قبول فرمایا۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ جس قدر ابوبکر نے اپنی جان اور مال سے مجھ پر احسان کیا اتنا کسی نے نہیں کیا۔ اور ترمذی میں ہے کہ جس شخص نے میرے ساتھ جو احسان کیا ہے میں نے اسکی مکافات کردی ہے سوائے ابوبکر کے کہ اس کے احسانات کا بدلہ قیامت کے دن اللہ ہی دے گا۔ اس لیے شبہ ہوا کہ اس وقت آپ نے اونٹنی کی قیمت دینے میں کیوں اصرار فرمایا۔

جواب یہ ہے کہ ہجرت ایک عظیم عبادت ہے جس کو حق تعالیٰ نے بعد ایمان کے ذکر فرمایا ہے اس لیے آپ اس عبادت عظمیٰ میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتے تھے آپ یہ چاہتے تھے کہ خدا کی راہ میں ہجرت صرف اپنی ہی جان و مال سے ہو۔[2]

فائدہ

واقدی کہتے ہیں کہ اس اونٹنی کا نام قصواء تھا محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ اس کا نام جدعاء تھا (بخاری باب غزوۃ الرجیع)[3]

---

[1] فتح الباری ج:۷، ص:۱۸۳ [2] روض الانف ج:۲، ص:۳ [3] زرقانی ج:۱، ص:۳۲۷

واقدی فرماتے ہیں کہ اس اونٹنی کی قیمت آٹھ سو درہم تھی۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ چار سو درہم تھی۔ آٹھ سو درہم دونوں اونٹنیوں کی قیمت تھی۔

چنانچہ حضرت عائشہ کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے کہ:۔

وکان ابو بکر اشتراهما بثمان مائة درهم۔[1]	ابوبکر نے دونوں اونٹنیوں کو آٹھ سو درہم میں خریدا تھا۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جبریل امین نے آ کر قریش کے مشورہ کی اطلاع دی اور یہ مشورہ دیا کہ آپ یہ رات اپنے کاشانہ مبارک میں نہ گذاریں۔ (اخرجہ البیہقی)[2]

چنانچہ جب رات کا وقت آیا اور تاریکی چھا گئی[3] تو قریش نے حسب قرار داد آ کر آپ کے مکان کو گھیر لیا کہ جب آپ سو جائیں تو آپ پر حملہ کریں۔ آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ میری سبز چادر اوڑھ کر میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور ڈرو مت تم کو کوئی کسی قسم کی گزند نہ پہنچا سکے گا۔ قریش اگرچہ آپ ﷺ کے دشمن تھے لیکن آپ کو صادق و امین سمجھتے تھے اور امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ آپ نے وہ سب امانتیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کیں کہ صبح کو یہ امانتیں لوگوں تک پہنچا دینا۔ ابوجہل لعین باہر کھڑا ہوا ہنس ہنس کر لوگوں سے یہ کہہ رہا تھا کہ محمد ﷺ کا زعم یہ ہے کہ اگر تم ان کا اتباع کرو تو دنیا میں عرب وعجم کے بادشاہ بنو گے اور مرنے کے بعد تم کو بہشت بریں ملے گی اور ان پر ایمان نہ لاؤ گے تو دنیا میں ان کے پیروں کے ہاتھ سے قتل ہو جاؤ گے اور مرنے کے بعد جہنم میں جلو گے۔

نبی اکرم ﷺ گھر میں سے ایک مشت خاک لیے ہوئے برآمد ہوئے اور فرمایا کہ ہاں میں یہی کہتا ہوں اور تو بھی ایک انہی میں سے ہے کہ دنیا میں میرے اصحاب کے ہاتھ سے قتل ہوگا اور مرنے کے بعد جہنم میں جلے گا اور اس مشت خاک پر سورۂ یٰسین کی شروع کی

---

[1] طبقات ابن سعد، ج:۱ص:۱۵۳ [2] الخصائص ج:۱ص:۱۸۵ [3] جن لوگوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کیا ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ ابوجہل۔ حکم بن العاص۔ عقبۃ بن ابی معیط۔ نضر بن حارث بن حلف ابن عیطلہ زمعۃ بن الاسود طعیمۃ بن عدی۔ ابولہب۔ ابی بن خلف نبیہ اور منبہ پسران حجاج طبقات ابن سعد ص۱۵۴ ج ۲

آیتیں" فاغشینا ہم فہم لا یبصرون" تک پڑھ کر ان کے سروں پر ڈال دی۔ اللہ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور آپ ان کے سامنے سے گذر گئے اور کسی کو نظر نہ آئے[1]

آپ ان کے سامنے سے نکل کر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گئے اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمراہ لیکر جبل ثور کا راستہ لیا اور وہاں جا کر ایک غار میں چھپ گئے۔ اسی اثناء میں ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے پاس سے گذرا تو قریش کی جماعت سے دریافت کیا کہ تم کیوں کھڑے ہو اور کس کے منتظر ہو۔ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر ہیں کہ وہ برآمد ہوں تو ہم ان کو قتل کر دیں۔ اس شخص نے کہا اللہ تم کو ناکام کرے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سروں پر خاک ڈال کر گذر بھی گئے جب صبح ہوئی اور حضرت علی آپ کے بستر سے اٹھے تو یہ کہنے لگے کہ واللہ اس شخص نے ہم سے سچ کہا تھا اور نہایت ندامت کے ساتھ حضرت علی سے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں۔ حضرت علی نے کہا مجھ کو علم نہیں[2] اور یہ روایت طبقات ابن سعد میں حضرت علی اور ابن عباس اور عائشہ صدیقہ اور عائشہ بنت قدامہ اور سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

فائدہ

کفار قریش نے تمام شب آپ کے مکان کا محاصرہ تو رکھا مگر مکان کے اندر نہیں گھسے اس لیے کہ اہل عرب کسی کے زنانہ مکان میں گھسنے کو معیوب سمجھتے تھے بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو ٹیلے پر سے ایک نظر ڈال کر مکہ کو دیکھا اور یہ فرمایا۔

واللّٰہ انک لخیر ارض اللّٰہ واحب ارض الی اللّٰہ ولولا انی اخرجت منک ماخرجت۔	خدا کی قسم تو اللہ کی سب سے بہتر زمین ہے اور سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے اگر میں نکالا نہ جاتا تو نہ نکلتا (ترمذی)

---

[1] عیون الاثر ج ۱ ص ۱۷۹، [2] البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص: ۱۷۶

حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے[۱] ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے اس وقت یہ فرمایا۔

ما اطیبك من بلد واحبك الی ولولا ان قومی اخرجونی ماسکنت غیرك رواہ احمد والترمذی وصححه[۲]

تو کیا ہی پاکیزہ شہر ہے اور مجھ کو بڑا ہی محبوب ہے اگر میری قوم مجھ کو نہ نکالتی تو میں دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔ اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح بتلایا ہے۔

فائدہ

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے افضل ہے اور یہی جمہور علماء کا قول ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء نے سفر کے لیے ناشتہ تیار کیا عجلت میں بجائے رسّی کے اپنا (پٹکا) پھاڑ کر ناشتہ دان باندھا۔ اسی روز سے حضرت اسماء ذات النطاقین کے نام سے موسوم ہوئیں ابن سعد کی روایت میں یہ ہے کہ ایک ٹکڑے سے توشہ دان باندھا اور دوسرے سے مشکیزہ کا منہ بند کیا[۳] اور عبداللہ بن ابی بکر جو ابوبکر کے فرزند ارجمند تھے اور جوان تھے وہ دن بھر مکہ میں رہتے اور رات کو آ کر قریش کی خبریں بیان کرتے اور عامر بن فہیرہ ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام بکریاں چرایا کرتے تھے عشاء کے وقت آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ابوبکر کو بکریوں کا دودھ پلا جاتے تھے[۴]

اور عبداللہ اریقط دولی[۵] کو رہبری کے لیے اجرت پر مقرر کیا کہ وہ غیر معروف راستہ سے لے جائے۔ عبداللہ بن اریقط اگرچہ مذہباً کافر اور مشرک تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس پر اعتماد اور بھروسہ کیا (بخاری شریف باب الہجرت)

---

۱ مستدرک: ج ۳، ص: ۷ ۲ زرقانی ج ۱، ص: ۳۲۸ ۳ طبقات ابن سعد ج: ۱، ص: ۱۵۴

۴ البدایۃ والنہایۃ ج: ۲، ص: ۱۸۴ ۵ امام نووی فرماتے ہیں کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ عبد بن اریقط اسلام لایا یا نہیں۔ وفاء الوفا ص ۱۶۹ ج ۱

اور اونٹنیاں اس کے سپرد کیں کہ دونوں کو تیسرے دن جبل ثور پر لے کر حاضر ہو جائے اور مدینہ لے کر روانہ ہو جائے۔

فائدہ

راستہ خود حضور ﷺ نے متعین فرمایا اور کافر کو مزدوری دے کر ہمراہ لیا کہ آپ کی اونٹنی کی لگام پکڑ کر چلے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کافر قابل اطمینان ہو تو اُجرت دیکر اس سے خدمت لینا جائز ہے۔ یہ کافر حضور کا مزدور اور اجیر تھا۔ معاذ اللہ قائد اور امیر نہ تھا۔ اس حدیث سے کافر کی اُجرت اور خدمت کا جواز معلوم ہوا۔ لیکن کافر اور مشرک کو اپنا قائد اور امیر بنانے کا جواز اس سے کہیں ثابت نہیں ہوتا۔

غار ثور

الغرض گھر سے نکل کر رات ہی دونوں حضرات غار ثور کی طرف روانہ ہوئے دلائل بیہقی میں محمد بن سیرین سے مرسلاً مروی ہے کہ جب آپ غار کی طرف روانہ ہوئے تو اس یار غار اور ہمدم و جان نثار محبّ بااخلاص اور صدیق بااختصاص کی بیتابی اور بے چینی کا عجب حال تھا کبھی آپ کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے اور کبھی دائیں اور کبھی بائیں بالآخر آپ نے دریافت فرمایا اے ابوبکر یہ کیا ہے کبھی آگے چلتے ہو اور کبھی پیچھے ابوبکر نے عرض کیا، یا رسول اللہ۔ جب یہ خیال آتا ہے کہ کہیں پیچھے سے تو کوئی آپ کی تلاش میں نہیں آ رہا تو پیچھے چلتا ہوں اور جب یہ خیال آتا ہے کہ کہیں کوئی گھات میں نہ بیٹھا ہو تو آگے چلتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے ابوبکر کیا اس سے تمہارا یہ مقصد ہے کہ تم قتل ہو جاؤ اور میں بچ جاؤں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ یہی چاہتا ہوں کہ آپ بچ جائیں اور میں قتل ہو جاؤں۔ جب غار پر پہنچے تو عرض کیا یا رسول اللہ ذرا ٹھہریئے میں اندر جا کر آپ کے لیے غار کو صاف

کرلوں۔ حافظ عسقلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسی طرح عبداللہ بن ابی ملیکہ اور حسن بصری سے مروی ہے[۱]

دلائل بیہقی میں ضبۃ بن حصن سے مروی ہے کہ حضرت عمر کے سامنے جب حضرت ابوبکرؓ کا ذکر آتا تو یہ فرماتے کہ ابوبکر کی ایک رات اور ایک دن عمرؓ کے تمام عمر کی عبادت سے کہیں بہتر ہے۔ رات تو غار کی اور یہ قصہ بیان فرماتے جو ابھی ذکر کیا گیا ہے اور دن وہ کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی وفات ہوگئی اور عرب کے بہت سے قبائل مرتد ہوگئے۔ اس وقت میں آپ کی خدمت حاضر ہوا اور خیر خواہانہ عرض کیا اے خلیفۂ رسول اللہ آپ ذرا نرمی کیجیے اور تالیف سے کام لیجیے ابوبکر نے غصہ ہو کر یہ کہا۔

جَبّارٌ فی الجاهلية وخوّارٌ فی الاسلام۔	اے عمر جاہلیت کے زمانہ میں تو بہادر اور دلیر تھا اب کیا اسلام میں آ کر بزدل بن گیا۔

بتلا تو سہی کس چیز سے ان کی تالیف کروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور وحی منقطع ہوگئی۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ اس رسی کے دینے سے بھی انکار کریں گے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیا کرتے تھے تو میں ان سے ضرور جہاد و قتال کروں گا۔ عمر کہتے ہیں پس ہم نے ابوبکرؓ کے حکم سے جہاد کیا اور اللہ نے ابوبکرؓ کے ذریعہ سے ان تمام لوگوں کو جو اسلام سے بھاگ گئے تھے پھر اسلام کی طرف واپس فرما دیا۔ یہ ہے ابوبکر کا وہ دن جس پر عمرؓ اپنی تمام عمر کی عبادت تصدق کرنے کے لیے تیار تھے[۲] اور یہ روایت مستدرک حاکم میں مذکور ہے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت مرسل نہ ہوتی تو شرط بخاری اور مسلم پر صحیح ہوتی۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں صحیح مرسل یہ ہے کہ اوّل ابوبکر غار میں اترے اور بعد ازاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار میں فروکش ہوئے اور باذن الٰہی ایک مکڑی نے غار کے منہ پر ایک جالا تانا۔

یہ روایت طبقات ابن سعد میں عائشہ صدیقہ اور ابن عباس اور علی بن ابی طالب اور

---

[۱] فتح الباری، ج:۷، ص:۱۸۵ [۲] در منثور، ج:۳، ص:۲۴۱

عائشہ بنت قدامہ اور سراقۃ بن جعشم رضی اللہ عنھم سے متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے جس میں بعض سندوں کے راوی بخاری اور مسلم کے راوی ہیں مسند احمد بن حنبل میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قریش تمام شب آپ ﷺ کے مکان کا محاصرہ کیے رہے۔ جب صبح ہوئی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آپ کے بستر سے اٹھتے دیکھا تو آپ کی بابت دریافت کیا کہ کہاں ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا مجھ کو علم نہیں۔ اس وقت آپ کی تلاش میں ہر طرف دوڑے، ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار تک پہنچے۔

فراوا اعلی بابہٖ نسج العنکبوت فقالوا لودخل ھنالم یکن نسج العنکبوت علی بابہٖ۔	تو غار کے دروازہ پر مکڑی کا جالا دیکھ کر یہ کہا کہ اس میں جاتے تو غار کے دروازے پر مکڑی کا جالا باقی نہ رہ سکتا۔

حافظ عسقلانی[1] فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند حسن ہے[2] حافظ ابن کثیر البدایۃ و النہایۃ میں فرماتے ہیں یہ اسناد حسن ہے غار کے منہ پر مکڑی کے جالا تاننے کی جس قدر بھی روایتیں آئی ہیں ان سب سے جید اور بہتر یہی روایت ہے۔

ابو مصعب مکی فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک اور زید بن ارقم اور مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کو یہ بیان کرتے سنا کہ جب رسول اللہ ﷺ غار ثور میں پناہ گزیں ہوئے تو اللہ کے حکم سے آپ کے چہرہ کے سامنے ایک درخت اگ آیا اور ایک جنگلی کبوتر کے جوڑے نے آکر انڈے دیئے۔ مشرکین جب ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار تک پہنچے تو کبوتروں کے گھونسلے دیکھ کر واپس ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے ان کو ہم سے دفع کیا[3]

---

[1] عسقلانی کے الفاظ ہیں ذکر احمد من حدیث عباس باسناد حسن اور حافظ ابن کثیرؒ مسند احمد کی اس مفصل روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔ وہذا اسناد حسن وہو من اجود ماروی فی قصۃ نسج العنکبوت علی فم الغار وذالک من حما اللہ رسول اللہ ﷺ۔ البدایۃ والنہایۃ ص ۱۸۱ ج ۳ [2] فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۸۴ [3] طبقات ابن سعد ج: ۱، ص: ۱۵۴

تنبیہ

یہ واقعہ کتب حدیث میں مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے ہر سند میں اگرچہ بعض راوی ضعیف ہیں لیکن مجموعہ سے قوت اور طاقت آ جاتی ہے جو بضابطۂ محدثین حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

بخاری، مسلم، ترمذی، مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب میں اور رسول اللہ ﷺ غار میں تھے اور قریش ہمیں تلاش کرتے کرتے غار کے منہ پر آ کھڑے ہوئے اس وقت میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ان میں سے اگر کسی کی نظر اپنے قدموں پر پڑ جائے تو یقیناً ہم کو دیکھ پائے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

ماظنك يا ابا بكر باثنين الله ثالثهما۔	اے ابوبکر ان دو کے ساتھ تیرا کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔ (یعنی ہم دونوں تنہا نہیں بلکہ تیسرا ہمارے ساتھ خدا تعالیٰ ہے جو ہم کو ان اعداء کے شر سے محفوظ رکھے گا۔)

زہری اور عروۃ بن الزبیر سے مروی ہے کہ جب آپ نے دیکھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت حزیں اور غمگین ہیں تو یہ ارشاد فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔	تو بالکل غم نہ کھا۔ یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اور ابوبکر کی تسکین کے لیے دعا بھی فرمائی۔ پس اللہ کی طرف سے ابوبکر پر ایک خاص سکینت اور خاص طمانیت نازل ہوئی۔ اسی بارہ میں حق جل شانہٗ فرماتے ہیں۔

اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا	جب وہ دونوں غار میں تھے تو پیغمبر علیہ السلام اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے تو بالکل

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۱؎ (دلائل ابی نعیم ص ۱۱۲ وفتح الباری ص ۱۰ ج ۷ باب مناقب ابی بکرؓ)

غم نہ کھا یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس اللہ نے اس پر اپنی خاص تسکین نازل فرمائی اور قوت دی اسکو ایسے لشکروں سے جس کو تم نہیں دیکھتے تھے اور کافروں کی بات نیچی کی اور اللہ کی بات تو ہمیشہ اوپر رہتی ہے اور اللہ تو بڑا زبردست اور حکمت والا ہے۔

لطائف ومعارف

(تحقیق نزولِ آیۃ الغار در بارۂ یارِ غارِ سید الابرار علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات وعلیٰ آلہ وازواجہ الطاہرات وعلی اصحابہ الذین ہم کانوا نجوم الہدایۃ للبریات۔ لاسیما علی صاحبہ فی الغار وفی الحیات وبعد الممات ورفیقہ فی الدنیا وصاحبہ علی الحوض وفی روضات الجنات)

قبل اس کے کہ ہم آیت الغار کے لطائف ومعارف ہدیہ ناظرین کریں یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ اوّل پوری آیت کو مع ترجمہ کے نقل کر دیا جائے تا کہ ناظرین وقارئین کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہ پیش آئے (وہی ہذہ)

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ

اگر تم لوگ رسول اللہ کی مدد نہ کرو گے تو کیا ہوگا۔ اللہ ان کا پہلے ہی مددگار ہے اسی نے اس وقت بھی مدد کی تھی کہ جب کافروں نے اس کو نکال دیا تھا در آں حالیکہ وہ دو میں کا دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے یعنی اس صلی اللہ علیہ وسلم

۱؎ توبہ، آیۃ: ۴۰

كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ؕ[1]

اور دوسرے آپ کے ساتھی اور یار غار (یعنی ابو بکر صدیقؓ دو کے علاوہ اور کوئی شخص ہمراہ نہ تھا جس سے کسی سہارے کی توقع کی جاسکتی ہے) جسوقت آپ اپنے ساتھی اور یار غار سے یہ کہہ رہے تھے کہ غمگین نہ ہو یقین رکھ کہ اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے (یعنی اس کی حمایت اور حفاظت ہمارے ساتھ ہے) پس اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنی تسکین اور تسلی اتاری اور ایسے لشکروں سے تائید کی جن کو تم نے نہیں دیکھا (یعنی بلاسبب ظاہری کے فرشتوں کی فوج سے غار ثور کی حفاظت فرمائی) اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کی (کہ غار کے کنارہ سے دشمنوں کو بے نیل مرام واپس کر دیا۔) اور اللہ کا بول ہمیشہ بالا ہی رہتا ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے (کہ اس نے اپنے نبی اور اس کے رفیق کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال کر بعافیت تمام مدینہ پہنچا دیا)

حق جل شانہ نے اس آیت میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جن فضیلتوں اور خصوصیتوں کو بیان فرمایا ہے امت میں کسی کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوا۔ اب ہم ابو بکر صدیق کی وہ فضیلتیں جو اس آیت سے ثابت ہوتی ہیں اجمالاً بیان کرتے ہیں۔

---

[1] توبہ، آیۃ: ۴۰

(۱)

کفار نابنجار جب آں حضرت ﷺ کے قتل پر تل گئے اور بالاتفاق سب نے آپ کے قتل کا عزم بالجزم کرلیا تب بحکم خداوندی آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا اور بحکم خداوندی ابو بکرؓ صدیق کو اپنے ہمراہ لیا پس اگر خداوند ذوالجلال کے نزدیک ابو بکر مخلص اور صادق الایمان اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے عاشق صادق نہ ہوتے تو ایسے نازک وقت میں اللہ تعالیٰ ہرگز اُن کو ساتھ لیجانے کی اجازت نہ دیتے اور علی ہذا خود پیغمبر کو اگر اُن کی صداقت اور محبت اور عشق اور خلوص پر یقین کامل نہ ہوتا تو کبھی بھی ابو بکر صدیق کو ایسے سفر میں اپنے ہمراہ نہ لے جاتے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ رسول خدا۔ کم عقل تو نہ تھے کہ دوست اور دشمن۔ مخلص اور منافق کو نہ پہچانتے ہوں آں حضرت ﷺ کا ایسے سفر پر خطر میں ابو بکر صدیق کو اپنے ہمراہ لے جانا اس امر کی شہادت ہے کہ آں حضرت ﷺ ابو بکر کو اپنا محبّ خاص اور ہم دم باختصاص اور عاشق جان نثار اور جاں باز وغم گسار سمجھتے تھے اور حسب ارشاد باری فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ۔ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ حق تعالیٰ نے حضور پرنور کو ایسا اعلیٰ درجہ کا نور فراست عطا کیا تھا کہ منافق کے چہرے اور اس کی بات ہی سے آپ پہچان لیتے تھے کہ یہ منافق ہے۔ پس اگر بفرض محال شیعوں کے زعم میں ابو بکر منافق تھے تو آں حضرت ﷺ پر انکا نفاق کیسے مخفی رہا اور اگر بالفرض حضور پرنور پر مخفی رہا تو خداوند علام الغیوب پر کیسے مخفی رہا کہ اس نے اپنے پیغمبر کو ہجرت میں ایک منافق کے ہمراہ لے جانے کا حکم دیا۔

(۲)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حسن بصری اور سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ اس آیت میں حق جل وعلا نے رسول خدا ﷺ کی مدد نہ کرنے پر تمام عالم کو عتاب فرمایا مگر صرف ابو بکر کو اس عتاب سے مستثنیٰ فرمایا اور صرف مستثنیٰ ہی نہیں فرمایا بلکہ ایسے آڑے اور نازک وقت میں رسول اللہ کی رفاقت اور مصاحبت اور معیت کو بطور مدح ذکر فرمایا۔

(۳) ثَانِیَ اثْنَیْنِ

حق جل شانہ نے ثانی اثنین کے لفظ سے یہ ظاہر فرمایا کہ پیغمبر خدا کے بعد مرتبہ میں دوسرا شخص ابوبکر صدیق ہیں امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ثانی اثنین کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد خلیفہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں اس لیے کہ خلیفہ۔ بادشاہ کا ثانی ہوتا ہے (تفسیر قرطبی ج:۸،ص:۱۴۷)

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے حسان بن ثابت سے کہا کہ کیا تو نے ابوبکر کے بارے میں بھی کوئی شعر کہا ہے۔ حسان نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا کہو اور میں سنتا ہوں پس حسان نے یہ کہا۔

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد
طاف العدو بہ اصعّد الجبلا
وکان حب رسول اللّٰہ قد علموا
من البریۃ لم یعدل بہ رجلا

اخرجہ ابن عدی وابن عساکر من طریق الزہری عن انس رضی اللہ عنہ۔

(۴) اِذْہُمَا فِی الْغَار

حق جل شانہ نے اذ ہما فی الغار کے لفظ سے ابوبکر صدیق کا یار غار ہونا ظاہر کر دیا اور یار غار کی مثل یہیں سے چلی ہے جو شخص یاری اور غمگساری کا حق ادا کر دے اس کو محاورہ میں یارِ غار کہتے ہیں۔

(۵) لِصَاحِبِہٖ

حق تعالیٰ نے لصاحبہ کے لفظ سے ابوبکر کی صحابیت کو بیان کیا اور شیعوں اور سنیوں کا

اس پر اتفاق ہے کہ آیت میں لفظ صاحبہ سے ابوبکر مراد ہیں اور عربی زبان میں صاحب کا لفظ صحابی کے ہم معنی ہے۔ صحابی اور صاحب کے معنی میں کوئی فرق نہیں اور یہ رتبہ صرف ابوبکر کو ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی صحابیت کو قرآن میں ذکر کیا اسی وجہ سے علماء نے تصریح کی ہے کہ ابوبکر صدیق کی صحابیت کا منکر قرآن کریم کی اس آیت اذیقول لصاحبه کا منکر ہے اور قرآن کا انکار کفر ہے۔

اور علیٰ ہذا جن صحابہ کا صحابی ہونا احادیث متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے ان کا بھی یہی حکم ہے البتہ جن حضرات کا صحابی ہونا خبر واحد سے ثابت ہوا ہے ان کی صحابیت کا منکر کافر نہیں کہلائے گا۔ بلکہ مبتدع یعنی بدعتی کہلائے گا۔

ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں ایک شخص سورۂ توبہ کی تلاوت کرتا ہوا جب اس آیت پر پہنچا اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَاتَحْزَنْ ۔ تو ابوبکر صدیق سن کر رو پڑے اور یہ فرمایا کہ خدا کی قسم یہ صاحب میں ہی ہوں[1]

(۶) لَاتَحْزَنْ

جب مشرکین مکہ آں حضرت ﷺ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار تک پہنچے تو غار کے اندر سے ابوبکر کی نظر ان پر پڑی۔ رونے لگے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر میں مارا جاؤں تو فقط ایک شخص ہلاک ہوگا لیکن نصیب دشمناں اگر آپ مارے گئے تو ساری امت ہلاک ہو جائے گی۔ اس وقت نبی کریم ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تسلی کے لیے یہ ارشاد فرمایا لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ اے ابوبکر تم غمگین نہ ہو۔ تم تسلی رکھو اور یقین جانو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے[2]

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند) ہدیۃ الشیعہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ لاتحزن جس کا مطلب یہ ہے کہ تم غمگین نہ ہو یہ لفظ ابوبکر کے عاشق صادق اور مؤمن مخلص ہونے پر دلالت کرتا ہے ورنہ اُن کو غمگین ہونے کی کیا

---

[1] تفسیر ابن جریر ج:۱۰، ص:۹۶ [2] روض الانف ج:۲، ص:۴

ضرورت تھی بلکہ موافق عقیدہ شیعہ معاذ اللہ اگر ابوبکر دشمن رسول تھے تو یہ نہایت خوشی کا محل تھا کہ رسول اللہ خوب قابو میں آئے ہوئے ہیں۔ اسی وقت پکار کر دشمنوں کو بلا لینا تھا تا کہ نعوذ باللہ وہ اپنا کام کرتے۔ دشمنوں کے لیے اس سے بہتر اور کون سا موقع تھا مگر کہیں انصاف کی آنکھیں اگر مول ملیں تو ہم حضرات شیعہ کے لیے مول لے لیں اور ان کو دیں تا کہ وہ کچھ تو پاس رفاقت خلیفہ اوّل کریں۔

جو پاس مہر ومحبت یہاں کہیں ملتا تو مول لیتے ہم اپنے مہرباں کے کیلئے

غار میں تنہائی تھی ابوبکر کو اس میں مار ڈالنے کا بہت اچھا موقعہ تھا۔ وہاں کون پوچھتا تھا۔ مار کر کہیں چل دیتے اور ابوبکر کے فرزند ارجمند پسر کلاں یعنی عبداللہ بن ابی بکر غار ثور پر جاسوسی کے لیے مقرر تھے۔ انھیں کے ذریعہ سے دشمنوں کو اطلاع کرا دیتے یا اسماء بنت ابی بکر جو غار پر کھانا لیکر آیا کرتی تھیں۔ اُن کے ذریعہ دشمنوں کو اطلاع کرا دیتے اگر خاندان صدیقی کو کچھ بھی عداوت ہوتی تو یہ راز داری اور جان نثاری کے معاملے نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض یہ کہ ابوبکر کا رنجیدہ اور غمگین ہونا اور دشمنوں کو دیکھ کر رونا یہ سب آنحضرت ﷺ کے عشق اور محبت میں تھا۔ اگر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جان کا ڈر ہوتا تو بجائے حزن کے خوف کا لفظ مستعمل ہوتا۔ اس لیے کہ عربی زبان والے حزن کا لفظ غم کی جگہ اور فراق محبوب یا تمنا کے فوت ہو جانے کے محل میں استعمال اور جہاں جان پر بنی ہو اور ڈر کا مقام ہو وہاں خوف کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر گئے اور پیغمبری ملی تو خداوند تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو زمین پر ڈالو۔ ڈالا تو ایک اژدہا بن گیا موسیٰ علیہ السلام اُس سے ڈر کر ایسے بھاگے کہ پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا اس وقت خداوند کریم نے یہ فرمایا۔

يَامُوسٰى لَاتَخَفْ اِنِّىْ لَايَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ [1]	اے موسیٰ! ڈر مت میرے پاس میرے رسول ڈرا نہیں کرتے۔

[1] النمل آیت: ۱۰۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس اژدہا سے اپنی جان کا اندیشہ ہوا تب بھاگے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تسلی فرمائی کہ ڈرمت اور یوں نفر مایا لاتحزن یعنی رنجیدہ اور غمگین نہ ہو اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے جب ایک قبطی کو مار ڈالا اور فرعون کے لوگوں نے ان کے مار ڈالنے کا ارادہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام وہاں سے ڈر کر بھاگے اس موقع پر حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا۔ | یعنی نکلے موسیٰ وہاں سے ڈرتے ہوئے۔

اور بیسوں جگہ خوف کا لفظ کلام اللہ میں موجود ہے جہاں کہیں ہے یہی معنی ہیں اور جہاں غم کا مقام ہے وہاں حزن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اندیشہ ہے کہ تم یوسفؑ کے غم میں کہیں مر نہ جاؤ۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ فرمایا۔

اِنَّمَآ اَشۡكُوۡا بَثِّىۡ وَحُزۡنِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ[1] | یعنی میں اپنی پریشانی اور غم کو خدا سے کہتا ہوں۔

اس مقام پر حزن کا لفظ استعمال فرمایا۔ خوف کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حزن کے اور معنی ہیں اور خوف کے اور معنی ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔

تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا[2] | (یعنی جب پکے مسلمان مرنے لگتے ہیں) تو فرشتے رحمت کے ان پر اترتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نہ تم ڈرو اور نہ تم غمگین ہو۔

اگر حزن اور خوف کے ایک معنی ہوتے تو مکرر کہنے کی کیا ضرورت تھی صحیح یہ ہے کہ غم اور چیز ہے اور خوف اور چیز ہے۔ خوف اسے کہتے ہیں کہ کچھ آگے کا اندیشہ ہو اور غم یہ ہے کہ بالفعل دل کی تمنا ہاتھ سے نکل جائے۔

---

[1] یوسف، آیۃ: ۸۶ [2] حم سجدہ آیت: ۳۰

نیز غم، خوشی کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور خوف اطمینان کے مقابلہ میں مثلاً جب کسی کا کوئی عزیز واقارب مرجاتا ہے تو اس پر جو حالت پیش آتی ہے اس کو غم کہتے ہیں۔ خوف کوئی نہیں کہتا اور اگر کسی کا لڑکا دیوار پر چڑھ جائے اور وہاں سے اندیشہ گر کر مرجانے کا ہوتو اس اندیشہ کو البتہ خوف کہیں گے لیکن کوئی نادان بھی اس کو غم نہ کہے گا۔ البتہ غم عین مصیبت کے وقت جو حالت ہوتی ہے اسے کہتے ہیں اور خوف مصیبت کی آمد آمد کی کیفیت کا نام ہے اور اگر بپاس خاطر شیعہ لَاتَحْزَنْ کو بھی ہم بمعنی لاتخف ہی سمجھیں تب بھی ہمارا چنداں نقصان نہیں اس لیے کہ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے۔ اے ابوبکر مت ڈر جو ظاہر ہے کہ ابوبکر جو خوفناک ہوں گے اور ان کو جو اپنی جان کا کھٹکا ہوگا تو اسی سبب سے ہوگا کہ کفار کو ان کے ساتھ دشمنی ہوگی اور وہ دشمنی بھی بوجہ اسلام وایمان ہوگی ورنہ رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینے کی کیا ضرورت تھی اور پھر وہ بھی اس قدر کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

(۷) اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

رسول اللہ ﷺ نے لاتحزن کے بعد ابوبکر کو تسلی دی کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ تم مایوس اور غمگین نہ ہو تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عنایات ہمارے ساتھ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خدا تو مسلمانوں کی طرفداری اور حمایت کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اور اس قسم کے کلمات سے اللہ تعالیٰ کا کلام بھرا پڑا ہے۔

چنانچہ خدا تعالیٰ نے اِذْيَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کے ضمن میں اس بات پر متنبہ کر دیا کہ ابوبکر صدیق سے بھی کفار دشمنی رکھتے تھے۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ کیوں ان کو تسلی کرتے اور خدا کیوں ان کے ساتھ ہوتا اور ہمیں تو اتنا ہی بہت ہے کہ خدا ان کے ساتھ اسی طرح ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ایک ہی لفظ یعنی ''معنا'' سے دونوں کی مددگاری کو بیان فرمایا ہے اور دو لفظ نہ فرمائے یعنی

''ان اللہ معی ومعک'' نہ فرمایا جس کے یہ معنی ہوتے کہ خدا میرے ساتھ ہے اور تیرے ساتھ بھی ہے تو اس سے اور بھی واضح ہوگیا کہ جس طرح خدا تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔

نیز ''ان اللہ معنا'' جملہ اسمیہ ہونے کی وجہ سے دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کی معیت اور نصرت اور حمایت ہمیشہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گی اور اللہ کبھی ان سے جدا نہ ہوگا اور بالفرض اگر یہ جملہ ہمیشگی پر دلالت نہ بھی کرے تو اتنی بات تو شیعوں کو بھی تسلیم کرنی ہی پڑے گی۔ کہ اس وقت خاص میں تو رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں خدا کی ہمراہی اور ہمدمی میں شریک تھے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ خداوند ذوالجلال۔ رسول اللہ ﷺ سے کبھی علیحدہ اور جدا ہو اور ان کی ہمراہی اور طرفداری چھوڑ دے۔ سو ''ان اللہ معنا'' میں رسول اللہ ﷺ کا حصہ بھی دائمی ہوگا۔ کیونکہ دونوں کے حصے رلے ملے ہیں۔ بٹے ہوئے نہیں ایک مَعَ کا لفظ دونوں کے لیے معاً استعمال فرمایا ہے۔ ہر ایک کے لیے جدا جدا مع کا لفظ نہیں استعمال فرمایا یعنی مَعِی ومعک نہیں فرمایا۔

نیز ان اللہ معنا فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی معیت رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نفس ذات کے ساتھ ہے۔ کسی شرط پر موقوف نہیں اس لیے کہ اگر لاتحزن کے بعد اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ فرماتے تو یہ گمان ہوتا کہ اللہ کی معیت اور ہمراہی ایمان کے ساتھ مشروط ہے جب ایمان گیا تو ہمراہی بھی ساتھ گئی اور درصورتیکہ ہمراہی بلا کسی شرط کے ہو تو وہ دائمی ہوگی اس میں زوال کا احتمال نہ ہوگا۔ الحاصل چونکہ اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وغیرہ جو کسی وصف پر دلالت کرے نہیں فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی معیت اور ہمراہی ابو بکرؓ کی ذات اور جان کے ساتھ ہے کسی وصف کے ساتھ نہیں۔

یہ ہم نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا خلاصہ ذکر کیا۔ تفصیل اگر درکار ہے تو اصل ''ہدیۃ الشیعہ'' کی مراجعت کریں۔

فرعون نے جب موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کیا تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے یہ کہا۔ اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ یعنی بے شک ہم تو اب پکڑ لیے گئے۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۔ ہرگز نہیں تحقیق میرا رب میرے ساتھ ہے۔ یقیناً مجھ کو راہ بتلائے گا۔

موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ کی معیت کو صیغۂ مفرد کے ساتھ بیان فرمایا یعنی مَعِیَ فرمایا یعنی میرے ساتھ ہے اور مَعَنَا صیغہ جمع کے ساتھ نہ فرمایا جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ ہم سب کے ساتھ ہے۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے معیت ربانیہ کو اپنی ذات بابرکات کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ اپنے اصحاب کو اس معیت میں سے کوئی حصہ اور بہرہ نہ عطا فرمایا اور نبی اکرم ﷺ نے لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا میں صیغۂ جمع استعمال فرمایا یعنی اے ابو بکر تو غمگین نہ ہو بے شک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے آپ نے خداوند ذوالجلال کی معیت اور ہمراہی کو اپنی ذات کے ساتھ مخصوص نہ فرمایا بلکہ اپنے محبّ خاص اور ہمدم باختصاص کو بھی اس میں شریک فرمایا۔

نیز موسیٰ علیہ السلام کی معیت۔ معیت ربانیہ تھی جس کو موسیٰ علیہ السلام نے اسم رب کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ میرے ساتھ میرا رب (پروردگار) ہے اور نبی اکرم ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت۔ معیت الٰہیہ تھی جس کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسم اللہ کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنی تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے آپ نے اللہ جل جلالہٗ کی معیت کو اسم جلیل اور اسم اعظم کے ساتھ ذکر فرمایا جو تمام صفات کمال کو جامع ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے خدا کی معیت کو اسم رب کے ساتھ ذکر فرمایا۔ (ہذا توضیح وتشریح ما قالہ العارف اللبان قدس اللہ روحہ ومتعنا بعلومہ وبرکاتہ)۔ آمین ثم آمین۔ (کذا فی المواہب)

(۸)۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ

یعنی اللہ نے آپ پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور پھر آپ کی برکت سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس سے حِصّہ عطا فرمایا۔ جیسا کہ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ

الصلوٰۃ والتسلیم نے ابوبکر کیلئے دُعا فرمائی تو اللہ کی طرف سے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سکینت نازل ہوئی۔ (خصائص الکبریٰ ص ۱۸۵ ج ۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سکینت سے طمانیت مراد ہے علامہ ہروی فرماتے ہیں سکینت ایک خاص شے کا نام ہے جو تین چیزوں کی جامع ہوتی ہے۔ (۱) نور اور (۲) قوت اور (۳) روح، نور سے قلب روشن اور منور ہوجاتا ہے۔ دلائل ایمان اور حقائق ایقان اس پر منکشف ہوجاتے ہیں حق اور باطل، ہدایت اور ضلالت، شک اور یقین کا فرق اس پر واضح ہوجاتا ہے۔

اور قوت سے قلب میں عزم اور استقلال پیدا ہوتا ہے حق جل جلالہ کی اطاعت اور بندگی کے وقت اس کو خاص نشاط حاصل ہونے لگتا ہے اور اسی قوت کی وجہ سے قلب۔ نفس کے تمام دواعی اور مقتضیات کے مقابلہ میں غالب اور کامیاب رہتا ہے اور روح سے قلب میں حیات اور زندگی پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے قلب خواب غفلت سے بیدار ہوکر خدا کی راہ میں چست اور چالاک ہوجاتا ہے۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ غزوۂ خندق میں عبداللہ بن رواحہ کا یہ رجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مُبارک پر تھا۔

اللّٰہم لولا انتَ مااھتدینَا ولا تصدّقنا ولا صلّینا

اے اللہ تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے

فانزلن سکینۃ علینا

پس تو اپنی خاص تسکین اور طمانیت ہم پر نازل فرما۔ (تفصیل کے لیے مدارج السالکین ص ۲۷۸ ج ۲ کی مراجعت کریں۔)

مشہور قول یہ ہے کہ علیہ کی ضمیر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف راجع ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ علیہ کی ضمیر ''صاحب''، یعنی ابوبکر کی طرف راجع ہے اس لیے کہ لفظ صاحبہ قریب ہے اور ضمیر قریب کی طرف راجع کرنا زیادہ بہتر ہے نیز

فانزل کی فاء بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ لاتحزن پر تفریع ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب ابوبکر صدیق حزین وغمگین ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی سکینت وطمانیت نازل کی تا کہ ان کے قلب کو سکون ہو جائے اور اُن کا غم اور پریشانی دور ہو جائے[1]

اور امام رازی نے بھی تفسیر کبیر میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ فَاَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلَیۡہِ میں علیہ کی ضمیر ابوبکر کی طرف راجع ہو۔ علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک علیہ کی ضمیر ابوبکر کی طرف راجع ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کو تو پہلے ہی سے سکون اور اطمینان حاصل تھا اور بعض علماء کے نزدیک علیہ کی ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے اور ابوبکر صدیق بہ تبعیت اس میں داخل ہیں اور مصحف حفصہ میں اس طرح ہے۔ فَاَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلَیۡھِمَا علیہ کے بجائے علیھما بضمیر تثنیہ وارد ہوا ہے۔

(۹) وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡھَا

اور قوت دی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے لشکروں سے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے غار ثور پر فرشتوں کا پہرہ لگا دیا جس کی وجہ سے مشرکین کے دلوں پر ایسا رعب چھایا کہ غار کے اندر جھانکنے کی ہمت نہ ہوئی جیسے اصحاب کہف کے غار پر من جانب اللہ ایک خاص رعب ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص اس غار کے اندر جھانک کر نہیں دیکھ سکتا کما قال تعالیٰ لَوِاطَّلَعۡتَ عَلَیۡھِمۡ لَوَلَّیۡتَ مِنۡھُمۡ فِرَارًا وَّلَمُلِئۡتَ مِنۡھُمۡ رُعۡبًا۔

چنانچہ معجم طبرانی میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب قریش آپ کو تلاش کرتے کرتے غار تک پہنچے تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص جو بالکل غار کے سامنے کھڑا ہے ہم کو ضرور دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ فرشتے ہم کو اپنے پروں سے چھپائے ہوئے ہیں اتنے میں وہ شخص غار کے سامنے بیٹھ پیشاب کرنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر سے فرمایا اگر یہ شخص ہم کو دیکھتا

[1] روح المعانی ج:۱۰ ص:۲۷۔

ہوتا تو ہمارے سامنے بیٹھ کر پیشاب نہ کرتا اور اسی طرح مسند ابی یعلی میں حضرت عائشہ نے حضرۃ ابوبکر سے روایت کیا ہے۔

بعض علماء نے وایدہٗ کی ضمیر بھی ابوبکر کی طرف راجع کی ہے جس کی تائید انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ کہا۔

یا ابابکران اللہ انزل سکینتہٗ علیک وایدک الخ [۲] — اے ابو بکر اللہ نے تجھ پر اپنی سکینت اور طمانیت نازل کی اور تجھ کو قوت اور مدد پہنچائی۔

(۱۰) وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

اور اللہ نے کافروں کی بات کو نیچا کیا اور ان کی تدبیر کو ناکام کیا کہ غار کے کنارہ سے دشمنوں کو بے نیل مرام واپس کیا اور تائید غیبی سے آپ کی حفاظت فرمائی۔ فرشتوں کا پہرہ غار پر مقرر کر دیا اور ایک مکڑی کے جالے کو جسے اَوْھَنُ البیوت بتلایا ہے۔ اس کو آہنی قلعہ سے بڑھ کر حفاظتی ذریعہ بنا دیا اور اللہ کی بات ہمیشہ اونچی اور بلند رہتی ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کو مع اس کے یار غار کے صحیح وسالم مدینہ منورہ پہنچا دیا اور راستہ میں جو سراقہ گرفتاری کے ارادہ سے ملا وہ خود ہی آپ کے دام اطاعت کا اسیر اور گرفتار بلکہ ہمیشہ کے لیے غلام بن گیا اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے اس کی قدرت اور حکمت سب پر غالب رہتی ہے اور یہ سب کچھ اس کی تائید غیبی اور معیّت اور نزول ملائکہ کا جو سکینت لے کر آئے تھے اوس کا اثر تھا۔

اور اہل فہم پر یہ مخفی نہیں کہ جس یار غار اور محب جان نثار کو پیغمبر خدا کی رفاقت میں اللہ تعالیٰ شانہ کی معیت اور سکینت اور طمانینت اور تائید ملائکہ سے حصّہ ملا ہو اس کا منافق اور مرتد ہونا ناممکن اور محال ہے۔

---

[۱] روح المعانی، ج:۱۰، ص:۸۸ [۲] ایضاً۔

پس جب خدا نے سفر ہجرت میں بلا سبب ظاہری کے اپنے نبی کی حفاظت کی اور دوسرے موقعوں پر بھی اپنے نبی کی حفاظت کر سکتا ہے کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ خدا اپنے نبی اور نبی کے یار غار کی حفاظت کے لیے کسی کی نصرت واعانت کا محتاج ہے۔

منت منہ کی خدمت سلطان ہمی کنی　　منت شناس از وکہ بخدمت بداشتت

خلاصۂ کلام

یہ کہ حق تعالیٰ نے ان آیات میں سفر ہجرت میں ابوبکر کی مرافقت کا قصہ جس شان سے بیان کیا وہ اُن کی فضیلت اور ان کی جان نثاری کی سند اور شہادت ہے جس کا متعصب دشمنوں نے بھی اقرار کیا ہے چنانچہ حملۂ حیدری کے چند اشعار ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

چنین گفت راوی کہ سالار دین　　چو سالم بحفظ جہاں آفرین
زنزدیک آں قوم پر مکر رفت　　بسوئے سرائے ابوبکر رفت
پئے ہجرت او نیز آمادہ بود　　کہ سابق رسولش خبر دادہ بود
نبی بردرِ خانہ اش چوں رسید　　بگوشش ندائے سفر درکشید
چو بوبکر زاں حال آگاہ شد　　زخانہ بروں رفت وہمراہ شد
گرفتند پس راہ یثرب بہ پیش　　نبی کند نعلین از پائے خویش
بسر پنجہ آں راہ رفتن گرفت　　پئے خود ز دشمن نہفتن گرفت
چو رفتند چندے ز دامان دشت　　قدوم فلک سائے مجروح گشت
ابوبکر آنگہ بدوشش گرفت　　ولے زیں حدیث است جائے شگفت
کہ درکس چنان قوت آید پدید　　کہ بار نبوت تواند کشید
برفتند القصہ چندے دگر　　چو گر دید پیدا نشانِ سحر
بجستند جائیکہ باشد پناہ　　زچشم کسان دریکسو زراہ

بدید ندغارے دراں تیرہ شب	کہ خواندے عرب غارثورش لقب
گرفتند درجوف آن غارجائے	ولے پیش بنہادبوبکر پائے
بہرجاکہ سوراخ یا رخنہ دید	قبارا بدرید وآن رخنہ چید
بدینگونہ تاشد تمام آں قبا	یکے رخنہ نگرفتہ مانداز قضا
بران رخنہ گویندآں یارغار	کف پائے خودرانمود استوار
نیامد جزاوایں شرف ازکسے	کہ دوراز خردمی نماید بسے
بغاراندروں درشب تیرہ فام	چسان [1] دید سوراخہارا تمام
دراں تیرہ شب یک بیک چون شمرد	یکے کامدافزوں بروپا فشرد
نیایدچنین کا رے ازغیراد	بدینسان چوپر داخت ازرفت درو

درآمد رسول خدا ہم بغار
نشستند یک جابہم ہردو یار

اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر پرخطر میں ابوبکرؓ کو اپنے ہمراہ لیا اوّلاً خود ابوبکر صدیق کے گھر گئے اور وہاں سے دونوں ساتھ روانہ ہوئے اور ابوبکر نے پیغمبر خدا کو اپنے دوش پر چڑھایا اور اول خود غار میں اترے اور اس کو صاف کیا اور اپنے قباء کو چاک کر کے اس کے سوراخوں کو بند کیا اور ایک سوراخ جو باقی رہ گیا تھا اُس کو اپنے کف پا سے بند کیا۔ یہ تمام امور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدق اور اخلاص اور عشق اور محبت کے دلائل اور براہین ہیں نہ کہ نفاق اور عداوت کے اگر حضرات شیعہ کے نزدیک یہ نفاق کی نشانیاں ہیں تو معلوم نہیں کہ پھر عشق اور محبت کی کیا علامتیں ہیں پھر یہ کہ تین دن آپ غار میں رہے اور کھانا ابوبکر صدیق کے گھر سے آتا رہا۔ پھر تیسرے دن ابوبکر صدیق کے بیٹے دو اونٹنیاں لیکر غار پر حاضر ہوئے ایک پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے

[1] شاعر کا یہ اعتراض کہ اندھیری رات میں تمام سوراخوں کو آنکھ سے کیسے دیکھا۔ صحیح نہیں سوراخ کو آنکھ سے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہاتھ سے ٹٹول کر بھی سوراخ معلوم ہو سکتا ہے

اور اپنے ساتھ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سوار کیا اور دوسری اونٹنی پر عامر شتربان سوار ہوا جو ابوبکر صدیق کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس شان سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے چنانچہ صاحب حملۂ حیدری نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

بغار اندروں تاسہ روز وسہ شب — بسر برد آن شہ بفرمان رب
شدے پور بوبکر ہنگام شام — رساندے درآں غار آب وطعام
نمودے ہم ازحال اصحاب شر — حبیب خدائے جہاں راخبر
کہ ہستند درجستجو آں گروہ — شب وروز درشہر وصحرا وکوہ
دگرراعیے بود عامر بنام — کہ کردے شبانی بہ بیت الحرام
کہ اونیز اسلام آوردہ بود — زابریق توفیق می خوردہ بود
شدے شب بہ نزد بشیر ونذیر — ببردے برش ہدیہ جامے زشیر
جزیشان دگراز صدیق وعدو — نبد ہیچکس واقف ازرازاو
نبی گفت پس پوربوبکر را — کہ اے چوں پدراہل صدق وصفا
دوجمازہ بایدکنون راہ وار — کہ مارا رساند بہ یثرب دیار
برفت ازبرش پور بوبکر زود — بدنباں کارے کہ فرمودہ بود
بگفتش فلاں روزوقت سحر — دو جمازہ بہر پیمبر ببر
ازوجملہ دارایں سخن چوں شنود — دو جمازہ دردم مہیّا نمود
تہی شدازان قوم آن کوہ ودشت — رسول خدا عازِم راہ گشت
بصبح چہارم برآمد زغار — دوجمازہ آوردہ بدجملہ دار
نشست ازبریک شترشاہ دین — ابو بکر راکردہ باخود قرین
برآمد برآن دیگرے حملہ دار — بہمراہ اوگشت عامر سوار

رجوع بقصّہ غار

تین روز تک آپ اسی غار میں چُھپے رہے عبداللہ بن ابی بکر[۱] تمام دن مکہ میں رہتے اور مشرکین کی خبریں معلوم کرتے اور شب کو آکر تمام حالات سے آگاہ کرتے اور سویرے ہی وہاں سے نکل جاتے اور عامر بن فہیرہ[۲] (ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام) عشاء کے بعد جب اندھیرا ہو جاتا تو بکریاں لے کر وہاں حاضر ہو جاتے تا کہ بقدر حاجت دودھ پی لیں۔ اس طرح تین راتیں غار کے اندر گزاریں۔ تین روز کے بعد عبداللہ بن اریقط دوئلی[۳] (جو رہبری کے لیے اجرت پر مقرر کیا گیا تھا) حسب وعدہ صبح کے وقت دو اونٹنیاں لے کر غار پر حاضر ہوا۔ متعارف اور مشہور راستہ چھوڑ کر غیر معروف راستہ سے ساحل کی طرف سے آپ کو لے کر چلا۔ (بخاری شریف باب الہجرۃ)

ایک اونٹنی پر نبی کریم ﷺ سوار ہوئے اور دوسری پر ابوبکر سوار ہوئے اور اپنے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ کو خدمت کے لیے ساتھ لیا اور اپنے پیچھے بٹھالیا۔ اور عبداللہ بن اریقط[۴] اپنے اونٹ پر بیٹھ کر راستہ دکھلانے کے لیے آگے آگے چلا۔[۵]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ایک اونٹنی پر آں حضرت ﷺ سوار ہوئے اور اپنے پیچھے ابوبکر کو سوار کیا اور دوسری اونٹنی پر عبداللہ بن ابی بکر اور عامر بن فہیرہ سوار ہوئے[۶] مگر صحیح پہلا ہی قول ہے اس لیے کہ حافظ عسقلانی نے فتح الباری[۷] میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ اس

---

[۱] عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیق اکبر کے فرزند ارجمند تھے مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ اپنے باپ کے زمانہ خلافت میں اپنے باپ سے پہلے وفات پائی۔ اصابہ ص ۲۸۳ ج ۲

[۲] عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں طفیل بن عبداللہ کے غلام تھے جو ان کو سخت تکلیفیں دیتا تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عامر کو طفیل سے خرید کر آزاد کیا۔ غزوۂ بدر اور احد میں شریک ہُوئے اور غزوۂ بیر معونہ میں شہید ہوئے اور ان کی لاش آسمان پر اٹھائی گئی اور پھر زمین پر رکھ دی گئی (اصابہ وغیرہ)

[۳] حافظ عبدالغنی مقدسی اور علامہ سہیلی اور علامہ نووی فرماتے ہیں کہ ہم کو کسی سند صحیح سے عبداللہ بن اریقط کا اسلام معلوم نہیں ہوا اور یہی صحیح ہے البتہ واقدی نے ان کا مسلمان ہونا بیان کیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم زرقانی ص ۳۳۹ ج ا و اصابہ ص ۲۷۴ ج ۲

[۴] زرقانی ج: ا، ص: ۳۴۰

[۵] مدارج النبوت ج: ص: ۸۵

[۶] مدارج النبوت ج: ۲، ص: ۵۸

[۷] قولہ (ای البخاری) فاتاھما براحلتیھما صبح ثلاث۔ زاد مسلم بن عقبۃ عن ابن شہاب حتی اذا ھدأت عنھما الاصوات جاء صاحبھما ببعیر یھما بھما فانطلقا معھما بعامر بن فھیرۃ یخدمھما یعینھما یردفہ ابوبکر ویعقبہ لیس معھما غیرہ۔ فتح الباری ص ۱۸۶ ج ۷ باب الہجرۃ اور دیکھو زرقانی ص ۳۴۰ ج ا

سفر میں نبی کریم ﷺ اور ابوبکر کے ساتھ سوائے عامر بن فہیرہ کے کوئی اور رفیق طریق نہ تھا اور تیسرے اونٹ پر عبداللہ ابن اریقط سوار ہُوا اور عام شاہراہ کو چھوڑ کر ایک غیر مشہور راستہ اختیار کیا۔

صدیق اکبر جب اسلام لائے تو اُس وقت اُن کے پاس چالیس ہزار درہم تھے خدا کی راہ میں اور غلاموں کو خرید خرید کر خدا کے لیے آزاد کرنے میں سب روپیہ خرچ ہو چکا تھا۔ جس میں سے صرف پانچ ہزار باقی تھا وہ ہجرت کے وقت اپنے ساتھ لے لیا۔ مدینہ منورہ آ کر مسجد نبوی کے لیے زمین خریدی وغیرہ وغیرہ سب ختم ہوگیا۔ عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ابوبکر جب مرے ہیں تو ایک دینار اور ایک درہم بھی باقی نہیں چھوڑا۔

عبداللہ بن اریقط آں حضرت ﷺ اور ابوبکر کو ہمراہ لیے ہوئے اسفل مکہ سے نکل کر ساحل کی طرف جھکا اور اسفل عسفان سے گذرتا ہوا منزل بمنزل ہوتا ہُوا قباء میں داخل ہوا

(فائدہ): آں حضرت ﷺ جب اپنے گھر سے نکل کر ابوبکر کے گھر تشریف لے گئے اور ان کو اپنے ہمراہ لے کر غار ثور میں جا چھپے تو کفار نے آ کر آپ کے مکان کا محاصرہ کیا جب وہاں آپ کو نہ پایا تو آپ کی تلاش میں مشغول ہو گئے اور ہر طرف آدمی دوڑائے اور تلاش کرتے ہوئے غار ثور کے منہ پر پہنچ گئے مگر خدا نے تار عنکبوت سے وہ کام لیا کہ جو صد ہا زرہ آہنی سے بھی نہیں چل سکتا تین روز تک آپ غار میں چھپے رہے اور کفار تین دن تک تلاش میں لگے رہے۔ جب کفار نا امید ہو گئے اور تھک کر بیٹھ گئے اور باوجود اس اشتہار اور اعلان کے کہ جو شخص آں حضرت ﷺ یا ابوبکر کو پکڑ کر لائے گا، اُس کو سو اونٹ انعام ملے گا پھر بھی کوئی کامیابی نہ ہوئی تو تلاش سست پڑ گئی اسوقت آں حضرت ﷺ اور ابوبکر غار سے نکل کر براہ ساحل مدینہ منورہ روانہ ہوئے[1] لوگ ابوبکر سے خوب واقف

---

[1] حافظ ابن کثیر کہتے ہیں وقد لجاالی الغارفاقا مافیه ثلاثة ایام لیسکن الطلب عنهما۔ وذلك لان المشرکین حین فقد وهما کما تقدم ذهبوا فی طلبهما کل مذهب من سائر الجهات وجعلوالمن ردهما او احد هما مائة من الابل واقتصوا آثارهما حتی اختلط علیهم وکان الذی یقتص الاثر لقریش سراقة بن مالك بن جعشم کما تقدم۔ البدایة والنهایة ص ۱۸۲ ج ۳ اور سیرۃ ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں حتی اذامضت الثلاث وسکن عنهما الناس اتاهما صاحبهما استاجراه ببعیرهما وبعیرله سیرة ابن هشام ص ۱۷۲ ج ۱ اور ابن شہاب کی روایت میں یہ لفظ ہیں: حتی اذاهدأت عنهما الاصوات جاء صاحبهما ببعیریهما فانطلقا معهما بعامر بن فهیرة یخدمهما ویعینهما یردفه ابوبکر ویعقبه لیس معهما غیره۔ فتح الباری ص ۱۸٦ ج ۷

تھے رسول اللہ ﷺ سے اچھی طرح واقف نہ تھے۔ راستہ میں جو شخص ملتا وہ ابوبکرؓ سے آپ کی بابت دریافت کرتا کہ یہ کون ہیں جو تمہارے سامنے بیٹھے ہیں ابوبکر فرماتے ہیں ہذا الرجل یہدینی السبیل یعنی یہ شخص مجھ کو راستہ بتلاتا ہے اور مراد یہ لیتے کہ آخرت اور خیر کا راستہ بتلاتے ہیں (بخاری شریف ص ۵۵۶ ج ۱)

تاریخ روانگی

بیعت عقبہ کے تقریباً تین ماہ بعد یکم ربیع الاوّل کو آپ مکہ سے روانہ ہوئے حاکم فرماتے ہیں کہ احادیث متواتر سے یہ ثابت ہے کہ آپ دوشنبہ کے روز مکہ سے نکلے اور دو شنبہ ہی کو مدینہ منورہ پہنچ گئے لیکن محمد بن موسیٰ خوارزمی فرماتے ہیں کہ آپ مکہ سے پنجشنبہ کو نکلے حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ مکہ سے آپ بروز پنجشنبہ نکلے۔ تین روز غار میں رہے دوشنبہ کو غار سے نکل کر مدینہ روانہ ہوئے۔[1]

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کی روانگی کے بعد کچھ لوگ میرے باپ کے گھر پر آئے جن میں ابوجہل بھی تھا پوچھا این ابوک تیرا باپ (ابوبکر) کہاں ہے میں نے کہا واللہ مجھ کو معلوم نہیں۔ ابوجہل نے اس زور سے میرے طمانچہ مارا جس سے کان کی بالی گر پڑی۔[2]

قصہ ام معبد رضی اللہ عنہا

غار سے نکل کر آپ نے مدینہ منورہ کا راستہ لیا۔ راستہ میں ام معبد کے خیمہ پر گذر ہوا۔ ام معبد ایک نہایت شریف اور مہمان نواز خاتون تھیں۔ خیمہ کے دالان میں بیٹھی رہتی تھیں۔ قافلۂ نبوی کے لوگوں نے ام معبد سے گوشت اور کھجور خریدنے کی غرض سے کچھ دریافت کیا مگر کچھ نہ پایا رسول اللہ ﷺ کی نظر جو خیمہ پر پڑی تو خیمہ کی ایک جانب میں

---

[1] زرقانی ج:۱ص:۳۲۵ [2] سیرۃ ابن ہشام ج۱ص:۱۷۲

ایک بکری دیکھی۔ دریافت فرمایا یہ کیسی بکری ہے ام معبد نے کہا یہ بکری لاغر اور دبلی ہونے کی وجہ سے بکریوں کے گلہ کے ساتھ جنگل نہیں جاسکی۔ آپ نے فرمایا اس میں کچھ دودھ ہے۔ ام معبد نے کہا اس میں کہاں سے دودھ آیا۔ آپ نے فرمایا کیا مجھ کو اس کا دودھ دوہنے کی اجازت ہے۔ ام معبد نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اگر اس میں دودھ ہوتو آپ ضرور دودھ لیں۔ آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر اس کے تھن پر دستِ مبارک رکھا۔ تھن دودھ سے بھر گئے اور آپ نے دُودھ دُوھنا شروع کیا۔ ایک بڑا برتن جس سے آٹھ دس آدمی سیراب ہوجائیں۔ دودھ سے بھر گیا۔ اوّل آپ نے ام معبد کو دُودھ پلایا۔ یہاں تک کہ ام معبد سیراب ہوگئیں۔ بعدازاں آپ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا اور اخیر میں آپ ﷺ نے پیا۔ اس کے بعد آپ نے پھر دودھ دوہا یہاں تک کہ وہ بڑا برتن بھر گیا آپ نے وہ برتن ام معبد کو عطا کیا اور ام معبد کو بیعت کر کے روانہ ہوئے جب شام ہوئی اور ام معبد کے شوہر ابومعبد بکریاں چرا کر جنگل سے واپس آئے دیکھا کہ ایک بڑا برتن دُودھ سے بھرا رکھا ہے بہت تعجب سے دریافت کیا اے ام معبد یہ دودھ کہاں سے آیا اس بکری میں تو کہیں دُودھ کا نام نہیں تھا۔ ام معبد نے کہا کہ آج یہاں سے ایک مردمبارک گذرا خدا کی قسم یہ سب اسی کی برکت ہے، اور تمام واقعہ بیان کیا۔ ابومعید نے کہا ذرا ان کا کچھ حال تو بیان کرو۔ ام معبد نے آپ ﷺ حلیۂ مبارک اور خداداد عظمت وجلال ہیبت ووقار کا نقشہ کھینچ دیا جو بالتفصیل مستدرک میں مذکور ہے۔

ابومعبد نے کہا میں سمجھ گیا واللہ یہ وہی قریش والے آدمی ہیں۔ میں بھی ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ ادھر تو یہ واقعہ پیش آیا اور ادھر ہاتف غیبی نے مکہ میں یہ اشعار پڑھے آواز تو سُنائی دیتی تھی مگر اشعار کا پڑھنے والا نظر نہیں آتا تھا وہ اشعار یہ ہیں۔

جَزَی اللّٰہُ رَبُّ النَّاسِ خَیْرَ جَزَآئِہٖ رَفِیْقَیْنِ حَلَّا خَیْمَتَیْ اُمِّ مَعْبَدٖ

اللہ تعالیٰ ان دونوں رفیقوں کو جزائے خیر دے جو ام معبد کے خیمہ میں اترے۔

هُمَا[۱] اِنۡزَلَاهَا بِالۡهُدٰى فَاهۡتَدَتۡ بِهٖ فَقَدۡ فَازَمَنۡ اَمۡسٰى رَفِيۡقَ مُحَمَّد

دونوں ہدایت کو لے کر اترے پس ام معبد نے ہدایت قبول کی اور مراد کو پہنچا جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سفر میں رفیق رہا یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ۔

لِيَهۡنِ اَبَا بكر سَعَادَةُ جَدِّهٖ بِصُحۡبَتِهٖ مَنۡ يُسۡعِدِ اللّٰهُ يَسۡعَدٖ

ابوبکر کو آپ کی صحبت اور رفاقت کی وجہ سے جو سعادت اور خوش نصیبی حاصل ہوئی وہ ابوبکر کو مبارک ہو اور جس کو خدا خوش نصیب کرے وہ ضرور خوش نصیب ہوگا۔

لِيَهۡنِ بنی كعب مقام فتاتهم ومقعدها للمومنين بمرصد

مبارک ہو بنی کعب کو ان کی عورت کا مقام اور اہل ایمان کے لیے اُس کے ٹھکانہ کا کام آنا

سَلُوا اُخۡتَكُم عَنۡ شَاتِها وَاِنَائِهَا فَاِنَّكُمۡ اِنۡ تَسۡأَلوا الشاة تَشۡهَدٖ

تم اپنی بہن سے اسکی بکری اور برتن کا حال تو دریافت کرو اگر تم بکری سے بھی دریافت کرو گے تو بکری بھی گواہی دیگی۔

دعاها بشاة حائل فتحلبت عليه صريحا ضرة الشاة مزبدٖ

آپ نے اس سے ایک بکری مانگی پس اس نے اس قدر دودھ دیا کہ کف سے بھرا ہوا تھا

فَغَادَرَهَا رَهۡنًا لديها لحالب يرددها فی مصدر ثم مَوۡرد

پھر وہ بکری آپ اسی کے پاس چھوڑ آئے جو ہر آنے اور جانیوالے کے لیے دودھ نچوڑتی تھی۔

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جب ہاتف کے یہ اشعار پہنچے تو حسان نے اس کے جواب میں یہ اشعار فرمائے۔

---

[۱] ابن ہشام کی روایت میں یہ مصرع اس طرح ہے۔ ہما نزلا بالبر ثم تروحا سیرۃ ابن ہشام ص ۱۷۲ ج ۱ والبدایۃ والنہایۃ ص ۱۸۹ ج ۳ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ام معبد اور ابو معبد دونوں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے۔

پھر وہ بکری آپ اسی کے پاس چھوڑ آئے جو ہر آنے اور جانیوالے کے لیے دودھ نچوڑتی تھی۔

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جب ہاتف کے یہ اشعار پہنچے تو حسان نے اس کے جواب میں یہ اشعار فرمائے۔

لَقَدْ خابَ قومٌ غابَ عَنُہُمْ نبیُّہم وَقُدِّسَ مَن یسْری الیہ ویغتدی

البتہ خائب وخاسر ہوئے وہ لوگ جن میں سے انکا پیغمبر چلا گیا یعنی قریش۔ اور پاک اور مقدس ہوگئے وہ لوگ جو صبح وشام اس نبی کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ یعنی انصار۔

تَرَحَّلَ عَنُ قَوُمٍ فَضَلَّتُ عُقُوُلُہُمُ وَحَلَّ علی قومٍ بنُوُرٍ مُجَدَّدٖ

اس نبی نے ایک قوم سے کوچ کیا ان کی عقلیں تو ضائع ہوگئیں اور ایک دوسری قوم پر خدا کا ایک نیا نور لے کر اُترے۔

ھَدَاہُمْ بہ بعدالضلالۃ رَبُّھُمْ فَاَرْشَدَھُمْ مَنْ یَتْبَعِ الحقَّ یَرْشُدٖ

خدا نے گمراہی کے بعد اس نور سے ان کی رہنمائی کی اور جو حق کا اتباع کرے گا وہ ہدایت پائے گا۔

وھل یستوی ضلال قوم تَسَفَّھُوْا عَـمًی وھداۃٌ یھتدون بمھتدٖ

اور کیا گمراہ اور ہدایت پانے والے برابر ہوسکتے ہیں۔

وقدنَزَلَتْ منہ عَلٰی اَھْلَ یثرب رکابُ ھُدیً حلت علیھم باسعدٍ[1]

اور اہل یثرب (مدینہ) پر ہدایت کا قافلہ سعادتوں اور برکتوں کو لے کر اترا ہے۔

نبیٌّ یری مالا یر الناسُ حَوْلَہٗ ویتلو کتابَ اللہ فی کُلِّ مَشْھَدٖ

---

[1] جمع سعد الیمن ضد النحس

وہ نبی ہیں ان کو وہ چیزیں نظر آتی ہیں کہ جوان کے پاس بیٹھنے والوں کو نظر نہیں آتیں اور وہ ہر مجلس میں لوگوں کے سامنے اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔

وان قَالَ فِی یومٍ مقالة غائب   فتصدیقها فی الیوم اوفی ضُحَی الْغَدِ

اور اگر وہ کوئی غیب کی خبر سناتے ہیں تو آج ہی یا کل صبح تک اس کا صدق اور اس کی سچائی ظاہر ہو جاتی ہے۔

یہ روایت متعدد صحابۂ کرام سے مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۱ ابو معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یعنی ام معبد کے شوہر) حبیش بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی ام معبد کے بھائی۔ ابوسلیط بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ہشام بن حبیش بن خالد۔ اوّل الذکر چار اصحاب کا صحابی ہونا مسلم اور متفق علیہ ہے۔ ہشام بن حبیش بن خالد کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابن حبان نے ہشام کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہشام نے حضرت عمر سے سنا ہے (اصابہ ج ۳ ص: ۶۰۳)

(۱) ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کو ابن سکن نے ذکر کیا ہے۔ (اصابۂ ترجمۂ ام معبد باب الکنی)

(۲) اور ابو معبد رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ (اصابۂ ترجمۂ ابو معبد باب الکنی) اور ابن سعد نے طبقات ص ۱۵۵ ج ۱ میں اور حاکم نے مستدرک ص ۱۱ ج ۳ میں ذکر کیا ہے۔

(۳) حبیش بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو بغوی۔ ابن شاہین۔ ابن السکن۔ طبرانی۔ ابن مندہ وغیرہم نے ذکر کیا ہے ۱

حبیش رضی اللہ عنہ کی روایت کو حافظ ابن سید الناس نے بھی عیون الاثر میں اپنی سند

۱ الاصابہ، ج:۱، ص:۳۱ تہذیب الکمال، ج:۱، ص:۳۴

کے ساتھ ذکر کیا ہے نیز حبیش بن خالد کی روایت کو حافظ مزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ تہذیب الکمال میں اپنی سند سے روایت کیا ہے[1]

(۴) ابوسلیط بدری رضی اللہ عنہ کی روایت عیون الاثر میں مذکور ہے۔

(۵) ہشام بن حبیش رضی اللہ عنہ کی روایت مستدرک میں مذکور ہے۔ حاکم اس روایت کی نسبت فرماتے ہیں (ہذا حدیث صحیح الاسناد) بعدازاں حاکم نے اس حدیث کا اور بھی مختلف طریقوں سے مروی ہونا بیان کیا ہے۔ (مستدرک ص۱۰ ج ۳) وہ طریقے گو فرداً فرداً شرط صحیح پر نہ ہوں لیکن مجموعہ مل کر مفید وثاقت وطمانیت ہوسکتا ہے۔

حافظ ابن عبدالبر استیعاب میں فرماتے ہیں کہ ام معبد کے قصہ کو اسی بسط وشرح کے ساتھ متعدد صحابہ سے ایک کثیر جماعت نے روایت کیا ہے۔

علاوہ ازیں اسی واقعہ کے قریب قریب بلکہ بعینہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کو حاکم نے اکلیل میں اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ ص۱۹۱ ج ۳ میں ابوبکر صدیق کی روایت کو نقل کر کے یہ کہا ہے کہ یہ اسناد حسن ہے فرق اتنا ہے کہ اس روایت میں ام معبد کا نام مذکور نہیں صرف ایک عورت کا واقعہ بیان کیا ہے جو بعینہ ام معبد کے ساتھ پیش آیا محمد بن اسحٰق اور امام بیہقی کا میلان اس طرف ہے کہ یہ واقعہ بعینہ ام معبد کا واقعہ ہے اور حافظ مغلطائی کا میلان اس طرف ہے کہ یہ واقعہ ام معبد کے واقعہ کے علاوہ ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم[2]

(۶) نیز یہ واقعہ قیس بن النعمان سے مختصراً مروی ہے حافظ ہیثمی فرماتے ہیں رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد[3])

فائدۂ علمیہ

انہی ابومعبد خزاعی سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مسند میں حدیث قہقہہ کی روایت کی ہے وہ یہ ہے۔

[1] (تہذیب الکمال نوادر عالم میں سے ہے اس کا قلمی نسخہ کتاب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں ہے، اسی سے میں نے استفادہ کیا۔ مؤلف) [2] البدایۃ والنہایۃ ج:۳،ص:۱۹۰۔۱۹۶ [3] زرقانی۔ ج:۱،ص:۳۴۹

ابوحنيفة عن منصور بن زاذان الواسطي عن الحسن عن معبدبن ابي معبد الخزاعي عنه صلى الله عليه وسلم قال بينما هوفي الصلوة اذاقبل اعمى يريدالصلوة فوقع في زبية فاستضحك القوم فقهقهوافلما انصرف صلى الله عليه وسلم قال من كان منكم قهقه فليعدالوضوء والصلوة (فتح القدير ص۳۵ ج۱ کتاب الطهارة۔ نواقض الوضوء)

قصہ سراقہ بن مالک

قریش نے یہ اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکر صدیق کو قتل کردے یا گرفتار کے لائے ہر ایک کے معاوضہ میں علیحدہ علیحدہ سو اونٹ انعام اس کو دیا جائے گا۔ (مستدرک ص ۶ ج ۳) سراقہ بن مالک بن جعشم راوی ہیں کہ میں اپنی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آ کر یہ بیان کیا کہ میں نے چند اشخاص کو ساحل کے راستہ سے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ میرا گمان ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے رفقاء ہیں۔

سراقہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں سمجھ لیا کہ بے شک یہ وہی ہیں لیکن اس کو یہ کہکر ٹلا دیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے رفقاء نہیں بلکہ اور لوگ ہوں گے مبادا یہ شخص یا کوئی اور سن کر قریش کا انعام نہ حاصل کرلے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد میں مجلس سے اٹھا اور باندی سے کہا کہ گھوڑے کو فلاں ٹیلے کے نیچے لے جا کر کھڑا کرے اور اپنا نیزہ لے کر گھر کی پشت کی طرف سے نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر سرپٹ دوڑاتا ہوا چلا جب سراقہ آپ کے قریب پہنچ گیا تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا اور گھبرا کر عرض کیا یا رسول اللہ اب ہم پکڑ لیے گئے۔ یہ شخص ہماری تلاش میں آرہا ہے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ تو غمگین نہ ہو تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے

اور سراقہ کے لیے[۱] بددعا فرمائی اسی وقت سراقہ کا گھوڑا گھٹنوں[۲] تک پتھریلی زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ نے عرض کیا کہ مجھے یقین ہے کہ تم دونوں کی بددعا سے ایسا ہوا ہے آپ دونوں حضرات اللہ سے میرے لیے دعا کیجیے۔ خدا کی قسم میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ جو شخص آپ کو تلاش کرتا ہوا ملے گا اس کو واپس کردوں گا۔

آپ نے دعا فرمائی اسی وقت زمین نے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ اب آپ کو ضرور غلبہ عطا فرمائے گا اور قریش نے جو آپ کے قتل یا گرفتاری کیلئے سو اونٹ کے انعام کا اشتہار دیا تھا، اُس کی میں نے آپ کو اطلاع کی اور جو زادراہ میرے ساتھ تھا وہ آپ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا۔ البتہ یہ فرمایا کہ ہمارا حال کسی پر ظاہر نہ کرنا۔

مزید احتیاط کی غرض سے میں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ایک تحریر اَمن اور معافی کی مجھ کو لکھوا دیں۔ آپ کے حکم سے عامر بن فہیرہ نے ایک چمڑے کے ٹکڑے پر معافی کی سند لکھ کر مجھ کو[۳] عطا کی اور روانہ ہوئے۔ اور میں بھی امان نامہ لیکر واپس ہوا جو شخص آپ کے تعاقب میں ملتا تھا اسی کو واپس کر دیتا تھا اور یہ کہہ دیتا کہ تمہارے جانے کی ضرورت نہیں میں دیکھ آیا ہوں (بخاری شریف ص ۵۱۰ ج ۱ و ص ۵۱۵ ج ۱ و ص ۵۵۷ ج ۱)

اسی بارے میں سراقہ نے ابوجہل کو مخاطب بنا کر یہ کہا:۔

---

[۱] بخاری کی روایت میں ہے کہ یہ بددعا کی اللّٰہم اصرعہ اے اللہ اس کو پچھاڑ دے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ فرمایا۔ اللّٰہم اکفنا بما شئت۔ اے اللہ تو ہم کو کفایت فرما۔ جس طرح تو چاہے۔ فتح الباری ص ۱۸۷ ج ۷ [۲] اور ایک روایت میں یہ ہے کہ پیٹ تک دھنس گیا۔ فتح الباری ص ۱۸۸ ج ۷ [۳] ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے سراقہ سے فرمایا۔ کیف بک اذا لبست سوار کسری۔ اے سراقہ اسوقت تیرا کیا حال ہوگا جس وقت تو کسری (شاہنشاہ عجم) کے کنگن کو پہنے گا۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب عجم فتح ہوا تو کسریٰ کا تاج اور اس کے کنگن اور دیگر زیورات۔ مسجد نبوی میں فاروق اعظم کے سامنے لاکر ڈال دیئے گئے۔ فرمایا بلاؤ سراقہ کو سراقہ حاضر کیے گئے فاروق اعظم نے سراقہ سے مخاطب ہوکر کہا ہاتھ اٹھا اور یہ کہہ اللہ اکبر الحمد للہ الذی سلبھما من کسری بن ہرمز والبسھما سراقۃ الاعرابی اللہ اکبر حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے یہ کنگن کسریٰ سے چھینے اور ایک گنوار اور دہقان سراقہ نامی کو پہنائے بعدازاں فاروق اعظم نے وہ زیورات مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے زرقانی ص ۳۴۸ ج ۱ و اصابہ ترجمہ سراقۃ بن مالک۔ واستیعاب لابن عبدالبر ص ۱۶۰ ج ۲

اباحکم واللّٰہ لوکنت شاھدا   لامرجوادی اذتسوخ قوائمه

اے ابوجہل خدا کی قسم تو اگر اس وقت حاضر ہوتا کہ جب میرے گھوڑے کے قدم زمین میں دھنس رہے تھے کہ۔

علمت ولم تشکك بان محمدا   نبی ببُرھان فَمَنْ ذایقاومه

تو تُو یقین کرتا اور ذرہ برابر تجھ کو شک نہ رہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں دلائل اور براہین کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں کون ان کا مقابلہ کرسکتا ہے[1]

فائدہ: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے مشابہ ہے جس طرح قارون موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زمین میں دھنسا اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سراقہ کا گھوڑا زمین میں دھنسا اس واقعہ کے بعد آپ بلاخوف وخطر راستہ طے کرتے رہے۔

جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو حضرت زبیر کاروان تجارت کے ساتھ شام سے واپس ہوتے ہوئے آپ کو ملے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے سفید لباس پیش کیا۔ یہ روایت بخاری کی ہے۔

ابن ابی شیبہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طلحہ نے بھی دونوں حضرات کی خدمت میں لباس پیش کیا[2]

قصّہ بریدۂ اسلمی

آگے چل کر سراقہ کی طرح بریدۂ اسلمی بھی مع ستر سواروں کے آپ کی تلاش میں نکلا تاکہ قریش سے سو اونٹ انعام حاصل کریں۔ جب آپ کے قریب پہنچے تو آپ نے سوال کیا من انت۔ تم کون ہو جواب میں کہا۔ انا بریدة میں بریدہ ہوں آپ نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ملتفت ہوکر بطور تفاؤل فرمایا۔

---

[1] فتح الباری ج:۷،ص:۱۸۹۔ روض الانف ج۲،ص:۶
[2] فتح الباری ج:۷:ص۱۸۹

یا ابابکر بردامرنا وصلح اے ابوبکر ہمارا کام ٹھنڈا اور درست ہوا۔
پھر فرمایا تو کس قبیلہ سے ہے۔ بریدہ نے کہا۔

مِنْ اَسْلَمْ میں قبیلۂ اسلم سے ہوں۔
آپ نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتفت ہو کر بطور تفاؤل فرمایا۔

سَلِمْنَا ہم سلامت رہے۔
پھر فرمایا یا قبیلہ اسلم کی کس شاخ سے ہو۔ بریدہ نے کہا۔

من بنی سھم بنی سہم سے۔
آپ نے فرمایا۔

خرج سھمُك تیرا حصہ نکل آیا۔
یعنی تجھ کو اسلام سے حصہ ملے گا۔ بریدہ نے دریافت کیا آپ کون ہیں آپ نے فرمایا۔

انامحمد بن عبداللّٰه رسول اللّٰه میں محمد بیٹا عبداللہ کا اور رسول اللہ کا۔

بریدہ نے کہا۔ اَشْھَدُاَنْ لَآاِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُه بریدہ بھی مسلمان ہوئے اور وہ ستر آدمی جو بریدہ کے ہمراہ تھے وہ بھی سب کے سب مشرف باسلام ہوئے۔ بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مدینہ میں داخل ہوتے وقت آپکے سامنے ایک جھنڈا ہونا چاہیے۔ آپ نے اپنا عمامہ اتارا اور نیزہ سے باندھ کر بریدہ کو عطا فرمایا۔ جس وقت آپ مدینہ منورہ پہنچے تو بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھنڈا لیے ہوئے آپ کے سامنے تھے (اخرجہ البیہقی فی الدلائل واخرجہ ابن عبدالبر باسنادہ فی الاستیعاب۔ ترجمۂ بریدۂ اسلمی رضی اللہ عنہ)[1]

آپ کی روانگی کی خبر بہجت اثر مدینہ منورہ پہنچ چکی تھی مدینہ کے ہر فرد و بشر شوق دیدار

---

[1] زرقانی ج:۱،ص:۳۴۹

میں مقام حرہ پر آ کر کھڑے ہو جاتے۔ دو پہر ہو جاتی تو اپنے گھروں کو واپس ہو جاتے۔ روزانہ یہی معمول تھا ایک روز انتظار کر کے واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی نے ٹیلہ پر سے آپ کو رونق افروز ہوتے دیکھا بے اختیار پکار کر یہ کہا۔

یَابَنِیْ قِیْلَه هٰذَا جَدُّ کُمْ ؎ اے بنی قیلہ ؎ یہ ہے تمہارا بخت مبارک اور خوش نصیبی کا سامان جو آپہنچا۔

نظم

اینک آن سروخرامان می رسد — اینک آن گلبرگ خندان می رسد

شاباش اے خستہ ہجر ان بلا — کزپئے دردِ تو درمان می رسد

شوق کن اے بلبل گلزار عشق — کان گل نواز گلستان می رسد

دردل افسردہ روحے می دہد — مردہ تن رامژدۂ جان می رسد

تازہ باش اے تشنۂ وادی غم — کزبرایت آب حیوان می رسد

دور شوائے ظلمت شام فراق

کآفتاب وصل تابان می رسد

اس خبر کا کانوں میں پڑنا تھا کہ انصار والہانہ وبیتابانہ آپ کے استقبال کے لیے دوڑ پڑے اور نعرۂ تکبیر سے بنی عمرو بن عوف کی تمام آبادی گونج اُٹھی۔

مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک آبادی ہے جسے قباء کہتے ہیں۔ یہاں انصار کے کچھ خاندان آباد تھے۔ سب سے زیادہ عمرو بن عوف کا خاندان ممتاز تھا اور اس خاندان کے سردار کلثوم بن ہدم تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قباء پہنچے تو آپ نے کلثوم بن ہدم کے مکان پر قیام فرمایا اور ابو بکر صدیق خبیب بن اساف کے مکان پر ٹھہرے۔ انصار ہر طرف سے جوق در جوق آتے اور جوش عقیدت میں عاشقانہ اور والہانہ سلام کے لیے حاضر ہوتے۔

؎ قیلہ انصار کے جدۂ کبری کا یعنی اوس اور خزرج کی والدہ کا نام ہے۔ زرقانی ص ۳۵۰ ج

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد تین دن مکہ میں قیام کیا اور آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چلتے وقت لوگوں کی امانتیں حضرت علی کے سپرد کر آئے تھے۔ ان امانتوں کو پہنچا کر قباء پہنچے اور کلثوم بن ہدم کے مکان پر آپ کے ساتھ قیام کیا[1]

تاسیس مسجد تقویٰ

قباء میں رونق افروز ہونے کے بعد سب سے پہلے آپ نے جو کام کیا وہ یہ کہ ایک مسجد کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ایک پتھر لا کر قبلہ رُخ رکھا آپ کے بعد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ایک پتھر رکھا۔ اس کے بعد دیگر حضرات صحابہ نے پتھر لا کر رکھنے شروع کیے اور سلسلہ تعمیر کا جاری ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ آپ بھی بھاری پتھر اٹھا کر لاتے اور بسا اوقات پتھر کو تھامنے کی غرض سے شکم مبارک سے لگا لیتے صحابۂ کرام عرض کرتے یا رسول اللہ آپ رہنے دیں ہم اٹھالیں گے تو آپ قبول نہ فرماتے۔
اسی مسجد کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ۔ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ [2]	البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی وہ مسجد اس کی پوری مستحق ہے کہ آپ اس میں جا کر کھڑے ہوں اس مسجد میں ایسے مرد ہیں کہ جو ظاہری اور باطنی طہارت اور پاکی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ایسے پاک وصاف رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے عمرو بن عوف سے دریافت فرمایا کہ وہ کون سی طہارت اور پاکی ہے جس پر اللہ نے تمہاری ثناء کی۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج:۱،ص:۱۷۴ [2] توبہ، آیۃ:۱۰۸

عمرو نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی طہارت کرتے ہیں ممکن ہے کہ خداتعالیٰ نے ہمارے اس عمل کو پسند فرمایا ہو۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں یہی وہ عمل ہے جس پر اللہ نے تمہاری ثناء کی ہے تم کو چاہیے کہ اس عمل کو لازم پکڑو اور اس کے پابند رہو۔ (روض الانف ص ۱۱۰ ج ۲۔)

صحیحین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر شنبہ کو مسجد قباء کی زیارت کو کبھی سوار اور کبھی پیادہ تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے چلے اور مسجد قباء میں جا کر ایک دوگانہ ادا کرے تو ایک عمرہ کا ثواب پائے (ابن ماجہ)

تاریخ ہجرت

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ جس روز آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت فرما کر قباء میں رونق افروز ہوئے وہ دوشنبہ کا روز تھا اور تاریخ ۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱۳ نبوی تھی اور علمائے سیر کے نزدیک آپ مکہ مکرمہ سے بروز پنجشنبہ ۲۷ صفر المظفر کو برآمد ہوئے تین شب غار ثور میں رہ کر یکم ربیع الاوّل بروز دوشنبہ دوپہر کے وقت آپ نے قباء میں نزول اجلال فرمایا۔ علامہ ابن حزم اور حافظ مغلطائی نے اسی قول کو اختیار فرمایا ہے[1]

تاریخِ اسلامی کی ابتداء

زہری فرماتے ہیں کہ اسی روز سے تاریخ اسلامی کی ابتداء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے ہوئی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ربیع الاوّل سے تاریخ لکھنے کا حکم دیا۔ اس روایت کو حاکم نے اکلیل میں ذکر کیا ہے لیکن یہ روایت معضل ہے مشہور یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تاریخ اسلامی کی ابتداء ہوئی شعبی اور محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کو لکھ کر بھیجا کہ آپ کے

[1] زرقانی ج ۱، ص: ۳۵۱

فرامین ہمارے پاس پہنچتے ہیں لیکن ان پر تاریخ نہیں ہوتی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۷ھ میں صحابہ کو تعیین تاریخ کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے مدعو کیا۔ بعض نے یہ کہا کہ تاریخ کی ابتداء بعثت نبوی سے ہونی چاہیے اور بعض نے کہا ہجرت سے اور بعض نے کہا کہ آپ کی وفات سے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تاریخ کی ابتدا ہجرت سے ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ ہجرت ہی سے حق اور باطل میں فرق قائم ہوا اور ہجرت ہی سے اسلام کی عزت اور غلبہ کی ابتداء ہوئی۔ بالاتفاق سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ قیاس کا اقتضاء تو یہ تھا کہ سنِ ہجری کی ابتداء ربیع الاوّل سے ہوتی اس لئے کہ آپ اس ماہ میں مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے لیکن بجائے ربیع الاول کے محرم سے اس لیے ابتدا کی گئی کہ آپ ہجرت کا ارادہ محرم ہی سے فرما چکے تھے۔ انصار نے عشرۂ ذی الحجہ میں آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اخیر ذی الحجہ میں انصار حج کر کے مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ آپ نے ان کی واپسی کے چند روز بعد ہی ہجرت کا ارادہ فرمایا اور حضرات صحابہ کو ہجرت کی اجازت دی۔ اس لیے سنِ ہجری کی ابتداء محرم الحرام سے کی گئی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہی مشورہ دیا کہ سنِ ہجری کی ابتداء محرم الحرام سے ہونی چاہیے۔

بعض نے کہا رمضان المبارک سے ابتداء ہونی چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا محرم الحرام ہی مناسب ہے اس لیے کہ لوگ حج سے محرم ہی میں واپس ہوتے ہیں۔ اسی پر سب کا اتفاق ہوگیا۔ (باب التاریخ فتح الباری ص ۲۰۹ ج ۷۔ تاریخ طبری ص ۲۵۲ ج ۱ زرقانی ص ۳۵۲ ج ا وعمدۃ القاری ص ۱۲۸ ج ۸) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے والفجر ولیال عشر کی تفسیر میں مروی ہے کہ الفجر سے محرم کی فجر مراد ہے جس سے سال کی ابتدا ہوتی ہے[1]

امام سرخسیر رحمہ اللہ تعالیٰ سیر کبیر کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعیّن تاریخ کے بارے میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جمع کیا تو بعض نے یہ مشورہ دیا کہ تاریخ کی ابتداء ولادت باسعادت سے ہونی چاہیے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رائے کو پسند نہ فرمایا اس لیے کہ اس میں نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہے کہ ان کی تاریخ حضرت

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج:۳، ص:۲۰۷

عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت سے ہے بعض نے یہ رائے دی کہ آپ کی وفات سے تاریخ مقرر کی جائے اس کو بھی حضرت نے ناپسند فرمایا اس لیے کہ آپ کی وفات حادثۂ کبریٰ اور مصیبۃ عظمیٰ ہے اس سے تاریخ کی ابتداء مناسب نہیں۔ بحث وتمحیص کے بعد سب کا اتفاق اس پر ہوا کہ ہجرت سے تاریخ مقرر ہونی چاہیے۔ فاروق اعظم نے اسی رائے کو پسند کیا اس لیے کہ ہجرت ہی سے حق اور باطل کا فرق واضح ہوا شعائر اسلام یعنی جمعہ اور عیدین علی الاعلان ادا کیے گئے۔ (کذافی شرح السیر الکبیر ص ۶۳ ج ۴)

قباء میں چند روز قیام فرما کر جمعہ کے روز مدینہ منورہ کا ارادہ فرمایا اور ناقہ پر سوار ہوئے راستہ میں محلہ بنی سالم پڑتا تھا وہاں پہنچ کر جمعہ کا وقت آ گیا۔ وہیں جمعہ کی نماز ادا فرمائی یہ اسلام میں آپ کا پہلا خطبہ اور پہلی نماز جمعہ تھی۔

(پہلی نماز جمعہ اور پہلا خطبہ) خطبۃُ التقویٰ

وہ خطبہ یہ ہے جس کا ہر لفظ دریائے فصاحت وبلاغت کی گہرائی میں ڈوبا ہوا ہے، اور جس کا ہر حرف امراض نفسانی کے لیے شفا اور مردہ دلوں کے لیے آب حیات ہے اور جس کا ہر کلمہ ارباب ذوق کے لیے رحیق مختوم سے کہیں زیادہ شیریں اور لذیذ ہے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰه اَحْمَدُهٗ وَاَسْتَعِيْنُهٗ وَاَسْتَغْفِرُه واستهديه واومن به ولااكفره واُعادیٰ من يكفره واشهدان لا اله الاالله وحده لاشريك له وان محمدا عبدهٗ ورسوله ارسله بالهدیٰ والنور والموعظة علی فترة مِن الرسل وقلة	الحمدللہ۔ اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے اعانت اور مغفرت اور ہدایت کا طلبگار ہوں اور اللہ پر ایمان رکھتا ہوں اس کا کفر نہیں کرتا، بلکہ اس کے کفر کرنے والوں سے عداوت اور دشمنی رکھتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں جس کو اللہ نے ہدایت اور نور حکمت اور موعظت دے کر ایسے وقت میں بھیجا کہ جب انبیاء ورسل کا

من العلم وضلالة من الناس
وانقطاع من الزمان ودنو من
الساعة وقُرب من الاجل ۔
من يطع اللّٰه و رسوله فقد
رشد ومن يعصهما فقد
غوىٰ وفرّط وضل ضلالاً
بعيداً واوصيكم بتقوى اللّٰه
فانه خيرما اوصے به المسلمُ
المسلم ان يحضّه علي
الأخرة وان يامَره بتقوى اللّٰه
فاحذروا ما حذركم اللّٰه من
نفسه ولا الافضل من ذلك
نصيحةً ولا افضل من ذلك
ذكرا وانه تقوى لمن عمل
به علي وجل مخافة من ربه
عون صدق علے ماتبتغون
من امرالأخرة ومن يصلح
الذي بينه وبين اللّٰه من امره
في السر والعلانية لاينوى
بذلك الاوجه اللّٰه يكن لهٗ
ذِكراً في عاجل امرهٖ وذخراً
فيما بعدالموت حين

سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اور زمین پر علم برائے نام
تھا اور لوگ گمراہی میں تھے اور قیامت کا قرب
تھا جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے
اس نے ہدایت پائی اور جس نے اللہ اور رسول
کی نافرمانی کی وہ بلاشبہ بے راہ ہوا اور کوتاہی کی
اور شدید گمراہی میں مبتلا ہوا اور میں تم کو اللہ کے
تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ ایک
مسلمان کی دوسرے مسلمان کو بہترین وصیت
یہ ہے کہ اس کو آخرت پر آمادہ کرے اور تقویٰ
اور پرہیز گاری کا اس کو حکم دے پس بچو اس چیز
سے کہ جس سے اللہ نے تم کو ڈرایا ہے تقویٰ
سے بڑھ کر کوئی نصیحت اور موعظت نہیں اور
بلاشبہ اللہ کا تقویٰ اور خوف خداوندی آخرت
کے بارے میں سچا معین اور مددگار ہے اور جو
شخص ظاہر و باطن میں اپنا معاملہ اللہ کے ساتھ
درست کرلے جس سے مقصود محض رضائے
خداوندی ہو اور کوئی دنیاوی غرض اور مصلحت
پیش نظر نہ ہو تو یہ ظاہر و باطن کی مخلصانہ اصلاح
دنیا میں اس کے لیے باعث عزت و شہرت
ہے اور مرنے کے بعد ذخیرۂ آخرت ہے کہ
جس وقت انسان اعمال صالحہ کا غایت درجہ
محتاج ہوگا اور خلاف تقویٰ امور کے متعلق اس

يفتقر المرأالى ماقدم وما كان من سوى ذلك يود لوان بينه وبينه امدابعيدا۔ ويحذركم الله نفسه والله رء وف بالعباد والذى صدق قوله وانجز وعدهٗ لا خلف لذلك فانه يقول عزوجل مايبدل القول لدى وما انا بظلام للعبيد فاتقوا الله فى عاجلِ امركم واٰجلهٖ فى السروالعلانية فانه من يتق الله يكفر عنهُ سيآتهٖ ويعظم له اجراً ومن يتق الله فقدفازفوزاً عظيما وان تقوى الله يوقى مقته ويُوقى عقوبته ويوقى سخطه وان تقوى الله يبيض الوجوه ويرضى الربَّ ويرفع الدرجة خذوا بحظكم۔ ولاتفرطوا فى جنب الله قدعلمكم الله كتابه ونهج لكم سبيلهٗ ليعلم الذين صدقوا وليعلم الكاذبين

دن یہ تمنا کرے گا کہ کاش میرے اور اس کے درمیان مسافت بعیدہ حائل ہوتی اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی عظمت اور جلال سے ڈراتے ہیں اور یہ ڈرانا اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر نہایت ہی مہربان ہیں اللہ اپنے قول میں سچا ہے اور وعدہ کا وفا کرنے والا ہے اس کے قول اور وعدے میں خلف نہیں مایبدل القول لدی وماانا بظلام للعبید پس دنیا اور آخرت میں ظاہر میں اور باطن میں اللہ سے ڈرو۔ تحقیق جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالےٰ اس کے گناہوں کا کفارہ فرماتے ہیں اور اجر عظیم عطا فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ سے ڈرے تحقیق وہ بلاشبہ بڑا کامیاب ہوا۔ اور تحقیق اللہ کا تقویٰ ایسی شے ہے کہ اللہ کے غضب اور اس کی عقوبت اور سزا اور ناراضی سے بچاتا ہے اور تقویٰ ہی قیامت کے دن چہروں کو روشن اور منور بنائے گا اور رضاء خداوندی اور رفع درجات کا ذریعہ اور وسیلہ ہوگا اور تقویٰ میں جسقدر حصّہ لے سکتے ہو وہ لے لو اس میں کمی نہ کرو اور اللہ کی اطاعت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعلیم کے لیے کتاب اتاری اور ہدایت کا راستہ

فاحسنوا كما احسن الله اليكم وعادوا اعداء ه۔ واجتباكم وسمّاكم المسلمين ليهلك من هلك عن بينة ويحيى من حيّ عن بينةٍ ولا قوةَ الا بالله فاكثروا ذكر الله واعملوا لما بعد الموت فانه من يصلح مابينه وبين الله يكفه الله مابينه وبين الناس ذلك بان الله يقضئ علے الناس ولا يقضون عليه ويملك من الناس ولا يملكون منه۔ الله اكبر ولا قوة الا باللهِ العظيم[1]

تمہارے لیے واضح کیا تا کہ صادق اور کاذب میں امتیاز ہو جائے۔ پس جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا اسی طرح تم حسن اور خوبی کے ساتھ اس کی اطاعت بجالاؤ اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھو اس کی راہ میں کما حقہ جہاد کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے لیے مخصوص اور منتخب کیا ہے اور تمہارا نام اور لقب ہی مسلمان رکھا ہے یعنی اپنا مطیع اور فرمانبردار رکھا۔ بس اس نام کی لاج رکھو منشاء خداوندی یہ ہے کہ جس کو ہلاک اور برباد ہونا ہے وہ قیام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی قیام حجت کے بعد بصیرت کے ساتھ زندہ ہے کوئی بچاؤ اور کوئی طاقت اور کوئی قوت بغیر اللہ کی مدد کے ممکن نہیں پس کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور آخرت کے لیے عمل کرو۔ جو شخص اپنا معاملہ خدا سے درست کر لیگا اللہ تعالیٰ لوگوں سے اس کی کفایت کر لے گا کوئی شخص اس کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ وجہ اس کی ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو لوگوں پر چلتا ہے اور لوگ اللہ پر حکم نہیں چلا سکتے اللہ ہی تمام لوگوں کا مالک ہے اور لوگ اللہ کی کسی چیز کا مالک ہے نہیں

[1] تاریخ طبری ج:۲،ص:۲۲۵۔ البدایۃ والنہایۃ۔ ج:۳،ص:۲۱۳

لہذا تم اپنا معاملہ اللہ سے درست کرلو۔
لوگوں کی فکر میں مت پڑو اور اللہ سب کی
کفایت کرے گا اللہ اکبر ولا قوۃ الا باللہ العلی
العظیم۔

نکتہ: یہ آں حضرت ﷺ کا پہلا خطبہ ہے کہ جو آپ نے ہجرت کے بعد یا تیرہ سالہ مظلومانہ زندگی کے بعد جو خطبہ دیا جارہا ہے اس میں ایک حرف بھی اپنے دشمنوں کی مذمت اور شکایت کا نہیں سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری اور آخرت کی تیاری کے کوئی لفظ لسان نبوت سے نہیں نکل رہا ہے بے شک آپ انك لعلیٰ خلق عظیم کے مصداق تھے۔صلی اللہ علیہ وسلم وبارك وترحم۔

جمعہ سے فارغ ہوکر آپ ناقہ پر سوار ہوئے اور ابوبکر کو آپ نے اپنے پیچھے بٹھایا اور مدینہ کا رُخ فرمایا اور انصار کا ایک عظیم الشان گروہ ہتھیار لگائے ہوئے آپ کے یمین ویسار آگے اور پیچھے آپ کے جلو میں چل رہا تھا[1]

ہر شخص کی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ کاش آپ میرے یہاں قیام فرمائیں ہر طرف سے یہی والہانہ اور عاشقانہ استدعاء نیاز تھی کہ یارسول اللہ یہ غریب خانہ حاضر ہے آپ ان کو دعاء دیتے اور یہ فرماتے یہ ناقہ من جانب اللہ مامور ہے جہاں اللہ کے حکم سے بیٹھ جائے گی وہیں قیام کروں گا[2]

[1] فتح الباری ج:۷،ص:۱۹۵ [2] فتح الباری: ج۷،ص:۱۹۲

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست — می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

لگام کو آپ نے بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔ کسی جانب لگام کو دستِ مبارک سے حرکت نہیں دیتے تھے جوش کا یہ عالم تھا کہ خواتین جمال نبوی کے دیکھنے کے لیے چھتوں پر چڑھی ہوئی تھیں اور یہ شعر گاتی تھیں۔

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع

چودھویں رات کے چاند نے ثنیات الوداع سے ہم پر طلوع کیا ہے۔

وجب الشکر علینا — مادعا للّٰہ داع

ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے جب تک اللہ کو کوئی پکارنے والا باقی ہے

ایھا المبعوث فینا — جئت بالامر المطاع

اے وہ مبارک ذات کہ جو ہم میں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے امور کو لے کر آئے ہو جن کی اطاعت واجب ہے۔

اور بنی النجار کی لڑکیاں یہ شعر گاتی تھیں

نحن جوارٍ من بنی النجار — یاحبذا محمد من جار

ہم لڑکیاں ہیں بنی النجار کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہی اچھے پڑوسی ہیں۔

اور فرطِ مسرت سے ہر بڑے چھوٹے کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

جاء نبی اللّٰہ ۔ جاء رسول اللّٰہ ! آئے اللہ کے نبی۔ آئے اللہ کے رسول۔

صحیح بخاری میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے اہلِ مدینہ کو کسی چیز سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے خوش ہوتے دیکھا۔ سنن ابی داؤد میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حبشیوں نے آپ کی تشریف آوری کی مسرت میں نیزہ بازی کے کرتب دکھائے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو مدینہ کا ذرہ ذرہ روشن تھا جس روز آپ نے وفات پائی اس روز ہر چیز تاریک تھی۔ آپ کو قبر شریف میں رکھ کر مٹی سے ہاتھ نہیں جھاڑنے پائے تھے کہ اپنے دلوں میں تغیر پاتے تھے (اخرجہ الترمذی فی المناقب وقال صحیح غریب وابن ماجہ فی الجنائز) غرض یہ کہ ناقۂ مبارک اسی شان سے آہستہ آہستہ چل رہی تھی اور وہ حضرات آپ کے گرد و پیش اور یمین و یسار میں تھے کہ جن کے قلوب کو حق جل وعلا نے ازل سے اپنی اور اپنے رسول کی محبت و عشق کے لیے مخصوص اور منتخب فرمایا تھا اور اپنے ماسوا کے لیے ان کے دلوں میں جزء لایتجزیٰ کی بقدر بھی کوئی گنجائش نہ چھوڑی تھی خدا کی قسم یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں بالکل حقیقت ہے اس میں استعارہ اور مجاز کا نام و نشان نہیں صحابہ کرام بلاشبہ حقیقۃً ایسے ہی تھے۔ آپ چل رہے تھے اور ان محبین و مخلصین کی نگاہیں فرش راہ بنی ہوئی تھیں جو شخص اپنی شیفتگی اور وارفتگی اور جوش عقیدت اور ولولۂ محبت میں اونٹنی کی مہار پکڑنا چاہتا تو آپ یہی فرماتے۔

دَعُوهَا فانها مَا مُورَة ‖ اس کو چھوڑ دو یہ منجانب اللہ مامور ہے۔

بالآخر ناقہ محلّہ بنی النجار (جو آپ کے ننہالی قرابت دار ہیں) میں خود بخود اس مقام پر بیٹھ گئی جہاں اس وقت مسجد نبوی کا دروازہ ہے مگر آپ ناقہ سے نہ اترے کچھ دیر کے بعد ناقہ اٹھی اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر بیٹھی اور کچھ دیر کے بعد اُٹھ کر پہلی جگہ پر آ کر بیٹھی اور اپنی گردن زمین پر ڈال دی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ سے اترے اور ابوایوب انصاری آپ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر لے گئے

مبارک منزلے کاں خانہ راماہے چنیں باشد ‖ ہمایوں کشورے کاں عرصہ راشاہے چنیں باشد[1]

[1] زرقانی ج ا، ص: ۳۵۶-۳۵۹، عیون الاثر، فتح الباری ج ۷، ص ۱۹۲

رسول اللہ ﷺ کا طبعی میلان بھی اسی طرف تھا کہ آپ بنی النجار ہی میں اتریں جو آپ کے دادا عبد المطلب کے ماموں ہیں اور اپنے نزول سے ان کو عزت اور شرف بخشیں جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حق جل شانہ نے آپ کی اس خواہش کو ایک معجزانہ طریق سے پُورا فرمایا کہ ناقہ کی لگام آپ کے دستِ مبارک سے چھڑا دی گئی کہ آپ اپنے ارادہ اور اختیار سے کسی جانب لگام کو حرکت نہ دیں اور نہ اپنی طرف سے کسی کے مکان کو نزول کے لیے مخصوص فرمائیں تاکہ آپ کے محبین اور مخلصین کے قلوب منافست اور منازعت سے بالکلیہ پاک رہیں اور سمجھ لیں کہ آپ کا بالذات کوئی قصد اور ارادہ نہیں۔ ناقہ منجانب اللہ مامور ہے جہاں خدا کا حکم ہوگا وہیں ٹھہرے گی۔ آپ خدا کے اشارہ کے منتظر ہیں اس طرح سے حق جل شانہ نے آپ کی خواہش کو بھی پُورا فرمایا اور صحابہ کرام کے حق میں اس شان سے نزول کو ایک معجزہ اور نشانی بنایا کہ جس کی برکت سے سب کے قلوب تنافس اور تنازع تحاسد اور تنافر سے بھی پاک رہے اور سب نے خوب سمجھ لیا کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کی تخصیص آپ کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ [۱]

علاوہ ازیں جب تُبّع شاہِ یمن کا مدینہ منورہ کی سرزمین پر گذر ہُوا تو چار سو علماء تورات اس کے ہمراہ تھے سب علماء نے بادشاہ سے یہ استدعاء کی کہ ہم کو اس سرزمین پر رہ جانے کی اجازت دی جائے بادشاہ نے اس کا سبب دریافت کیا علما نے یہ کہا کہ ہم انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے صحیفوں میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اخیر زمانہ میں ایک نبی پیدا ہوں گے مُحَمَّدٌ ان کا نام ہوگا اور یہ سرزمین ان کا دار الہجرت ہوگی۔ بادشاہ نے وہاں سب کو قیام کی اجازت دی اور ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ مکان تیار کرایا اور سب کے نکاح کرائے اور ہر ایک کو مال عظیم دیا اور ایک مکان خاص نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے لیے تیار کرایا

---

[۱] زاد المعاد ج ۲ ص ۵۵۰

کہ جب نبی آخرالزمان یہاں ہجرت فرما کر آئیں تو اس مکان میں قیام فرمائیں اور آپ کے نام ایک خط لکھا جس میں اپنے اسلام اور اشتیاق دیدار کو ظاہر کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

شَہِدْتُ عَلٰی اَحْمَدَ اَنَّہٗ رَسُوْلٌ مِنَ اللّٰہِ بَارِی النَّسَمْ

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مجتبیٰ احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول برحق ہیں۔

وَجَاھَدْتُ بالسیف أعدآءہٗ وَفَرَّجْتُ عَنْ صَدْرہ کُل غَمْ

اوران کے دشمنوں سے جہاد کروں گا اوران کے دل سے ہر غم کو دور کروں گا۔

اور تبّع نے اس خط پر ایک مہر بھی لگائی اور ایک عالم کے سپرد کیا کہ اگر تم اُس نبی آخرالزمان کا زمانہ پاؤ تو میرا یہ عریضہ پیش کر دینا ورنہ اپنی اولاد کو یہ خط سپرد کر کے یہی وصیت کر دینا جو میں تم کو کر رہا ہوں۔

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی عالم کی اولاد میں سے ہیں اور یہ مکان بھی وہی مکان تھا جس کو تبع شاہ یمن نے فقط اسی غرض سے تعمیر کرایا تھا کہ جب نبی آخرالزمان ہجرت کر کے آئیں تو اس مکان میں اتریں اور بقیہ انصار ان چار سو علماء کی اولاد سے ہیں۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے اُونٹنی اُسی مکان کے دروازہ پر جا کر ٹھہری کہ جو تبّع نے پہلے ہی سے آپ کی نیت سے تیار کرایا تھا۔ شیخ زین الدین مراغیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر نہیں اُترے بلکہ اپنے مکان پر اترے تو بیجا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ مکان تو اصل میں آپ ہی کے لیے تیار کرایا گیا تھا۔ ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قیام تو اس مکان میں محض آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں تھا۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کی تشریف آوری کے بعد ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ عریضہ جس میں وہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔ تبع کی طرف سے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم[1]

ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے اصرار کیا کہ آپ بالاخانہ میں رونق افروز

---

[1] روض الانف ج:۱،ص:۲۴

ہوں اور ہم نیچے کے مکان میں رہیں۔ آپ نے اس خیال سے کہ ہر وقت آپ کی خدمت میں لوگوں کی آمد و رفت رہے گی۔ اب اگر ابوایوب نیچے کے مکان میں رہیں تو ان کے اہل خانہ کو اس آمد و رفت سے تکلیف ہوگی۔ اس لیے بالا خانہ کے قیام کو منظور نہیں فرمایا۔ نیچے ہی مکان کو قیام کے لئے پسند فرمایا اور ہم بالا خانہ پر رہنے لگے ایک مرتبہ پر یہ اتفاق پیش آیا کہ پانی کا برتن ٹوٹ گیا ہم نے گھبرا کر اس کے جذب کرنے کیلئے اپنا لحاف اس پر ڈال دیا کہ نیچے کے مکان میں نہ پہونچے میں اور ام ایوب دونوں جلد جلد اس پانی کو لحاف سے جذب کرتے جاتے تھے اور ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی کپڑا نہ تھا اور ہم روزانہ آپ کے لیے کھانا تیار کر کے بھیجا کرتے۔ جو بچ رہتا آپ واپس فرما دیتے جہاں رسول اللہ ﷺ کا انگلیوں کا نشان دیکھتے وہیں سے میں اور ام ایوب تبرّ کاً انگلیاں ڈال کر کھاتے۔

ایک روز ہم نے کھانے میں لہسن اور پیاز شامل کر دیا آپ نے کھانا واپس فرما دیا دیکھا تو اس میں انگشتان مبارک کے نشان نہ تھے۔ گھبرا کر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے کھانا واپس فرما دیا جس میں آپ کی انگلیوں کے نشان نہیں ہیں۔ میں اور امّ ایوب تو برکت حاصل کرنے کے لیے قصداً اسی جگہ سے کھایا کرتے تھے جہاں آپ کی انگشتان مبارک کا نشان ہوتا تھا۔

آپ نے ارشاد فرمایا میں نے اس کھانے میں لہسن اور پیاز کی بو محسوس کی۔ تم کھاؤ میں چونکہ فرشتوں سے ہم کلام ہوتا ہوں اس لیے میں اس کے کھانے سے احتراز کرتا ہوں ابوایوب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے کبھی آپ کے کھانے میں لہسن اور پیاز شامل نہیں کیا[1]

علماء یہود کی خدمت نبوی میں حاضری

آں حضرت ﷺ جب مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو علماء یہود خاص طور پر آں

[1] سیرۃ ابن ہشام۔ ج:۱، ص:۱۷۶

حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے امتحاناً مختلف قسم کے سوالات کیے اس لیے کہ علماء یہود کو انبیاء سابقین کی بشارتوں سے نبی آخر الزمان کے ظہور کا بخوبی علم تھا اور وہ یہ جانتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جس نبی کے ظہور کی بشارت دی وہ عنقریب سرزمین بطحاء سے مبعوث ہونے والا ہے اور وہ آپ کی بعثت کے منتظر تھے چنانچہ ہجرت کے بیان میں گذر چکا ہے کہ پہلی بار حضور پُر نور نے انصار کے سامنے اسلام پیش کیا تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ یہ وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کے ظہور کا یہود تذکرہ کیا کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس سعادت اور فضیلت میں ہم سے سبقت لے جائیں۔ دیکھو۔ فتح الباری باب وفود الانصار الی النبی ﷺ بمکۃ وبیعۃ العقبۃ اور دیکھو۔ البدایۃ والنہایۃ ص ۱۴۸ ج ۳۔

معلوم ہوا کہ یہود کو اس کا علم تھا کہ جس نبی کے ظہور کی موسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے اس کی بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ اس لیے یہود خاص طور پر آپ سے ملنے کے لیے آئے قسمت نے جس کی پیشانی اقبال پر حرف سعادت لکھ دیا تھا وہ آپ کو دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ وہی نبی برحق ہیں جن کی انبیاء سابقین نے بشارت دی ہے اور بلا تردّد اور بلا توقف ایمان لے آیا اور جس کی قسمت میں محرومی لکھی تھی وہ محروم رہا۔

(۱) ابن عائذ بطریق عروہ بن زبیر راوی ہیں کہ علماء یہود میں سب سے پہلے آپ کی خدمت میں یاسر بن اخطب یعنی حیی بن اخطب یہودی کا بھائی حاضر ہوا اور آپ کا کلام سنا جب واپس آ گیا تو اپنی قوم سے یہ کہا۔

اطیعُونی فانّ ھذا النبی الذی کنا ننتظر۔	میرا کہنا مانو۔ تحقیق یہ وہی نبی ہے جس کے ہم منتظر تھے وہ آ گئے ہیں۔ (لہذا ان پر ایمان لاؤ۔)

لیکن اس کے بھائی حیی بن اخطب نے اُس کی مخالفت کی اور قوم میں بڑا اور

سردار جیی مانا جاتا تھا قوم اسی کی اطاعت کرتی تھی۔ اس پر شیطان غالب آیا اور حق کے قبول سے اس کو روکا۔ قوم نے اسی کی اطاعت کی اور اسی کا کہنا مانا اور ابو یاسر کا کہنا نہ سُنا[۱]

(۲) سعید بن مسیّب۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور پُر نور جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو بیت المدارس (یہودیوں کے مدرسہ کا نام ہے) میں علماء یہود جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ اس شخص (اشارہ بسوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر سوالات کرنے چاہئیں[۲]

(۳) بیہقی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسے وقت پہونچا کہ آپ سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے اس نے پوچھا اے محمدؐ یہ سورۃ آپ کو کس نے تعلیم دی ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تعلیم دی ہے اس کو بہت تعجب ہوا اور وہ یہودی عالم فوراً یہود کی طرف واپس گیا اور جا کر یہ کہا کہ محمدؐ۔ قرآن پڑھتے ہیں وہ ایسی ہی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ جیسے تورات موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور یہود کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں آیا۔ ان لوگوں نے آپ کی صورت اور صفت کو دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی آمد کی توریت میں خبر دی گئی ہے اور آپ کے دوشانوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا اور آپ جو سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے اس کو خوب غور سے سُنا سُن کر حیران رہ گئے اور سب اسلام لے آئے۔[۳]

(۴) ابن اسحاق اور بیہقی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صوریا (ایک یہودی عالم) سے یہ کہا کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ سچ سچ یہ بیان کرے کہ کیا توریت میں شادی شدہ زنا کرنے والے کے لیے رجم کا حکم ہے۔ ابن صوریا نے کہا۔

اللّٰھم نعم اما واللّٰہ یا	اے اللہ بے شک توریت میں ایسا ہی حکم ہے
اباالقاسم انھم لیعرفون	اور اے ابو القاسم واللہ اہل کتاب اس امر کو
انک نبی مرسل ولکنھم	خوب جانتے اور پہچانتے ہیں کہ آپ نبی

۱ فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۲۱۳ ۲ فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۲۱۴ ۳ ایضاً

یحسدونك۔ (خصائص کبریٰ ص ۱۹ ج ۱) | مرسل ہیں لیکن آپ پر حسد کرتے ہیں۔

(۵) عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں جابر بن سمرہؓ سے روایت کی کہ ایک جرمقانی [۱] شخص آیا اور صحابہ سے حضور کی نسبت دریافت کیا کہ تمہارے وہ صاحب جو یہ زعم کرتے ہیں کہ میں نبی ہوں کہاں ہیں۔ مَیں ان سے کچھ سوال کروں گا جس سے معلوم ہوجائے گا وہ نبی ہیں یا غیر نبی۔ اتنے میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سامنے سے آگئے جرمقانی نے کہا کہ جو وحی آپ پر آتی ہے وہ مجھے پڑھ کر سنایئے آپ نے اس کے سامنے کتاب اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائیں جرمقانی نے سنتے ہی کہا واللہ یہ اس قسم کا کلام ہے جو موسیٰ علیہ السلام لائے [۲]

اسی طرح اور بھی بہت سے علماء اور یہود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے جیسے زید بن سعنۃ وغیرہ [۳]

اسلام عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وادخلہ دار السّلام [۴]

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ توریت کے بڑے زبردست عالم تھے۔ آپ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا اصل نام حُصَین تھا۔ اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن سلام نام رکھا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی تشریف آوری کی خبر سنتے ہی آپ کے دیکھنے کے لیے حاضر ہُوا۔

فلما رأیت وجهه عرفت ان وجهه لیس بوجه کذّاب۔ | میں نے آپ کے چہرۂ انور کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔

در دل ہر امتی کز حق مزہ است | روئے وآواز پیمبر معجزہ است
چون شود از رنج وعلت دل سلیم | طعم صدق وکذب راباشد علیم

---

۱ جرمقانی، جرامقہ کی طرف نسبت ہے جو عجم میں ایک قوم ہے
۲ الخصائص الکبری ج:۱ص:۱۹۴،
۳ فتح الباری: ج:۷، ص:۲۱۴
۴ عبداللہ بن سلام کے اسلام کا واقعہ البدایۃ والنھایۃ س۲۱۰ ج ۳ تا ص ۲۱۲ میں دیکھو

پہلا کلام جو آپ کی زبان سے سُنا وہ یہ تھا۔

ایھا الناس اطعموا الطعام وافشوا السلام وصِلوا الارحام وصلوا باللیل والناس نیام تدخلوا الجنة بسلام۔ اخرجه الترمذی والحاکم وصححاہ۔	اے لوگو آدمیوں کو کھانا کھلایا کرو اور آپس میں سلام کو پھیلاؤ اور صلہ رحمی کرو اور رات میں نماز پڑھو جب کہ لوگ خدا سے غافل سو رہے ہوں تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو گے۔ اس حدیث کو ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور دونوں نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔

دلائل بیہقی میں عبداللہ بن سلام سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا نام اور آپ کی صفت اور آپ کا حلیہ پہلے ہی سے جانتا تھا مگر کسی سے ظاہر نہیں کرتا تھا۔

جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور میں نے آپ کی خبر سنی تو میں اس وقت ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا وہیں سے خوشی میں اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

میری پھوپھی خالدہ بنت حارث نے کہا اگر تو موسیٰ علیہ السلام کی خبر سنتا تو اس سے زیادہ خوش نہ ہوتا میں نے کہا۔ ہاں۔ خدا کی قسم یہ بھی موسیٰ کے بھائی ہیں وہی دین دے کر بھیجے گئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام دے کر بھیجے گئے تھے۔ میری پھوپھی نے کہا اے میرے بھتیجے کیا یہ وہی نبی ہیں جن کی ہم خبریں سنتے آئے ہیں کہ وہ قیامت کے سانس کے ساتھ مبعوث ہوں گے۔ میں نے کہا ہاں یہ وہی نبی ہیں۔ میں گھر سے نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مشرف باسلام ہوا اور واپس آ کر اپنے تمام اہل خانہ کو اسلام کی دعوت دی۔ سب نے اسلام قبول کیا[1]

فائدہ

قیامت کے سانس سے وہ فتنے اور حوادث مراد ہیں کہ جو قیامت سے پہلے ظہور پذیر ہوں گے اور ان کا ظہور قیامت کا دیباچہ اور پیش خیمہ ہوگا۔

---

[1] فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۱۹۷

كما قال تعالىٰ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَىْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ۔ وقال النبى صلى الله عليه وسلم بعثت انا والساعة كهاتين۔ (روض الانف ص ۳۵ ج ۲) اس کے بعد میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قبل اس کے کہ میری قوم کو میرے اسلام کا علم ہو آپ مجھ کو کسی کوٹھری میں بٹھلا کر یہود سے میرا حال دریافت فرمائیں کیونکہ یہود بڑی بہتان باندھنے والی قوم ہے چنانچہ جب یہود آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے عبداللہ بن سلام کو ایک کوٹھری میں بٹھلا کر یہود سے دریافت فرمایا کہ اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں اور حق لے کر آیا ہوں پس اسلام لاؤ۔ یہود نے کہا ہم نہیں جانتے۔ آپ نے تین بار یہی سوال فرمایا ہر بار یہود یہی کہتے رہے۔ بعد ازاں یہ فرمایا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسا شخص ہے۔ یہود نے کہا کہ ہمارا سردار اور ہمارے سردار کا بیٹا اور ہمارا سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا اور ہم میں سے سب سے بہتر اور سب سے بہتر کا بیٹا۔

آپ نے فرمایا اگر عبداللہ بن سلام مجھ پر ایمان لے آئے پھر تو میرے نبی برحق ہونے کا یقین کرو گے۔ یہود نے کہا عبداللہ بن سلام کبھی اسلام لا ہی نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا بالفرض وہ اسلام لے آئے یہود نے کہا حاشا وکلا وہ کبھی مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا اے ابن سلام باہر نکل آؤ۔ عبداللہ بن سلام باہر آئے اور یہ کلمات زبان پر تھے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اور یہود سے مخاطب ہو کر کہنے لگے اے گروہ یہود خدا سے ڈرو قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور حق لے کر آئے ہیں یہ سنتے ہی یہود نے کہا تو جھوٹا اور کذاب ہے اور سب میں برا اور برے کا بیٹا ہے (بخاری شریف) اسی بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ [۱]، [۲]

---

[۱] الاحقاف، آیۃ: ۱۰، [۲] عیون الاثر۔ ج:۱، ص: ۲۰۷

اِسلام میمون بن یامین

میمون بن یامین رؤساء یہود میں سے تھے۔ آپ کو دیکھ کر مشرف باسلام ہوئے اور اُن کا حال بھی عبداللہ بن سلام جیسا ہی ہوا۔

میمون بن یامین رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ یہود کو بلا بھیجئے اور مجھ کو حکم بنا دیجئے وہ لوگ میری طرف رجوع کریں گے۔ آپ نے میمون کو تو اندر کوٹھری میں چھپا دیا اور یہود کے بلانے کے لیے آدمی بھیج دیا وہ لوگ آئے اور آپ سے گفتگو کی آپ نے فرمایا کہ تم اپنے لوگوں میں سے کسی کو میرے اور اپنے مابین حکم مقرر کرلو۔ یہود نے کہا کہ ہم میمون بن یامین کے حاکم بنانے پر راضی ہیں وہ جو فیصلہ کردے ہمیں منظور ہے۔ آپ نے میمون کو آواز دی کہ باہر آجاؤ میمون باہر آئے اور کہا اشہد انہ رسول اللہ مگر یہود نے تصدیق کرنے سے انکار کردیا[۱] باب اتیان الیہود النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین قدم المدینۃ۔

اِسلام سلمان بن اِسلام رضی اللہ عنہ[۲]

سلمان آپ کا نام ہے ابوعبداللہ آپ کی کنیت ہے سلمان الخیر کے لقب سے مشہور

---

[۱] فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۲۱۳

[۲] حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ سلمان فارسیؓ کو سلمان ابن اسلام اور سلمان بن خیر بھی کہتے ہیں یعنی اسلام ان کے حق میں بمنزلہ باپ کے ہے اور وہ اسلام کے حق میں بمنزلہ بیٹے کے ہے۔ اصابہ ص ۲۶ ج ۲ ترجمہ سلمان فارسی۔ حافظ ابن رقیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ سلمانؓ کا اگر نام پوچھو تو عبداللہ ہے نسبت پوچھو تو ابن الاسلام یعنی اسلام کا فرزندار جمند سرمایہ اور دولت پوچھو تو فقر ہے دکان انکی مسجد ہے کمائی ان کی صبر ہے لباس ان کا تقویٰ ہے تکیہ انکا بیداری ہے مابہ الافتخار انکا منا ہے (یہ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ سلمان ہم میں سے ہے) اور اگر انکا قصد اور ارادہ پوچھتے ہو تو یریدون وجہہ ہے اللہ جل جلالہ کی ذات پاک اور اسکی رضا اور خوشنودی چاہتے ہیں اور اگر یہ پوچھتے ہو کہ کہاں جارہے ہیں تو سمجھ لو کہ جنت کی طرف جارہے ہیں اور یہ پوچھتے ہو کہ اس سفر میں انکا ہادی اور رہنما کون ہے تو خوب جان لو کہ وہ امام المتقین ہادی الخلائق الٰی رب العلمین سید الاولین والاخرین خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین ہیں۔

اِذَا نَحْنُ اَدْلَجْنَا وَاَنْتَ اِمَامُنَا كَفٰى بِالمطايا طيبُ ذِكْرَاكَ حَادِيَا

جب ہم تاریک رات میں چلیں اور تو ہمارا امام ہو تو اونٹوں کی حدی کیلئے تیرا پاکیزہ ذکر ہی کافی ہے۔

وَاِنْ نَحْنُ اَضْلَلْنَا الطَّرِيقَ وَلَمْ نَجِد دليلاً كَفَانَا نُورُ وَجْهِكَ هَادِيَا

اور اگر ہم راستہ گم کر بیٹھیں اور کوئی رہنما ہم کو نہ ملے تو تیرے چہرے کا نور ہماری رہنمائی کیلئے بالکل کافی ہے۔

کذا فی الفوائد لابن قیم ص ۴۱

میں گویا سلمان کیا تھے۔ خیرِ مجسم تھے ملک فارس کے رام ہرمز کے مضافات میں سے، قصبہ ُجیّ کے رہنے والے تھے شاہان فارس کے خاندان سے تھے۔ جب کوئی سلمان رضی اللہ عنہ سے پوچھتا ابن من انت تم کس کے بیٹے ہو تو یہ جواب دیتے۔

انا سلمان بن الاسلام۔ | میں سلمان بیٹا اسلام کا ہوں۔

(الاستیعاب للحافظ ابن عبد البر ص ۵۶ ج ۲ حاشیہ اصابہ)

یعنی میرے روحانی وجود کا سبب اسلام ہے اور وہی میرا مربی ہے فنعم الاب ونعم الابن پس کیا اچھا باپ ہے اور کیا اچھا بیٹا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی عمر بہت زیادہ ہوئی کہا جاتا ہے کہ سلمان نے حضرت مسیح بن مریم کا زمانہ پایا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کے زمانہ کو نہیں لیکن حضرت مسیح کے کسی حواری اور وصی کا زمانہ پایا ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ جسقدر اقوال بھی ان کے عمر کے بارے میں پائے گئے وہ سب اس پر متفق ہیں کہ آپ کی عمر ڈھائی سو سال سے متجاوز ہے۔

ابوالشیخ طبقات الاصبہانیین میں لکھتے ہیں کہ اہل علم یہ کہتے ہیں کہ حضرۃ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساڑھے تین سو سال زندہ رہے لیکن ڈھائی سو سال میں تو کسی کو شک ہی نہیں (اصابہ ترجمہ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۶۲ ج ۲) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھ سے سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود اپنی زبان سے اس طرح بیان کیا کہ میں ملک فارس میں سے قریہ جیّ کا رہنے والا تھا۔ میرا باپ اپنے شہر کا چودھری تھا اور سب سے زیادہ مجھ کو محبوب رکھتا تھا جس طرح کنواری لڑکیوں کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح میری حفاظت کرتا تھا اور مجھ کو گھر سے باہر نہیں جانے دیتا تھا۔ ہم مذہباً مجوسی تھے۔ میرے باپ نے مجھ کو آتش کدہ کا محافظ اور نگہبان بنا رکھا تھا کہ کسی وقت

آگ بجھنے نہ پائے۔ ایک مرتبہ میرا باپ تعمیر کے کام میں مشغول تھا۔ اس لیے بجبوری مجھ کو کسی زمین اور کھیت کی خبر گیری کے لیے بھیجا اور یہ تاکید کی کہ دیر نہ کرنا میں گھر سے نکلا راستہ میں ایک گرجا پڑتا تھا۔ اندر سے کچھ آواز سنائی دی میں دیکھنے کیلئے اندر گھسا دیکھا تو نصاریٰ کی ایک جماعت ہے کہ جو نماز میں مشغول ہے۔ مجھ کو ان کی یہ عبادت پسند آئی اور اپنے دل میں یہ کہا کہ یہ دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ میں نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے۔ ان لوگوں نے کہا ملک شام میں اسی میں آفتاب غروب ہو گیا۔ باپ نے انتظار کر کے تلاش میں قاصد دوڑائے جب گھر واپس آیا تو باپ نے دریافت کیا اے بیٹے تو کہاں تھا۔ میں نے تمام واقعہ بیان کیا باپ نے کہا اس دین (یعنی نصرانیت) میں کوئی خیر نہیں۔ تیرے باپ دادا کا دین یعنی (آتش پرستی) بہتر ہے۔

میں نے کہا ہرگز نہیں خدا کی قسم نصرانیوں ہی کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ باپ نے میرے پیر میں بیڑیاں ڈال دیں اور گھر سے باہر نکلنا بند کر دیا یا جیسے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ۔ اگر تو نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو میں تجھ کو قیدیوں میں سے کر دوں گا۔ (جیسا کہ عام اہل باطل کا طریق ہے) میں نے پوشیدہ طور پر نصاریٰ سے یہ کہلا بھیجا کہ جب کوئی قافلہ شام کو جائے تو مجھ کو اطلاع کرنا چنانچہ انہوں نے مجھ کو ایک موقع پر اطلاع دی کہ نصاریٰ کے تاجروں کا ایک قافلہ شام واپس جانے والا ہے۔ میں نے موقعہ پا کر بیڑیاں اپنے پیر سے نکال پھینکیں اور گھر سے نکل کر ان کے ساتھ ہولیا۔

شام پہنچ کر دریافت کیا کہ عیسائیوں کا سب سے بڑا عالم کون ہے۔ لوگوں نے ایک پادری کا نام بتلایا میں اس کے پاس پہنچا اور اس سے اپنا تمام واقعہ بیان کیا اور یہ کہا کہ میں آپ کی خدمت میں رہ کر آپ کا دین سیکھنا چاہتا ہوں مجھ کو آپ کا دین مرغوب اور پسند ہے آپ اجازت دیں تو آپ کی خدمت میں رہ پڑوں اور دین سیکھوں اور آپ کے ساتھ

نمازیں پڑھا کروں اس نے کہا بہتر ہے لیکن چند روز کے بعد تجربہ ہوا کہ وہ اچھا آدمی نہ تھا بڑا ہی حریص اور طامع تھا دوسروں کو صدقات اور خیرات کا حکم دیتا اور جب لوگ روپیہ لے کر آتے تو جمع کر کے رکھ لیتا اور فقراء اور مساکین کو نہ دیتا اسی طرح اس نے اشرفیوں کے سات مٹکے جمع کر لیے جب وہ مرگیا اور لوگ حسن عقیدت کے ساتھ اسکی تجہیز و تکفین کے لیے جمع ہوئے میں نے لوگوں سے اس کا حال بیان کیا اور وہ سات مٹکے دکھلائے لوگوں نے دیکھ کر کہا خدا کی قسم ہم ایسے شخص کو ہرگز دفن نہ کریں گے۔ بالآخر اس پادری کو سولی پر لٹکا کر سنگسار کر دیا اور اس کی جگہ کسی اور عالم کو بٹھلایا۔

سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے زائد کسی کو عالم اور اس سے بڑھ کر کسی کو عابد و زاہد اور دنیا سے بے تعلق اور آخرت کا شائق اور طلبگار نمازی اور عبادت گذار کسی کو نہیں دیکھا اور جس قدر مجھ کو اس عالم سے محبت ہوئی۔ اس سے پیشتر کبھی کسی سے اس قدر محبت نہیں ہوئی۔ میں برابر اس عالم کی خدمت میں رہا جب ان کا اخیر وقت آگیا تو میں نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو وصیت کیجیے اور بتلایئے کہ آپ کے بعد کس کی خدمت میں جا کر رہوں؟ کہا موصل میں ایک عالم ہے تم اس کے پاس چلے جانا۔ چنانچہ میں ان کے پاس گیا اور ان کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق شہر عموریہ میں ایک عالم کے پاس رہا جب ان کا بھی انتقال ہونے لگا تو میں نے کہا کہ میں فلاں فلاں عالم کے پاس رہا اب آپ بتلائیں کہ میں کہاں جاؤں اس عالم نے یہ کہا کہ میری نظر میں اس وقت کوئی ایسا عالم نہیں جو کہ صحیح راستہ پر ہو اور میں تم کو اس کا پتہ بتاؤں۔ البتہ ایک نبی کے ظہور کا زمانہ قریب آگیا ہے کہ جو دینِ ابراہیمی پر ہوگا۔ عرب کی سرزمین میں اس کا ظہور ہوگا۔ ایک نخلستانی زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ اگر تم سے وہاں پہنچنا ممکن ہو تو ضرور پہنچنا۔ ان کی علامت یہ ہوگی کہ وہ صدقہ کا مال نہ کھائیں گے۔ ہدیہ قبول کریں گے۔ دونوں شانوں کے قریب مہر نبوت ہوگی جب تم ان کو دیکھو گے تو پہچان لو گے۔ اس اثناء میں میرے پاس کچھ گائیں اور بکریاں بھی جمع ہو گئیں تھیں اتفاق سے ایک قافلہ عرب کا جانے والا مجھ کو مل گیا۔ میں نے

ان سے کہا کہ تم لوگ مجھ کو ساتھ لے چلو یہ گائیں اور بکریاں سب کی سب تم کو دے دوں گا۔ ان لوگوں نے اس کو قبول کیا اور مجھ کو ساتھ لے لیا۔ جب وادی قریٰ میں پہنچے تو میرے ساتھ یہ بدسلوکی کی کہ غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کیا جب اس کے ساتھ آیا تو کھجور کے درخت دیکھ کر خیال ہوا کہ شاید یہی وہ سرزمین ہو لیکن ابھی پورا اطمینان نہیں ہوا تھا کہ بنی قریظہ میں ایک یہودی اس کے پاس آیا اور مجھ کو اس سے خرید کر مدینہ لے آیا۔

حتی قدمت المدینة فواللّٰه ماهو الاان رایتها فعرفتها بصفة صاحبی وایقنت انها هی البلدة التی وصفت لی	جب میں مدینہ پہنچا تو خدا کی قسم مدینہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یقین کیا کہ یہ وہی شہر ہے جو مجھ کو بتلایا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں خود حضرت سلمان سے مروی ہے کہ میں اس طرح دس مرتبہ سے زیادہ فروخت ہوا ہوں (لوگوں نے سلمانؓ کو بار بار بے رغبتی کے ساتھ دراہم معدودہ میں خریدا لیکن اس کی اصلی قیمت کو کسی نے نہ پہچانا) میں مدینہ میں اس یہودی کے پاس رہا اور بنی قریظہ میں اس کے درختوں کا کام کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو مکہ میں مبعوث فرمایا مگر مجھ کو غلامی اور خدمت کی وجہ سے مطلق علم نہ ہوا جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور قباء میں بنی عمرو بن عوف کے یہاں آپ نے قیام فرمایا۔ میں اس وقت ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہُوا کام کر رہا تھا اور میرا آقا درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ ایک یہودی آیا جو میرے آقا کا چچازاد بھائی تھا اور یہ کہنے لگا۔ خدا بنی قیلہ یعنی انصار کو ہلاک کرے کہ قباء میں ایک شخص کے اردگرد جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی اور پیغمبر ہے۔ سلمان فرماتے ہیں۔

فواللّٰـه ان هوالاا خذَ تنی العُرَواۤءُ حتی ظننتُ انی ساسقط علی صاحبی	خدا کی قسم یہ سننا تھا کہ مجھ کو لرزہ اور کپکپی نے پکڑا اور مجھ کو یہ غالب گمان ہو گیا کہ میں اپنے آقا پر اب گرا۔

(بشیر ونذیر کی آمد کی بشارت نے سلمان کو ایسا بیخود اور وارفتہ بنادیا کہ اگر لَـوْلَآ اَنْ رَّبَـطْـنَا عَلٰی قَلْبِهَا[۱] کا مضمون نہ ہوتا تو درخت سے گر ہی پڑتے) وہ دونوں یہودی ان کی اس حالت اور کیفیت کو دیکھ کر سخت متعجب تھے اور سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان حال یہ شعر پڑ رہی تھی۔

خَلِیْلَیَّ لا واللّٰہ مَا اَنَا مِنْکُمَا   اِذَا عَلَمٌ مِنْ اٰلِ لَیلٰی بَدالِیَا

اے میرے دوستو خدا کی قسم میں اب تم سے نہیں رہا جبکہ مجھ کو دیار لیلی کا کوئی پہاڑ نظر آ گیا

مدتے بودہ مشتاق لقایت بودم   لاجرم روئے ترا دیدم واز جاں رفتم

بہرحال دل کو تھام کر درخت سے اترا اور اس آنے والے یہودی سے پوچھنے لگا بتاؤ تو سہی تم کیا بیان کرتے تھے وہ خبر ذرا مجھ کو بھی تو سناؤ یہ دیکھ کر میرے آقا کو غصہ آ گیا اور زور سے ایک طمانچہ میرے رسید کیا اور کہا تجھ کو اس سے کیا مطلب تو اپنا کام کر۔

جب شام ہوئی اور کام سے فراغت ہوئی تو جو کچھ میرے پاس جمع تھا وہ ساتھ لیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت قباء میں تشریف فرما تھے میں نے عرض کیا کہ مجھ کو معلوم ہوا کہ آپ کے اور آپ کے رفقاء کے پاس کچھ نہیں ہے آپ سب حضرات صاحب حاجت ہیں اس لیے میں آپ کے لیے اور آپ رفقاء کے لیے صدقہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

آپ نے اپنی ذات مُطہر کے لیے صدقہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ فرمایا کہ میں صدقہ نہیں کھاتا اور صحابہ کو اجازت دی کہ تم لے لو۔

سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا خدا کی قسم یہ ان تین علامتوں میں سے ایک ہے میں واپس ہو گیا اور پھر کچھ جمع کرنا شروع کر دیا جب آپ

---

[۱] اسی کیفیت کو حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں وجد کہتے ہیں اور یہ آیت بظاہر اس کا ماخذ ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

مدینہ تشریف لائے تو میں پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی خدمت میں کچھ پیش کروں۔ صدقہ تو آپ قبول نہیں فرماتے۔ یہ ہدیہ لے کر حاضر ہوا ہوں آپ نے قبول فرمایا اور خود بھی اس میں سے کھایا اور صحابہؓ کو بھی کھلایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ دوسری علامت ہے۔

میں واپس آ گیا اور دو چار روز کے بعد پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ اس وقت ایک جنازے کے ہمراہ بقیع میں تشریف لائے تھے اور صحابہؓ کرام کی ایک جماعت آپ کے ہمراہ تھی۔ آپ درمیان میں تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام کیا اور سامنے سے اٹھ کر پیچھے آ بیٹھا تا کہ مہر نبوت دیکھوں۔ آپ سمجھ گئے اور پشت مبارک سے چادر کو اٹھا دیا۔ میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور اٹھ کر مہر نبوت کو بوسہ دیا اور رو پڑا آپ نے ارشاد فرمایا سامنے آؤ میں سامنے آیا اور جس طرح تجھ سے اے ابن عباس میں نے اپنا یہ واقعہ بیان کیا۔ اسی طرح میں نے یہ تمام واقعہ تفصیل کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ کے صحابہ کی مجلس میں بیان کیا اور اسی وقت مشرف باسلام ہُوا۔ آپ بہت مسرور ہُوئے۔ اُس کے بعد اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہو گیا اسی وجہ سے میں غزوۂ بدر اور اُحد میں شریک نہ ہو سکا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے سلمان اپنے آقا سے کتابت[۱] کر لو۔ سلمان نے اپنے آقا سے کہا۔ آقا نے یہ جواب دیا کہ اگر تم چالیس اوقیہ سونا ادا کر دو اور تین سو درخت کھجور کے لگا دو جب وہ بار آور ہو جائیں تو تم آزاد ہو۔ سلمان نے آپ کے ارشاد سے قبول کیا اور آپ نے لوگوں کو ترغیب دی کہ سلمان کی کھجور کے پودوں سے امداد کریں۔ چنانچہ کسی نے تیس پودوں سے اور کسی نے بیس پودوں سے اور کسی نے پندرہ سے اور کسی نے دس پودوں سے امداد کی۔ جب پودے جمع ہو گئے تو مجھ سے فرمایا اے سلمان ان کے لیے گڑھے تیار کرو۔ جب گڑھے تیار ہو گئے تو خود دست مبارک سے ان تمام پودوں کو لگایا اور برکت کی دعا فرمائی۔ ایک سال

[۱] کتابت اسکو کہتے ہیں کہ غلام اپنے آقا سے یہ مقرر کر لے کہ اگر اس قدر معاوضہ کما کر تمکو ادا کر دوں تو آزاد ہو جاؤں ۱۲

گذرنے نہ پایا کہ سب کو پھل آ گیا اور کوئی پودا ایسا نہ رہا کہ جو خشک ہو گیا ہو۔ سب کے سب سرسبز وشاداب ہو گئے اور سب کو پھل آ گیا۔ درختوں کا قرض تو ادا ہو گیا صرف دراہم باقی رہ گئے۔ ایک روز ایک شخص آپ کے پاس ایک بیضہ کی مقدار سونا لے کر آیا آپ نے فرمایا وہ مسکین مکاتب یعنی سلمان فارسی کہاں ہے اس کو بلاؤ۔ میں حاضر ہوا تو آپ نے وہ بیضہ کی مقدار سونا عطا فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اللہ تمہارا قرضہ ادا فرمائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ سونا بہت تھوڑا ہے۔ اس سے میرا قرض کہاں ادا ہو گا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اللہ اسی سے تمہارا قرضہ ادا کر دے گا۔ چنانچہ میں نے اس کو تولا تو پورا چالیس اوقیہ تھا میرا کُل قرض ادا ہو گیا اور غلامی سے آزاد ہُوا اور آپ کے ساتھ غزوۂ خندق میں شریک ہوا۔ اس کے بعد تمام غزوات میں آپ کے ہمرکاب رہا[1] (سیرۃ ابن ہشام ص ۲۷ ج ۱)

تعمیر مسجد نبوی

اوّل جس جگہ آپ کی ناقہ آ کر بیٹھی تھی وہ جگہ یتیموں کا مربد تھا یعنی کھجور خشک کرنے کی جگہ تھی۔ آپ نے اس جگہ کی بابت دریافت کیا کہ یہ جگہ کس کی ملکیت ہے معلوم ہوا کہ یہ خرمن سہل اور سہیل کی ہے۔ آپ نے ان دونوں یتیموں کو بلایا تا کہ ان سے یہ قطعہ خرید کر مسجد بنائیں اور ان کے چچا سے جن کی زیر تربیت یہ دونوں یتیم تھے خرید وفروخت کی گفتگو فرمائی۔ ان دونوں نے کہا ہم اس خرمن کو بلا کسی معاوضہ کے آپ کی نذر کرتے ہیں۔ ہم اللہ کے سوا کسی سے اس کی قیمت کے خواستگار نہیں مگر آپ نے قبول نہیں فرمایا اور قیمت دے کر خرید فرمایا۔

زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا

---

[1] طبقات ابن سعد۔ ج:۴، ص:۱۵۳

کہ اس خرمن کی قیمت دے دیں۔ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس دینار اس کی قیمت میں ادا کیے۔ (فتح الباری ص۱۹۲ ج ۷)

بعدازاں اس زمین پر جو کھجور کے درخت تھے آپ نے ان کے کٹوانے اور قبور مشرکین کے ہموار کردینے کا حکم دیا اور اس کے بعد کچی اینٹیں بنانے کا حکم دیا اور خود بنفس نفیس اس کے بنانے میں مصروف ہوگئے اور انصار ومہاجرین بھی آپ کے شریک تھے۔صحابہ کے ساتھ آپ خود بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے اور یہ پڑھتے جاتے۔

هَذاالحِمَالُ لَاحِمَالُ خَيْبَرْ هَذَا اَبَرُّ رَبَّنَا وَاَطْهَرُ

یہ خیبر کی کھجوروں کا بوجھ نہیں اے پروردگار یہی بوجھ سب سے عمدہ اور بہتر ہے اور کبھی یہ پڑھتے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْاَجْرَاَجْرُالْاٰخِرَهْ فَارحَمِ الْاَنْصَاروالمهاجِرَهْ

اے اللہ بلاشبہ حقیقت میں اجر تو آخرت کا اجر ہے پس تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔ جو صرف آخرت کے اجر کے طلب گار ہیں۔اور ایک روایت میں اس طرح ہے۔

اللّٰهم لا خيرالاخيرا لأخره فانصرالانصار والمهاجره

اے اللہ آخرت کی بھلائی اور خیر کے سوا کوئی خیر اور بھلائی نہیں پس تو انصار اور مہاجرین کی مدد فرما۔ جو صرف آخرت کی بھلائی اور خیر کے خواہاں ہیں[1] اور صحابہ کرام کی زبانوں پر یہ تھا۔

لئن قعدنا والنبی یعمل لذاك من العمل المضلَّلْ

اگر ہم بیٹھ جائیں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کام کریں تو ہمارا یہ عمل یعنی بیٹھ جانا بہت ہی بُرا کام ہوگا۔اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

لایستوی من یعمرالمساجدا یدأب فیها قائما وقاعدا

جو شخص اٹھتے بیٹھتے تعمیر مسجد میں سرگرداں ہے۔

---

[1] ایضاً، فتح الباری: ج:۷، ص:۱۹۳

ومن یری عن التراب حائدا

اور وہ شخص جو کپڑوں سے مٹی اور غبار کو بچاتا ہے دونوں برابر نہیں[1]

اینٹیں اٹھا اٹھا کر لانے والوں میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ عثمان بن مظعون فطری طور پر نظیف الطبع واقع ہوئے تھے مزاج میں صفائی اور ستھرائی بہت تھی۔ جب اینٹ اٹھاتے تو کپڑوں سے دور رکھتے اور جہاں کپڑے پر ذرا بھی غبار پڑ جاتا تو اس کو جھاڑتے (رواہ البیہقی عن الحسن)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ''ومن یری عن التراب حائدا'' بطور مزاح عثمان بن مظعونؓ کے سنانے کے لیے پڑھتے تھے[2] عجب نہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس مزاح میں اس طرف بھی اشارہ فرماتے ہوں کہ ایسی حالت میں بہ نسبت صفائی اور ستھرائی کے گرد اور غبار ہی بہتر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے الحاج الشعث التفل حاجی تو وہی ہے جو گرد آلود اور میلا کچیلا ہو۔ مسند احمد میں طلق بن علی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو گارا گھولنے کا حکم دیا۔ میں پھاؤلہ لے کر گارا گھولنے کیلئے کھڑا ہو گیا۔ صحیح ابن حبان میں ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی اینٹیں اٹھا کر لاؤں۔

آپؐ نے فرمایا نہیں تم گارا گھولو۔ تم اس کام سے خوب واقف ہو[3]

یہ مسجد اپنی سادگی[4] میں بے مثل تھی۔ کچی اینٹوں کی دیواریں تھیں کھجور کے تنوں کے ستون تھے۔ اور کھجور ہی کی شاخوں اور پتوں کی چھت تھی جب بارش ہوتی تو پانی اندر آتا اس کے بعد چھت کو گارے سے لیپ دیا گیا۔ سو گز لمبی اور تقریباً سو ہی گز عریض تھی اور تقریباً تین ہاتھ گہری بنیادیں تھیں دیواروں کی بلندی قد آدم سے زائد تھی۔ دیوار قبلہ بیت

---

[1] فتح الباری۔ ج:۷، ص:۱۹۳ [2] زرقانی ج:۱، ص:۳۶۸ [3] ایضاً۔ ج:۱، ص:۳۶۶

[4] چنانچہ حسن بصری سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ابنوہ عریشا کعریش موسیٰ ایسا چھپر بنا دو جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا چھپر تھا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حسن بصری سے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا چھپر کیسا تھا تو فرمایا کہ جب ہاتھ اٹھاتے تو چھپر کو لگتا تھا ایک دوسری روایت میں ہے کہ انصار نے کچھ مال جمع کیا اور آپ سے یہ عرض کیا کہ اس مسجد کو مزین کر دیا جائے تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ مابی رغبۃ عن اخی موسیٰ عریش کعریش موسیٰ میں اپنے بھائی موسیٰ کے طریق سے اعراض نہیں کرنا چاہتا بس یہ ایک چھپر ہے۔ موسیٰ کے چھپر کی طرح (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۵ ج ۳)

المقدس کی جانب رکھی گئی اور مسجد کے تین دروازے رکھے گئے ایک دروازہ اس طرف رکھا گیا جس جانب اب قبلہ کی دیوار ہے اور دوسرا دروازہ مغرب کی جانب میں جسے اب باب الرحمۃ کہتے ہیں اور تیسرا دروازہ وہ کہ جس سے آپ آتے جاتے تھے جسے اب باب جبرئیل کہتے ہیں اور جب سولہ یا سترہ ماہ کے بعد بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہوکر خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا تو وہ دروازہ جو مسجد کے عقب میں تھا بند کردیا گیا اور اس کے مقابل دوسرا دروازہ قائم کردیا گیا۔ علماء سیر کا اس میں اختلاف ہے کہ مسجد کا طول وعرض کتنا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ سو گز لمبی اور سو گز چوڑی تھی خارجۃ بن زید فقیہ مدینہ یہ فرماتے ہیں کہ ستر گز لمبی اور ساٹھ گز چوڑی تھی۔ محمد بن یحییٰ امام مالک کے تلمیذ یہ فرماتے ہیں کہ شرقاً وغرباً تریسٹھ گز تھے اور شمالاً وجنوباً چون گز اور دو ثلث گز تھے۔ تحقیق یہ کہ مسجد نبوی کی دو مرتبہ تعمیر ہوئی اول جب آپ ہجرت فرما کر ابوایوب انصاری کے مکان میں فروکش ہُوئے۔ دوسرے ۷ ہجری فتح خیبر کے بعد بوسیدہ ہوجانے کی وجہ سے آپ نے از سرِ نو تعمیر کرائی۔ جیسا کہ متعدد احدیث اور مختلف روایات سے ثابت ہے۔ پہلی مرتبہ کی تعمیر میں مسجد کا طول وعرض سو گز سے کم تھا اور دوسری مرتبہ کی تعمیر میں سو گز سے کچھ زائد ہی تھا۔ چنانچہ ابن جریج جعفر بن عمرو سے راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد کو دو مرتبہ بنایا اول جبکہ آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اس وقت مسجد کا طول وعرض سو گز سے کم تھا۔ دوسرے فتح خیبر کے بعد ۷ ہجری میں مسجد کو از سرِ نو بنایا اور زمین لے کر مسجد میں اور زیادہ کی چنانچہ معجم طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مسجد کی توسیع کا ارادہ فرمایا تو مسجد کے متصل ایک انصاری کی زمین تھی۔ آپؐ نے اُن انصاری سے یہ فرمایا کہ یہ زمین جنت کے ایک محل کے معاوضہ میں ہمارے ہاتھ فروخت کردو لیکن وہ اپنی عسرت وغربت اور کثیر العیالی کی وجہ سے مفت نہ دے سکے اس لئے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے اس قطعۂ زمین کو بمعاوضہ دس ہزار درہم ان انصاری سے خرید کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول جو قطعہ زمین آپ اس انصاری سے جنت کے محل کے

معاوضہ میں خرید فرمانا چاہتے تھے وہ اس ناچیز سے خرید فرمالیں۔ آپ نے وہ قطعہ بمعاوضہ جنت حضرت عثمان سے خرید کر مسجد میں شامل فرمایا اور اوّل اینٹ اپنے دستِ مبارک سے رکھی اور پھر آپ کے حکم سے ابوبکر نے اور پھر عمر اور پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم نے رکھی۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف الاسناد ہے مگر مسند احمد اور جامع ترمذی کی ایک حسن الاسناد روایت اس کی مؤید ہے وہ یہ کہ جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرلیا تو یہ فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ جب مسجد نبوی تنگ ہوگئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا نہیں کہ جو زمین کے فلاں ٹکڑے کو خرید کر بمعاوضہ جنت مسجد میں شامل کردے اور تم کو خوب معلوم ہے کہ وہ ٹکڑا میں نے ہی خرید کر مسجد میں شامل کیا اور اب تم مجھ کو اسی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے سے بھی روکتے ہو۔

یہ روایت جامع ترمذی میں ثمامۃ بن حزن قشیری سے مروی ہے۔ امام ترمذی نے اس روایت کی تحسین کی ہے اور یہی روایت مسند احمد اور سنن دارقطنی میں احنف بن قیس سے مروی ہے۔ نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو ۷ ہجری میں حاضر خدمت اقدس ہوئے ہیں وہ بھی اس تعمیر میں شریک تھے جیسا کہ مسند احمد میں خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابۂ کرام کے ساتھ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ ایک مرتبہ میں سامنے آگیا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی اینٹیں اٹھا کر لا رہے ہیں اور سینۂ مبارک سے ان کو سہارا دیئے ہُوئے ہیں۔ مَیں سمجھا کہ آپ بوجھ کی وجہ سے ایسا کیے ہوئے ہیں۔ مَیں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو دے دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا۔ خذ غیرھا یا ابا ھریرۃ فانہ لا عیش الا عیش الآخرۃ (اے ابو ہریرہ دوسری اینٹیں اٹھالو۔ تحقیق نہیں ہے زندگی مگر زندگی آخرت کی)

اب ظاہر ہے کہ ابو ہریرہ کی یہ شرکت بنائے ثانی میں تھی جو فتح خیبر کے بعد ۷ھ میں ہوئی اور جو بنا ۱ھ میں ہوئی اس میں ابو ہریرہ کی شرکت کیسے ممکن ہے نیز عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو ۵ ہجری میں مشرف باسلام ہوئے بنائے مسجد نبوی میں ان کا شریک ہونا دلائل بیہقی میں مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص ۵ھ ہجری میں مشرف

باسلام ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ۱ھ ہجری کی تعمیر میں کیسے شرکت کر سکتا ہے لامحالہ اُن کی یہ شرکت بنائے ثانی میں سمجھی جائے گی۔ یہ تمام تفصیل وفاء الوفاء اور خلاصۃ الوفاء کے باب چہارم میں مذکور ہے۔

تعمیر حُجرات برائے اَزواجِ مُطہّرات

جب آپ مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو ازواج مطہرات کے لیے حجروں کی بنیاد ڈالی اور سرِ دست دو حُجرے تیار کرائے ایک حضرت سودہ بنت زمعہ کے لیے اور دوسرا حضرت عائشہؓ کے لیے۔ بقیہ حُجرے بعد میں حسبِ ضرورت تعمیر ہوتے رہے۔

مسجد کے متصل حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکانات تھے جب آپ کو ضرورت پیش آتی تو حضرت حارثہ آپ کو نذر کر دیتے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے تمام مکانات آپ کی نذر کر دیئے۔ اکثر حجرے کھجور کی شاخوں کے اور بعض کچی اینٹوں کے تھے دروازوں پر کمبل اور ٹاٹ کے پردے تھے۔ حجرے کیا تھے۔ زہد اور قناعت کی تصویر اور دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ تھے۔ ان حجروں میں اگر چہ اکثر و بیشتر رات کو چراغ نہیں جلتے تھے (بخاری شریف ص ۵۶ ج ۱) اور ضرورت بھی نہ تھی۔ جس گھر میں اللہ کا داعی بشیر و نذیر اور سراج منیر رہتا ہو وہاں کسی شمع اور چراغ کی کیا حاجت کسی نے خوب کہا ہے۔

يَــابَـدِيْـعَ الـدَّلِّ وَالْـغَـنَـج   لَكَ سُـلْـطَـانٌ عَـلَى الْمُهَج

اے عجیب و غریب ناز و ادا والے   تیری سلطنت تو دلوں پر ہے

اِنَّ بَيْتًــا اَنْــتَ سَـاكِـنُـهٗ   غَيْـرُ مُـحْتَاجٍ اِلَى السُّرُج

جس گھر میں تو رہتا ہو وہ   کسی چراغ کا محتاج نہیں

وَجْهُكَ الْـمَـأْمُولُ حُجَّتُنَا   يَـوْمَ يَـأْتِى الـنَّاسُ بِالْحُجَج

تیرا مبارک چہرہ ہمارے لیے کافی حجت ہے   جس دن لوگ اپنی اپنی حجتیں پیش کرینگے

حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں ذرا بڑا ہو گیا تو کھڑے ہو کر حجرے کی چھت کو ہاتھ لگالیا کرتا تھا۔ یہ حجرے سمت مشرق اور شام میں واقع تھے۔ غربی جانب میں کوئی حجرہ نہ تھا (خلاصۃ الوفاء ص ۱۲۷)

ازواج مطہرات کی وفات کے بعد

ولید بن عبدالملک کے حکم سے یہ تمام حجرے مسجد نبوی میں شامل کر لیے گئے جس وقت ولید کا یہ حکم مدینہ پہنچا ہے تو تمام اہل مدینہ صدمہ سے چیخ اُٹھے۔

ابوامامہ سہل بن حنیف فرمایا کرتے تھے کاش وہ حجرے اسی طرح چھوڑ دیئے جاتے تا کہ لوگ دیکھتے کہ جس نبی کے ہاتھ پر من جانب اللہ دنیا کے تمام خزائن کی کنجیں رکھ دی گئیں تھیں وہ نبی کیسے حجروں اور کیسے چھپروں میں زندگی بسر کرتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وازواجہ وذریاتہ واصحابہ وبارک وسلم (زرقانی ص ۳۷۰ ج ۱)

اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ اور ابورافع کو مکہ مکرمہ روانہ کیا تا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا[1] اور حضرت ام کلثوم اور ام المومنین سودہؓ کو لے آئیں۔ اور انہی کے ہمراہ ابوبکر صدیقؓ نے عبداللہ بن ابی بکر کو روانہ کیا تا کہ حضرت عائشہ اور اسماء اور ام رومان اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنھم اجمعین کو لے آئیں۔

جب زید بن حارثہ سب کو لےلیکر مدینہ پہنچے تو اس وقت آپ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان سے تعمیر کردہ حجروں میں منتقل ہو گئے (رواہ الطبرانی عن عائشہؓ زرقانی ص ۳۷۰ ج ۱)

---

[1] حضرت سیدہ اور حضرت ام کلثوم تو زید بن حارثہ اور ابورافع کے ساتھ مدینہ آئیں اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عثمانؓ کے ہمراہ پہلے ہی مدینہ آچکی تھیں۔ حضرت زینب اپنے شوہر ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ مکہ میں ہی رہیں ابوالعاص ہنوز مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔ جنگ بدر میں جب اسیر ہو کر آئے تو آپؐ نے ان کو اس شرط پر چھوڑا کہ میری بیٹی زینب کو تم بھیج دو چنانچہ ابوالعاص مکہ آئے اور حضرت زینب کو آپ کے پاس پہنچا دیا ۱۲ از زرقانی ص ۳۷۰ ج ۱

زیادات خلفاء راشدین در مسجد خاتم مساجد الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین[۱]

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مسجد نبوی میں کوئی اضافہ نہیں کیا صرف جو ستون بوسیدہ ہونے کی وجہ سے گر پڑے تھے ان کی جگہ اسی طرح کھجور کے ستون نصب فرما دیئے۔

حضرت عمر نے ۱۷ھ میں قبلہ اور غربی جانب میں مسجد نبوی کو بڑھایا اور شرقی جانب میں چونکہ ازواج مطہرات کے حجرے واقع تھے اس لیے اس جانب میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف مسجد کی توسیع فرمائی مگر اس کی اصلی شان اور ہیئت میں کوئی تغیر و تبدل نہیں فرمایا۔ یعنی نبی کریم ﷺ کی طرح کچی اینٹوں سے مسجد کی تعمیر کرائی اور کھجور کے ستون اور کھجور کی شاخوں اور پتوں کی چھت ڈالی اور اس کی اصلی سادگی کو برقرار رکھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مسجد کی توسیع بھی فرمائی اور بجائے کچی اینٹوں کے منقش پتھروں اور قلعی چونہ سے اس کی تعمیر کرائی اور ستون بھی پتھر ہی کے لگائے اور سال کی لکڑی کی چھت ڈالی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب اس شان سے مسجد نبوی کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو حضرات صحابہ پر یہ شاق گذرا کہ مسجد نبوی کی سادگی اور ہیئت میں کوئی تغیر و تبدل کیا جائے حضرت عثمان نے جب صحابہ کا بار بار انکار اور ناگواری و کراہت کا اظہار دیکھا تو ایک خطبہ میں یہ فرمایا۔

---

[۱] یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے صحیح مسلم اور نسائی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد خاتم المساجد ہے یہ لفظ نسائی کے ہیں مسلم کے الفاظ یہ ہیں میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد ہے مسند بزار وغیرہ میں یہ الفاظ ہیں۔ انا خاتم الانبیاء ومسجدی خاتم المساجد یعنی میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد ان مساجد کی خاتم ہے کہ جن مسجدوں کو حضرات انبیاء نے تعمیر فرمایا پس جس طرح آپ کے بعد کوئی اور نبی اور پیغمبر حادث نہ ہوگا اسی طرح آپکی مسجد کے بعد کوئی پیغمبر مسجد بھی نہ بنائے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ کی مسجد کے بعد دنیا میں کوئی مسجد نہ بنے گی ۱۲۔

انكم اكثرتم وانى سمعت النبى صلے الله عليه وسلم من بنى مسجد ايبتغى به وجه اللّٰهِ بنى الله له مثله فى الجنة۔[1]	تم لوگوں نے اس بارے میں بہت چہ میگوئیاں کی ہیں اور تحقیق میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کوئی مسجد بنائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسی کے مثل جنت میں ایک محل بنا دیتا ہے۔

ماہ ربیع الاوّل ۲۹ھ میں تعمیر شروع ہوئی اور محرم الحرام ۳۰ھ کو تعمیر ختم ہوئی اس حساب سے زمانہ تعمیر کل دس ماہ ہوتے ہیں [2]

امام مالکؒ سے منقول ہے کہ جب حضرت عثمان نے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کرائی تو کعب احبار یہ دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ یہ تعمیر پوری نہ ہو لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو یہ فرمایا کہ بس یہ تعمیر ختم ہوئی اور آسمان سے فتنہ اترا [3]

نمازِ جنازہ کی جگہ

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو ہم میں سے جو شخص مرنے کے قریب ہوتا تو ہم آپ کو اطلاع کرتے، آپ تشریف لاتے اور اُس کے لیے استغفار فرماتے۔ مرنے کے بعد دفن تک وہیں تشریف رکھتے۔ اس میں بسا اوقات آپ کو بہت دیر ہو جاتی اس لیے ہم نے یہ التزام کرلیا کہ مرنے کے بعد آپ کو اطلاع دیا کریں چنانچہ چند روز یہی معمول رہا کہ مرنے کے بعد آپ کو اطلاع دیتے آپ تشریف لاتے اور نماز پڑھتے اور میت کے لیے دعا اور استغفار فرماتے بعض اوقات دفن ہیں بھی شرکت فرماتے اور بعض اوقات نماز جنازہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے جاتے۔

---

۱ فتح الباری، ج:۱،ص:۴۵۳ ۲ وفاء الوفاء ج:۱،ص:۳۵۶ ۳ فتح الباری ج:۱،ص۴۵۳

بعدازاں آپ کی سہولت کی غرض سے ہم نے یہ التزام کرلیا کہ جنازہ لیکر خود آپ کے گھر پر حاضر ہو جاتے آپ وہیں اپنے گھر کے قریب جنازہ کی نماز پڑھا دیتے۔ اس وجہ سے اُس جگہ کا نام جہاں آپ جنازہ کی نماز پڑھایا کرتے تھے۔ موضع الجنائز ہو گیا۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۴ جلد اول قسم ثانی۔) بخاری[۱] میں عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ جنازہ کے لیے مسجد نبوی کے متصل ایک جگہ مخصوص تھی آپ کا مستمر معمول تو یہی تھا کہ آپ مسجد میں جنازہ کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ بعض مرتبہ کسی عارض کیوجہ سے آپ نے صلوٰۃ جنازہ مسجد میں پڑھی ہے (فتح الباری ص ۱۶۰ ج ۳ باب الصلاۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد۔)

اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے۔

مواخات مہاجرین وانصار

مہاجرین جب مکہ سے اللہ کے لیے اپنے اہل وعیال خویش واقارب گھر اور بار چھوڑ کر مدینہ پہنچے تو آپ نے مہاجرین وانصار کو مواخات (بھائی بندی) کا حکم دیا تا کہ وطن اور اہل وعیال سے مفارقت کی وحشت اور پریشانی انصار کی الفت وموانست سے بدل جائے۔ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کا معین اور مددگار اور مصیبت کے وقت ایک دوسرے کا غمگسار ہو۔ ضعیف اور کمزور کو قوی اور زبردست کی اخوت سے قوت حاصل ہو اور ضعیف۔ قوی کے لیے قوت بازو بنے اعلیٰ شخص ادنیٰ شخص کے فوائد سے اور ادنیٰ اعلیٰ کے منافع سے مستفید اور متمتع ہو اور مہاجرین وانصار کے منتشر دانے ایک رشتۂ مواخات میں منسلک ہو کر شئ واحد بن جائیں تشتت اور تفرق کا نام ونشان باقی نہ رہے۔ سب مِل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لیں جو تفرق اور اختلاف بنی اسرائیل کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بنا یہ امت

---

[۱] امام بخاری نے اس حدیث کو جامع صحیح کے متعدد ابواب میں لیا ہے مثلا باب الصلاۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد ص ۱۷۷ و باب علامات النبوۃ ص ۵۱۳ و کتاب التفسیر ص ۶۵۴ کتاب المحاربین باب الرجم بالبلاط ص ۱۰۰۷ وغیر ذالک۔

مرحومہ اس سے بالکلیہ محفوظ رہے اور اجتماع کی وجہ سے اللہ جل جلالہٗ کا ہاتھ اُن کے سر پر ہو اور اگر زمانہ جاہلیت کے تفاخر اور مباہات کا کوئی فاسد مادہ قلب میں باقی ہے تو اس رشتۂ مساوات سے اس کا استیصال اور قلع قمع ہو جائے اور قلب بجائے تفاخر اور تعلّی غرور اور نخوت کے تواضع اور مسکنت مواخات اور مواسات سے معمور ہو جائے۔ خادم اور مخدوم۔ غلام اور مولیٰ، محمود اور ایاز سب ایک ہی صف میں آ جائیں۔ دنیا کے سارے امتیازات مٹ کر صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کا شرف اور بزرگی باقی رہ جائے۔ کما قال تعالیٰ۔

اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَاللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ [۱] | تحقیق اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہے کہ جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو۔

انہیں مصالح کی وجہ سے آپ نے ہجرت مدینہ سے قبل مکہ مکرمہ میں فقط مہاجرین میں باہمی رشتۂ مواخات قائم کر دیا اور پھر ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار کے مابین مؤاخات فرمائی۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔ مواخات دو مرتبہ ہُوئی ایک مرتبہ فقط مہاجرین کے مابین تھی کہ ایک مہاجر دوسرے مہاجر کا بھائی قرار دیا گیا اور یہ مواخات مکہ میں ہوئی اور دوسری مؤاخات ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار کے مابین ہوئی۔

چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرۃ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں مؤاخات فرمائی۔ حالانکہ دونوں حضرات مہاجرین میں سے ہیں۔

اس حدیث کو حاکم اور ابن عبدالبر نے روایت کیا اور اسناد اس کی حسن ہے اور حافظ ضیاء الدین مقدسی نے اس حدیث کو مختارہ۔ میں طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ مختارہ کی حدیثیں۔ مستدرک حاکم کی حدیثوں سے بہت زیادہ صحیح اور قوی ہیں۔ مستدرک حاکم میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر اور عمر میں اور فلاں فلاں میں مؤاخات فرمائی تو حضرت علی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ نے اپنے اصحاب میں مواخات کرائی ہے تو میرا بھائی کون ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تیرا بھائی ہوں[۲]

---

۱ الحجرات، آیۃ: ۱۳ ۲ فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۲۱۱

حافظ ابن سید الناس عیون الاثر میں فرماتے ہیں کہ جو مواخات ہجرت سے قبل مکہ میں خاص مہاجرین میں ہوئی ان حضرات کے نام حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	عمر رضی اللہ عنہ
۲۔حمزہ رضی اللہ عنہ	زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
۳۔عثمان غنی رضی اللہ عنہ	عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ
۴۔زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
۵۔عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ	بلال بن رباح رضی اللہ عنہ
۶۔مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۷۔ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ	سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ
۸۔سعید بن زید رضی اللہ عنہ	طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ
۹۔سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔	علی کرم اللہ وجہہ

دوسری مواخات

دوسری مواخات ہجرت کے پانچ ماہ[۱] بعد پینتالیس مہاجرین اور پینتالیس انصار کے مابین حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مکان میں ہوئی اور ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنایا گیا۔ (فتح الباری ص ۲۱۰ ج ۷) جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔

مہاجرین	انصار
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	خارجۃ بن زید رضی اللہ عنہ
عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ	سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

[۱] اور بعض کہتے ہیں کہ مواخات مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ جس وقت مسجد نبوی تعمیر ہو رہی تھی عیون الاثر ص ۲۰۰ ج ۱

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ
زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ
سلامۃ بن سلامۃ بن وقیش رضی اللہ عنہ
عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ
طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ
کعب بن مالک رضی اللہ عنہ
سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ
اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ
مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
ابوایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ
ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ
عَبّاد بن بِشر رضی اللہ عنہ
عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہما
حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ
ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ
سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ
ابوالدرداء عویمر بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
بلال رضی اللہ عنہ
ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ
حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ
عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ
ابومرثد رضی اللہ عنہ
عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ
عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ
عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ
عتبۃ بن غزوان رضی اللہ عنہ
ابودجانہ رضی اللہ عنہ
ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ
سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ
عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ
ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ
عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ
عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ
طفیل بن الحارث رضی اللہ عنہ یعنی عبیدۃ بن الحارث کے بھائی۔
سفیان نسر خزرجی رضی اللہ عنہ
صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ
رافع بن معلیٰ رضی اللہ عنہ
مقداد رضی اللہ عنہ
عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

ذوالشمالین رضی اللہ عنہ	یزید بن الحارث رضی اللہ عنہ
ارقم رضی اللہ عنہ	طلحہ بن زید رضی اللہ عنہ
زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ	معن بن عدی رضی اللہ عنہ
عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ	سعد بن زید رضی اللہ عنہ
عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ	مُبشّرین بن المنذر رضی اللہ عنہ
خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ	منذر بن محمد رضی اللہ عنہ
سبرۃ بن ابی رُہم رضی اللہ عنہ	عبادۃ بن الخشخاش رضی اللہ عنہ
مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ	زید بن المزین رضی اللہ عنہ
عکاشتہ بن محصن رضی اللہ عنہ	مجذر بن دمار رضی اللہ عنہ
عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ	حارث بن صمّۃ رضی اللہ عنہ
مہجع مولی عمر رضی اللہ عنہ[1]	سراقۃ بن عمرو بن عطیہ رضی اللہ عنہ

انصار نے جو مؤاخات کا حق ادا کیا اور جس مخلصانہ ایثار کا ثبوت دیا اوّلین و آخرین میں اس کی نظیر ملنا ناممکن ہے زر اور زمین مال اور جائداد سے جو مہاجرین کے ساتھ سلوک کیا ہے وہ تو کیا ہی کہ زمین اور باغات مہاجرین کو دے ڈالے ان سب سے بڑھ کر یہ کیا کہ جس انصاری کے دو بیویاں تھیں اس نے اپنے مہاجر بھائی سے یہ کہہ دیا کہ جس بیوی کو تم پسند کرو میں اس کو طلاق دے دیتا ہوں۔ طلاق کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیں۔

سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ کوئی انصاری اپنے درہم و دینار کا اپنے مہاجر بھائی سے زیادہ اپنے کو مستحق نہیں سمجھتا تھا۔ (زرقانی ص ۳۷۴ ج ۱)

چنانچہ مہاجرین نے انصار کے اس بے مثال ہمدردی اور ایثار کو دیکھ کر آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ جس قوم پر ہم آکر اترے ہیں اُن سے بڑھ کر کسی قوم کو ہم نے ہمدرد اور غمگسار مخلص اور وفا شعار تنگی اور فراخی ہر حال میں مددگار نہیں دیکھا۔ ہم کو اندیشہ ہے کہ

[1] عیون الاثر۔ ج:۱،ص:۲۰۱

سب اجر انہیں کو مل جائے اور ہم اجر سے بالکل محروم رہ جائیں۔ آپ نے فرمایا نہیں جب تک تم ان کے لیے دعا کرتے رہو (اخرجہ ابن سید الناس باسنادہ عن انسؓ عیون الاثر) وقال ابن کثیر ہذا حدیث ثلاثی الاسناد علی شرط الصحیحین ولم یخرجہ احد من اصحاب الکتب الستۃ من ہذا الوجہ[1] دعا کا احسان درہم و دینار کے احسان سے کم نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے۔ دراہم معدودۃ تو درکنار اگر تمام خزائن عالم کو ترازو کے ایک پلہ میں اور صرف ایک مخلصانہ دعا کو دوسرے پلہ میں رکھ کر تولا جائے گا تو انشاء اللہ ثم انشاء اللہ تو بھی دعا کا پلہ بھاری رہے گا اور یہ انشاء اللہ تعلیق کی بناء پر نہیں بلکہ تبرکاً اور تادُباً کہتا ہوں۔ امام بخاریؒ نے جامع صحیح کتاب التوحید کے باب فی المشیئۃ والارادۃ کے ذیل میں بکثرت ایسی حدیثیں ذکر فرمائی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بطور تعلیق نہیں بلکہ بطور تبرک انشاء اللہ کہنا مذکور ہے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما کے پاس جب کوئی سائل آتا اور دعائیں دیتا جیسا کہ سائلین کا طریق ہے تو ام المؤمنین بھی اس فقیر کو دعائیں دیتیں اور بعد میں کچھ خیرات دیتیں کسی نے کہا اے ام المؤمنین آپ سائل کو صدقہ بھی دیتی ہو اور جس طرح وہ آپ کو دعا دیتا ہے اسی طرح آپ دعا بھی دیتی ہو فرمایا کہ اگر میں اس کو دعا نہ دوں اور فقط صدقہ دوں تو اس کا احسان مجھ پر زیادہ ہے۔ اس لیے یہ دعا صدقہ سے کہیں بہتر ہے اس لیے دعا کی مکافات دعا سے کر دیتی ہوں تاکہ میرا صدقہ خالص رہے کسی احسان کے مقابلہ میں نہ ہو۔ (کذا فی المفاتیح شرح المصابیح) لہذا جو شخص دراہم معدودہ دے کر مخلصانہ دعاؤں کا سودا کر سکتا ہے وہ کبھی نہ چوکے اور موقعہ کو ہاتھ سے نہ دے۔

جمادے چند دادم جان خریدم   بحمد اللہ زہے ارزان خریدم

یہ رشتۂ مؤاخات اس قدر محکم اور مضبوط تھا کہ بمنزلۂ قرابت و نسب سمجھا جاتا تھا جب کوئی انصاری مرتا تو مہاجر ہی اس کا وارث ہوتا۔ کما قال تعالیٰ۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج:۳ ص:۲۲۸

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْآ اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ط (الانفال ۵۷)	بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور جان و مال سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

چند روز کے بعد میراث کا حکم تو منسوخ ہو گیا اور تمام مومنوں کو بھائی بنا دیا گیا اور یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔

اب مؤاخات کا رشتہ فقط مواسات یعنی ہمدردی اور غمخواری اور نصرت وحمایت کے لیے رہ گیا اور میراث نسبی رشتہ داروں کے لیے خاص کر دی گئی۔ (فتح الباری ص ۲۱۰ ج ۷ زرقانی ص ۳۷۴ ج ۱)

اذان کی ابتداء

دو نمازیں صبح اور عصر کی تو ابتداء بعثت ہی میں فرض ہو چکی تھیں پھر شب معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں لیکن باستثنائے مغرب سب نمازیں دو رکعت تھیں ہجرت کے بعد سفر کے لیے تو دو ہی رکعت باقی رہیں اور حضر میں ظہر اور عصر اور عشاء کی نمازیں چار چار رکعت کر دی گئیں (رواہ البخاری عن عائشہؓ)

اب تک یہ معمول رہا کہ جب نماز کا وقت آتا تو خود بخود لوگ جمع ہو جاتے۔ اس لیے آپ کو یہ خیال ہوا کہ نماز کے لیے کوئی علامت ایسی ہونی چاہیے کہ جس سے تمام اہلِ محلّہ بیک وقت سہولت کے ساتھ مسجد میں حاضر ہو جایا کریں۔

کسی نے کہا کہ ناقوس[۱] بجا دیا جایا کرے کسی نے کہا بوق[۲] بجا دیا کریں کہ لوگ اس کی

---

[۱] ناقوس ایک لکڑی ہے۔ جس کو نصاریٰ اپنے گرجا میں جمع ہونے کے لیے بجاتے تھے جسے آج کل گھنٹہ یا سنکھ کہتے ہیں ۱۲

[۲] بوق کے معنی بگل یہ طریقہ یہود کا تھا کہ اپنے معبد میں جمع ہونے کے لیے بگل بجاتے تھے ۱۲

آواز سن کر جمع ہو جایا کریں لیکن آپ نے ناقوس کو نصاریٰ کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جانے کی وجہ سے رد فرمایا اور بوق بجانے کو یہود کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جانے کی وجہ سے رد فرمایا۔ غرض یہ کہ ان دونوں باتوں کو یہود اور نصاریٰ کی مشابہت کی وجہ سے ناپسند فرمایا کسی نے کہا کہ کسی بلند اور اونچی جگہ پر آگ سلگا دیا کریں کہ لوگ اس کو دیکھ کر جمع ہو جایا کریں آپ نے فرمایا یہ طریقہ مجوسیوں کا ہے مجوس کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس کو ناپسند فرمایا۔

مجلس برخاست ہوگئی اور کوئی بات طے نہ ہوئی رسول اللہ ﷺ کے تفکر اور خیال کا عبداللہ بن زید بن عبدربہ پر بہت اثر تھا۔ [1]

اسی اثناء میں عبداللہ بن زید نے یہ خواب دیکھا کہ ایک سبز پوش شخص ناقوس ہاتھ میں لئے ہوئے میری طرف سے گذر رہا ہے۔ میں نے دریافت کیا اس ناقوس کو فروخت کرو گے اس سبز پوش نے کہا تم اس کو خرید کر کیا کرو گے۔ میں نے کہا کہ اس کو بجا کر نماز کے لئے بلایا کریں گے۔ سبز پوش نے کہا میں تم کو اس سے بہتر اور عمدہ تدبیر نہ بتلاؤں میں نے کہا کیوں نہیں۔ ضرور بتلاؤ اس شخص نے کہا اس طرح کہو۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

اور پھر ذرا ہٹ کر اقامت کی تلقین کی کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو اس طرح کہو اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد دو مرتبہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کا اضافہ کیا جب صبح ہوئی تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ خواب بیان کیا۔ سنتے ہی ارشاد فرمایا۔

---

[1] اسی بارے میں عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے

اَحْمَدُ اللّٰہَ ذَاالْجَلَالِ وذاالاکرا م حَمْدًا علی الاذان کثیراً

میں خداوند ذوالجلال کا اذان کی نعمت پر بہت بہت شکر کرتا ہوں۔

اِذْاَتَانِی بہ البشیر من اللہ فَاَکْرِمْ بہ لَدَیَّ بشیرًا

اللہ کی طرف سے میرے پاس ایک بشیر (بشارت دینے والا) آیا اور کیسا اچھا بشارت دینے والا تھا۔

فِی لَیَالٍ وَالٰی بِھِنَّ ثلاثٍ کُلَّمَا جَاءَ زَادَنِی تَوقیرًا

مسلسل تین رات تک خدا کا بشیر آیا اور برابر میری عزت میں اضافہ کرتا رہا (سنن ابن ماجہ)

ان ھذہ لرؤیا حق ان شاء الله تعالیٰ	تحقیق یہ خواب بالکل سچا اور حق ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس مقام پر کلمۂ انشاء اللہ تعالیٰ۔ تعلیق اور شک کے لئے نہیں بلکہ تبرک اور تادب کے لئے ہے جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کر چکے ہیں۔ (فتذکرہ)

اور بعدازاں عبداللہ بن زید کو حکم دیا کہ یہ کلمات بلال کو بتلادیں کہ وہ اذان دے اس لئے کہ بلالؓ کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے۔

بلالؓ نے اذان دی۔ حضرت عمرؓ کے کان میں آواز پہنچی اسی وقت چادر گھسیٹتے ہوئے گھر سے نکلے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ۔

وَالذی بعثك بالحق لقد رایت مثل الذی اُری	قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ البتہ تحقیق میں نے بھی ایسا ہی دیکھا جیسا عبداللہ بن زید کو دکھلایا گیا۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فللّٰہ الحمد اس حدیث کو محمد بن اسحٰق نے اس سند سے ذکر کیا ہے۔

قال ابن اسحق حدثنی بهذا الحديث محمد بن ابراهيم التيمی عن محمد بن عبد اللّٰه بن زيد بن عبد ربه عن ابيه

اور اسی سند کے ساتھ امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے محمد بن ابراہیم تیمی کی اس حدیث کی بابت دریافت کیا تو فرمایا کہ میرے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن کبریٰ للامام البیہقی) امام ابن خزیمہ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں۔

هذا حديث صحيح ثابت مِنْ جهة النقل۔	یہ حدیث صحیح ہے اور باعتبار نقل اور سند کے ثابت اور مستند ہے۔

محمد بن یحییٰ ذھلی نے اس حدیث کو صحیح بتلایا ہے امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث عبداللہ بن زید حدیث حسن صحیح

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے بیان کیا کہ عبداللہ بن زید نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے ہے اوّل دیوار پر چڑھا اور دو مرتبہ اذان دی اور پھر اترا اور دو مرتبہ اقامت کہی۔

حافظ علاء الدین ماردینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام راوی شرط بخاری پر ہیں (جوہر نقی بر حاشیہ سنن کبریٰ ص ۴۲۰ ج ا۔) اور معجم طبرانی اوسط میں ہے کہ ابوبکر صدیق نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا۔ دیکھو۔ الفتوحات الربانیہ علی الاذکار النوویہ للشیخ ابن اعلان المکی ص ۷۰ جلد دوم۔

لطائف ومعارف

ایمان کے بعد درجہ نماز کا ہے جس کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا نہایت ضروری ہے اور ایک وقت اور ایک جگہ میں لوگوں کا اجتماع بدون اعلام اور آگاہ ہونے کے دشوار ہے۔ آں حضرت ﷺ نے مجلس میں اس کا ذکر کیا کسی نے آگ روشن کرنے کا ذکر کیا اور کسی نے بوق بجانے کا ذکر کیا اور کسی نے ناقوس بجانے کا ذکر کیا آں حضرت ﷺ نے آگ روشن کرنے کو مجوس کے ساتھ مشابہت ہونے کی وجہ سے نامنظور کیا اور بوق کو یہود کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اور ناقوس کو نصاریٰ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے رد فرما دیا بلا کسی بات کی تعیین کے مجلس ختم ہوگئی اور لوگ اپنے اپنے گھر واپس ہو گئے۔

(۱)

اس عرصہ میں عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کو اذان اور اقامت خواب میں دکھلائی گئی عبداللہ بن زید نے اپنا خواب آں حضرت ﷺ سے بیان کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ خواب حق اور صدق ہے یعنی من جانب اللہ ہے القاء نفسانی اور القاء شیطانی سے پاک اور منزہ ہے

رؤیائے صالحہ اور الہام سے اگرچہ حکم یقینی نہیں ثابت ہوسکتا لیکن آں حضرت ﷺ کی تصدیق اور تقریر یعنی آپ کے برقرار رکھنے نے اس خواب کو وحی جلی کے حکم میں بنادیا اور انہی الفاظ کے ساتھ آں حضرت ﷺ نے لوگوں کو اذان دینے کا حکم دیا یہاں تک کہ اذان کو شعائر دین میں سے اسلام کا ایک عظیم شعار ٹھہرادیا گیا اور مذہب کا ایک خاص نشان بن گیا۔

(۲)

پھر یہ کہ کلمات اذان کی ترکیب اور ترتیب بھی نہایت عجیب ہے کہ یہ چند کلمات اسلام کے تین بنیادی اصول۔ توحید اور رسالت اور آخرت پر مشتمل ہیں۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ میں خداوند ذوالجلال کی عظمت و کبریائی کا بیان ہے اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں توحید کا اثبات اور شرک کی نفی ہے اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ میں اثبات رسالت ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ خدا تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عبادت کا طریقہ ہمیں اس نبی برحق کے ذریعہ معلوم ہوا اور اعلان توحید و رسالت کے بعد لوگوں کو سب سے افضل اور بہتر عبادت (نماز) کی طرف حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃ کہہ کر بلایا جاتا ہے پھر اخیر میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کہہ کر فلاح دائمی کی طرف دعوت دی جاتی ہے جس سے معاد یعنی آخرت کی طرف اشارہ ہوجاتا ہے کہ اگر بقاء دائم اور ہمیشہ کی بہبودی اور کامیابی چاہتے ہو تو مولائے حقیقی کی اطاعت اور بندگی میں لگے رہو فلاح سے آخرت کی دائمی کامیابی مراد ہے اور اخیر میں پھر کہہ دیتے ہیں۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ کہ اللہ ہی سب سے اعلیٰ اور برتر ہے اس کے سوا کوئی معبود اور کوئی لائق اطاعت اور بندگی نہیں دیکھو[1]

جس کو خدا تعالیٰ نے ذرہ بھی عقل سلیم سے کچھ بہرہ عطا فرمایا ہے وہ کلمات اذان کا ایک سرسری ترجمہ ہی دیکھ کر یہ سمجھ سکتا ہے کہ اذان سراسر دعوت حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی

---

[1] قال القرطبی وغیرہ الاذان علی قلۃ الفاظہ مشتمل علی مسائل العقیدۃ ولانہ بداء بالاکبریۃ وہی تتضمن وجود اللہ وکمالہ ثم ثنی بالتوحید ونفی الشریک ثم باثبات الرسالۃ لمحمد ﷺ ثم دعا الی الطاعۃ المخصوصۃ عقیب الشہادۃ لانہا لاتعرف الا من جہۃ الرسول ثم دعا الی الفلاح وہو البقاء الدائم وفیہ الاشارۃ الی المعاد ثم اعادہ ما اعادتوکیدا۔ فتح الباری ص ۶۲ ج ۲۔

طرف بلانے والی آواز ہے اور یہود اور نصاریٰ اور ہنود وغیرہ کا بوق اور ناقوس اور گھنٹہ اور سنکھ سب کھیل اور تماشے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی اور اسکی الوہیت اور وحدانیت کے اعلان سے بندہ خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے گھنٹوں اور طبلوں کی آوازوں سے کبھی خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔

ایں رہ کہ تو می روی بترکستان است

(۴)

اذان کی مشروعیت بذریعہ خواب کے بظاہر اس لیے ہوئی کہ اذان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت ورسالت کے اعلان پر مشتمل ہے اور آپ کی نبوت ورسالت کا ڈنکا بجانا اور آپ کے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دینا یہ خادموں اور غلاموں کا فریضہ ہے۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید درحدیث دیگر اں

لیلۃ المعراج میں حق تعالیٰ نے بالمشافہ آپ کو نماز کا حکم دیا اور آسمانوں کے عروج ونزول میں آپ کو اذان سنائی گئی۔ آسمان میں فرشتہ نے اذان دی اور آپ نے سنی جیسا کہ خصائص کبری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے[۱]

اور حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جبرئیل امین نے آسمان میں اذان دی اور مجھ کو امامت کے لیے آگے کیا۔ پس میں نے فرشتوں کو نماز پڑھائی[۲]

پھر ہجرت کے بعد جب نماز کے اجتماع کے لیے اعلام اور اعلان کی ضرورت محسوس ہوئی تو عبداللہ بن زید کو خواب میں اذان اور اقامت دکھائی دی اور عبداللہ بن زید نے خواب میں جو اذان اور اقامت دیکھی حضور پرنور نے سنتے ہی سمجھ لیا کہ یہ وہی اذان اور اقامت ہے جو میں نے شب معراج میں آسمان پر سُنی تھی اس لیے آپ نے سنتے ہی

۱ الخصائص الکبریٰ ج:۱ص:۱۶۴ ۲ الخصائص الکبریٰ ج:۱ص:۱۷۶

فرمایا۔انھا الرؤیا حق۔ یہ سچا خواب ہے یعنی میں نے بحالت بیداری جو شب معراج میں سنا ہے۔اس کے بالکل مطابق اور موافق ہے۔

(۴)

اذان اور اقامت کے بارے میں روایتیں مختلف آئی ہیں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان میں ترجیع آئی ہے جس میں اذان کے انیس کلمے ہیں اور اقامت کے سترہ کلمے ہیں امام شافعیؒ نے ابومحذورہ کی اذان کو اختیار فرمایا۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے عبداللہؓ بن زید کی حدیث کے مطابق اذان کو اختیار فرمایا۔ اسلئے کہ اذان کی اصل مشروعیت عبداللہ بن زید کے خواب سے وابستہ ہے پھر فاروق اعظم نے بھی اسی کے موافق خواب دیکھا۔

اور شیخ ابن اعلان مکیؒ[۱] شرح کتاب الاذکار ص ۰۷ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ معجم طبرانی اوسط میں ہے کہ ابوبکر صدیق نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا۔اھ

پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس کو رؤیائے حق فرما کر اس کی تصدیق کی اور اسی کے مطابق بلال کو اذان دینے کا حکم دیا۔اس لیے کہ عبداللہ بن زید کی اذان اُس اذان کے مطابق تھی کہ جو اذان آسمان پر حضور نے شب معراج میں جبرئیل امین سے سنی تھی اور جبرئیل امین کے کہنے سے فرشتوں کو نماز پڑھائی تھی۔حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن زید نے جب اپنا خواب حضور پُرنور سے بیان کیا تو یہ فرمایا کہ یہ اذان جو تم کو خواب میں دکھلائی گئی ہے بلال کو سکھلا دو کیونکہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں۔

بعدازاں بلال آپ کی تمام زندگی بھر آپ کی موجودگی میں وہی اذان دیتے رہے جو عبداللہ بن زید نے اُن کو سکھلائی تھی۔

---

[۱] وفی اوسط الطبرانی ان ابا بکر رضی اللہ عنہ راٰہ ایضاوفی الوسیط راہ بضعۃ عشر رجلا الخ کذافی الفتوحات الربانیہ علی الاذکار النوویہ ص ۰۷ ج ۲ وقال العلامۃ الزرقانی ووقع فی الاوسط الطبرانی ان ابا بکر ایضارأی الاذان اخرجہ من طریق زفر بن الہذیل عن ابی حنیفۃ عن علقمۃ ابن مرثد عن ابن بریدۃ عن ابیہ ان رجلا من الانصار الحدیث قال الطبرانی لم یروہ عن علقمۃ الا ابوحنیفہ۔زرقانی ص ۳۷۷ ج ۱۔

اور احادیث صحیحہ اور صریحہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ عبداللہ بن زید کی اذان میں ترجیع نہ تھی اور یہ ابھی گذر چکا ہے کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا جیسا عبداللہ بن زید نے دیکھا (جس میں ترجیع نہ تھی)

اس لیے امام اعظم ابوحنیفہ نے ان وجوہ کی بنا پر اذان کی اس کیفیت کو افضل قرار دیا کہ جو عبداللہ بن زید کی حدیث میں مذکور ہے۔

(۵)

اذان چونکہ اسلام کا ایک عظیم شعار ہے اور اس کے کلمات میں خاص انوار و برکات ہیں اس لیے شریعت میں یہ حکم ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کے کان میں اذان دی جائے تاکہ ولادت کے بعد سب سے پہلے توحید و رسالت کی آواز کان میں پہنچے تاکہ عہد الست کی تجدید و تذکیر ہو جائے۔

اتانی ہواہاقبل أن اعرف الھوی　　فصادف قلبا خالیا فتمکّنا

باب ذکر الہجرۃ من مکۃ المکرّمۃ الی المدینۃ الشریفۃ

وَاِذْ فَشَا الا سْلَامُ بِالْمَدِیْنَہْ　　ھَا جَرَ مَنْ یَّحْفَظُ فِیْھَا دِیْنَہْ

مدینہ میں جب اسلام پھیل گیا تو صحابہ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تاکہ اطمینان کے ساتھ احکام اسلام کو بجالا سکیں اور امن کے ساتھ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی بندگی کر سکیں۔

وَعَزَمَ الصِّدِّیْقُ اَنْ یُّھَاجِرَا[۱]　　فَرَدَّہُ النَّبِیُّ حَتّٰی ھَاجَرَا
مَعاً اِلَیْھَا فَتَرَافَقَا اِلٰی　　غَارٍ بِثَوْرٍ بَعْدُ ثُمَّ ارْتَحَلَا

جب مسلمان ہجرت کر کے یکے بعد دیگرے مدینہ روانہ ہونے لگے تو ابوبکرؓ نے بھی ہجرت کا ارادہ فرمایا مگر نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اپنی معیت اور رفاقت کی خاطر ابو

[۱] یہاجرا میں الف اشباع کا ہے اور مصرع ثانی میں حتیٰ ہاجرا میں الف تثنیہ کا ہے جس کی ضمیر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور ابوبکر صدیقؓ کی طرف راجع ہے ۱۲۔

بکر کو ہجرت کرنے سے روک دیا۔ یہاں تک کہ آپ نے اور ابو بکرؓ نے ساتھ ہجرت فرمائی۔ اوّل گھر سے نکل کر دونوں غارِ ثور میں جا کر چھپے اور تین شب رہ کر دونوں حضرات نے مدینہ کی طرف کوچ فرمایا۔

وسعهما عامرٌ مولى الصديق وابن اريقطٍ دليلٌ لِلطريق

اور آپ نے ہمراہ ابو بکر صدیقؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہؓ تھے اور عبداللہ بن اریقط رہنمائی کے لیے ساتھ تھا۔

فَاَخَذُوانحوطَريق السّاحل وَالحَقُّ لِلعَدُوّخَيرُ شاغِل

پس ساحل کے راستہ سے روانہ ہوئے اور حق تعالیٰ شانہ آپ کے دشمنوں کو آپ کے پکڑنے سے مشغول رکھنے والا تھا کہ دشمن مشغول رہیں اور آپ صحیح وسالم مدینہ پہنچ جائیں۔

تَبِعَهُم سُرَاقَةُ بنُ مَالِكٍ يُرِيدُ فَتكاً وهو غَيرُ فاتكٍ

سراقہ نے آپ کا تعاقب کیا اور آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا مگر وہ آپ کو کب قتل کر سکتا تھا اس لیے کہ خدا آپ کے ساتھ تھا۔

لَمَّا دَعَا عَلَيهِ سَاخَتِ الفَرَسُ نَادَاهُ بالاَمَانِ اِذعَنَه حَبَسُ

آپ کی نظر مبارک جب سراقہ پر پڑی تو آپ نے بددعا فرمائی اسی وقت سراقہ کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ نے مجبور ہو کر آپ سے امن کی درخواست کی۔

مَرُّوا عَلىٰ خَيمَةِ اُمّ مَعبَدٍ وَهيَ عَلىٰ طَريقهم بمَرصَدٍ

راستہ میں امّ معبد کے خیمہ پر گذر ہوا جس کا خیمہ راستہ میں گھات کی جگہ میں پڑتا تھا۔

وَعِندَهَا شَاةٌ اَضَرَّ الجُهدُ بهَا ومَا[1] بهَا قُوىً تَشتَدُّ

امّ معبد کے پاس ایک بکری تھی جس کو بیماری نے اس قدر لاغر اور دبلا بنا دیا تھا کہ اس میں دوڑنے اور چلنے پھرنے کی بھی قوت نہ رہی تھی کہ وہ کس طرح چل کر بکریوں کے گلہ کے ساتھ چراگاہ کو جا سکے اس لیے وہ خیمہ ہی میں بندھی ہوئی تھی۔

---

[1] کلمۃ ما نافیۃ ۱۲

فَمَسحَ النَّبِیُّ منها الضَّرْعَا فَحَلَبتُ ماقد کفاهم وُسْعَا
نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اپنا دست مبارک اس کے تھن پر پھیرا۔ پس اس نے اسقدر دودھ دیا کہ سب کے لیے خوب کافی ہوگیا اور سب سیراب ہو گئے۔

وَحَلَبتُ بَعْدُاِنَاءً اٰخَرَا تَرَكَ ذَاكَ عِنْدَهَا وَسَافَرَا
اس کے بعد ایک دوسرا برتن دودھ سے دوہا اور وہ دودھ کا بھرا ہوا برتن ام معبد کے پاس چھوڑ کر روانہ ہوئے۔ نیز حافظ عراقی الفیۃ السیرۃ میں فرماتے ہیں

باب ذکر وصوله صلی اللہ علیہ وسلم الی قباء ثم وصوله المدینۃ الشریفۃ

(آپ کا قباء پہنچنا اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ پہنچنا)

حَتّٰی اَتٰی اِلٰی قُبَاءٍ نَزَلَهَا بِالسَّعْدِوَالْهَنَاءِ
فِیْ یَوْمِ الْاِثْنَیْنِ لِثِنْتَی عَشْرَهْ مِنْ شَهْرِ مَوْلُودٍ فَنِعْمَ الْهِجْرَه
یہاں تک کہ آپ بروز دوشنبہ ماہ ولادت یعنی ماہ ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ کو خیر و برکت کے ساتھ قباء میں پہنچے۔

اَقَامَ اَرْبَعاً لَدَیْهِمْ وَطَلَعْ فِیْ یَوْمِ جُمُعَةٍ وَصَلّٰی وَجَمَعْ
فِیْ مسجد الجمعة وهی اوّل ما جَمَعَ النبی فیما نَقَلوا
چار شب قباء میں قیام فرما کر جمعہ کے روز مدینہ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں مسجد جمعہ میں جمعہ ادا فرمایا اور یہ آپ کا پہلا جمعہ تھا۔ قباء میں چار روز قیام کرنا یہ ارباب سیر کا قول ہے بخاری اور مسلم کی روایت کا ذکر آئندہ اشعار میں آتا ہے۔

وقیل بَلْ اَقَامَ اَرْبَعَ عَشْرَهْ فِیْهِمْ وهُمْ یَنْتَحِلُوْنَ ذِکْرَهْ
بعض کہتے ہیں کہ قباء میں چودہ شب قیام فرمایا اور اہل علم اور محققین اسی طرف مائل ہیں

وَهُوالذیْ اخرجه الشیخان لٰکن مامَرَّمن الاتیان
بمسجد الجمعة ویوم الجمعه لا یستقیم مع هذه المدّه
اِلَّا علی القول بِکُوْن القِدْمَهْ الی قبا کانت بیوم الجمعه

جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ہے کہ آپ نے قباء میں چودہ شب قیام فرمایا مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ آپ قباء میں بروز دوشنبہ رونق افروز ہوئے اور جمعہ کو مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے اس حساب سے قباء میں چار شب قیام فرمایا اگر اسی جمعہ کو مدینہ کی روانگی قرار دی جائے اور دس شب قیام فرمایا۔ اگر آئندہ جمعہ کو روانگی قرار دی جائے۔ بہرحال بخاری شریف و مسلم کی روایت کی بناء پر چودہ شب کا قیام راست نہیں بیٹھتا مگر جب کہ قباء میں رونق افروزی بھی بجائے دوشنبہ کے جمعہ کے روز مانی جائے تو پھر شنبہ سے لے کر پنجشنبہ تک چودہ راتیں ہو جاتی ہیں۔

بَنىٰ بها مَسْجِدَهٗ وَارتَحَلَا بطيبة الفَيْحَاءِ[1] طَابَتْ نُزُلاً

اور قباء کے زمانۂ قیام میں مسجد قباء کی بنیاد رکھی اور پھر قباء سے مدینہ کی طرف رحلت فرمائی۔

فبركت ناقته الماموره بموضع المسجد في الظهيره

پس آپ کی ناقہ جو منجانب اللہ مامور تھی دوپہر کے وقت مدینہ پہونچی اور مسجد نبوی کی جگہ بیٹھ گئی۔

فحل في دارابي ايوبا حتى ابتنى مسجده الرحيبا

اور ابوایوب انصاری کے گھر میں جا کر اترے یہاں تک کہ آپ نے ایک وسیع مسجد بنائی

وحوله منازلاً لِاَهْلِهٖ وَحَولَهٗ اَصحابه في ظِلّهٖ

اور مسجد کے گرد ازواج مطہرات کیلئے حجرے تعمیر کرائے جب حجروں کی تعمیر ہو چلی تو ابوایوبؓ کے مکان سے حجروں میں منتقل ہو گئے اور آپ کے قرب کی وجہ سے کچھ صحابہ نے بھی آپکے زیر سایہ مکانات بنائے۔

طابت به طيبةُ من بعدِ الرّدىٰ اشرق ماقد كان منها اسود

مدینہ پہلے ردّی اور خراب تھا آپ کی تشریف آوری سے پاکیزہ ہو گیا پہلے مظلم اور تاریک تھا اب روشن اور منور ہو گیا۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب آپ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو ہر چیز روشن ہو گئی۔ رواہ الترمذی فی المناقب وقال صحیح غریب زرقانی ص ۳۵۹ ج ۱

[1] ای الواسعۃ ۱۲

کانت لمن اوبأ ارض اللّٰہ   فزال داءٌ ھا بھذا الجاہ
مدینہ کی زمین بڑی وبائی زمین تھی۔   مدینہ کی وبا آپ کی برکت سے دور ہوئی

وَنَقَلَ اللّٰہ بفضلِ رَحْمَۃٌ   مَا کَانَ مِن حمیٰ بِھا للجُحُفَۃٌ
اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مدینہ کا بخار۔ جحفہ کی طرف منتقل فرمادیا۔

بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو تمام روئے زمین سے زیادہ مدینہ کی سرزمین میں وبا تھی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ اے اللہ مدینہ کو پاک وصاف فرما اور اس وبا کو جحفہ کی طرف منتقل فرما۔

یہ حدیث صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں مذکور ہے۔ باب فضائل المدینہ اور کتاب المرضیٰ۔ اور کتاب الدعوات میں۔

قال ابن اسحق وذکرابن شہاب الزھری عن عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لما قدم المدینۃ ھوواصحابہ اصابتھم حمّی المدینۃ حتی جھد وامرضا وصرف اللّٰہ ذلک عن نبیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حتی کانوا مایصلون الاوھم قعود قال فخرج علیھم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھم یصلون کذلک فقال لھم اعلموا ان صلوۃ القاعد علی النصف من صلوۃ القائم قال

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور آپ کے اصحاب جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو شدید بخار میں مبتلا ہوئے اور اصحاب اتنے کمزور ہو گئے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے ایک روز آں حضرت ﷺ نے گذرتے ہوئے دیکھا کہ لوگ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں تو یہ فرمایا کہ بیٹھنے والے کی نماز کھڑے ہونے والے کی نماز سے اجر میں نصف ہے اس ارشاد کے بعد صحابہ مشقت برداشت کرتے اور باوجود شدید ضعف اور بیماری کے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تا کہ قیام کا اجر اور اس کی فضیلت حاصل ہو۔

فتجشم المسلمون القيام على مابهم من الضعف والسقم التماس الفضل۔ (سیرۃ ابن ہشام ص ۲۱۶ ج ۱)

لیس دَجَّالٌ ولا طاعون   یدخلها فحرزها حصین

مدینہ میں نہ دجال داخل ہو سکے گا اور نہ طاعون۔ مدینہ سب آفات کے لیے بمنزلہ حصن حصین (مضبوط قلعہ) کے ہوگا۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ مدینہ کے راستوں پر فرشتوں کا پہرہ ہے نہ اس میں دجال داخل ہوسکتا ہے اور نہ طاعون۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث کو فضائل مدینہ اور کتاب الطب اور کتاب الفتن میں ذکر کیا ہے۔

اَقام شهراً ثم بَعْدُ نزلَتْ   عَليه اتمامُ الصلوةِ كملت

ایک ماہ قیام کے بعد مقیم کی نماز میں دو رکعتیں بڑھادی گئیں اور مسافر کی نماز دو ہی رکعت رہی جیسا کہ ابتداء سے ہی تھی۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

اقام شهرا ربيع لِصَفَرْ   يُبْنىٰ لَهٗ مسجِدَہ

ماہ ربیع الاوّل سے ماہ صفر تک مسجد نبوی کی تعمیر میں مشغول رہے۔

وَوَداعَ اليهودَ في كتابه   مَابَيْنَهم وبين اَصْحَابه

اور اسی اثناء میں یہود اور حضرات صحابہ کے مابین آپ نے ایک تحریری معاہدہ فرمایا جس کو ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

وكان اَمْرُ البدءِ بالاذان   رؤيا ابنِ زيدٍ اولعَام ثان

اور اذان کی ابتداء عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خواب سے ہوئی یہ واقعہ ۱ھ یا ۲ھ میں پیش آیا۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔

یہودِ مدینہ سے معاہدہ

مدینہ منورہ میں اکثر وبیشتر آبادی اوس وخزرج کے قبائل کی تھی۔ مگر عرصۂ دراز سے یہود بھی یہاں آباد تھے اور ان کی کافی تعداد تھی مدینہ منورہ اور خیبر میں اُن کے مدرسے اور علمی مراکز تھے اور خیبر میں ان کے متعدد قلعے تھے۔ یہ لوگ اہل کتاب تھے اور سرزمین حجاز میں بمقابلہ مشرکین ان کو علمی تفوق اور امتیاز حاصل تھا۔ ان لوگوں کو کتب سماویہ کے ذریعہ نبی آخرالزمان کے احوال واوصاف کا بخوبی علم تھا کما قال تعالیٰ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ مگر طبیعت میں سلامتی نہ تھی جس سے حسد اور عناد جحود اور استکبار ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا کما قال تعالےٰ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ اس وقت بھی یہود۔ قریش کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اکساتے رہے اور اُن کو تلقین کرتے رہے کہ آپ سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین اور روح کے متعلق دریافت کرو وغیرہ وغیرہ جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آتش حسد وعناد اور مشتعل ہوگئی اور سمجھ گئے کہ اب ہماری علمی برتری ختم ہوئی اور اہل ہواء وہوس نے حق کی عداوت میں اپنے پچھلوں کا اتباع کیا۔ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ اور اصحاب سبت کی روش اختیار کی۔

علماء اور احبار یہود میں سے جو صالح اور سلیم الفطرت تھے انہوں نے نبی آخرالزمان کی پیش گوئیوں کو ظاہر کیا اور آپ پر ایمان لائے مگر اکثروں نے معاندانہ رویہ اختیار کیا اور حسد اور عناد اُن کے لیے سدّ راہ بنا اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حسد اور عناد اور فتنہ وفساد کے انسداد لیے اُن سے ایک تحریری معاہدہ کیا تا کہ ان کی مخالفت اور عناد میں زیادتی نہو اور مسلمان اُن کے فتنہ اور فساد سے محفوظ رہ سکیں۔ قرآن کریم یہود کی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں کے بیان سے بھرا پڑا ہے۔ اس لیے آپ نے اُن سے معاہدکیا تا کہ اُن کے فتنہ وفساد میں ازدیاد اشتداد اور امتداد نہ ہوسکے۔ چنانچہ آپ نے ہجرت مدینہ کے پانچ[1] ماہ بعد

---

[1] اصل معاہدہ تو سیرۃ ابن ہشام اور البدایۃ والنہایۃ ص ۲۲۴ ج ۳ میں مذکور ہے مگر اس میں تاریخ کا ذکر نہیں۔

یہودِ مدینہ سے ایک معاہدہ فرمایا جس میں اُن کو اپنے دین اور اپنے اموال واملاک پر برقرار رکھ کر حسب ذیل شرائط پر ان سے ایک تحریری عہد لیا گیا۔ مفصل معاہدہ تو سیرت ابن ہشام ص ۱۷۸ ج ۱ میں اور البدایہ والنہایہ ص ۲۲۴ ج ۳ میں مذکور ہے۔ مگر اُس کا خلاصہ حسبِ ذیل امور ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریری عہد نامہ ہے محمد نبی اُمّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے درمیان مسلمانان قریش و یثرب کے اور یہود کے کہ جو مسلمانوں کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ الحاق چاہیں ہر فریق اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر امور ذیل کا پابند ہوگا۔

(۱) قصاص اور خون بہا کے جو طریقے قدیم زمانہ سے چلے آرہے ہیں وہ عدل اور انصاف کے ساتھ بدستور قائم رہیں گے۔

(۲) ہر گروہ کو عدل اور انصاف کے ساتھ اپنی جماعت کا فدیہ دینا ہوگا یعنی جس قبیلہ کا جو قیدی ہوگا اس قیدی کے چھڑانے کے لیے زرفدیہ کا دینا اُسی قبیلہ کے ذمہ ہوگا۔

(۳) ظلم اور اثم اور عدوان اور فساد کے مقابلہ میں سب متفق رہیں گے۔ اس بارے میں کسی کی رعایت نہ کی جائے گی اگرچہ وہ کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

(۴) کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کسی کافر کے مقابلہ میں قتل کرنے کا مجاز نہ ہوگا اور نہ کسی مسلمان کے مقابلہ میں کسی کافر کی کسی قسم کی مدد کی اجازت ہوگی۔

(۵) ایک ادنیٰ مسلمان کو پناہ کا وہی حق ہوگا جیسا کہ ایک بڑے رتبہ کے مسلمان کو ہوگا۔

(۶) جو یہود مسلمانوں کے تابع ہو کر رہیں گے اُن کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔ ان پر نہ کسی قسم کا ظلم ہوگا اور نہ اُن کے مقابلہ میں اُن کے دشمن کی کوئی مدد کی جائے گی۔

(۷) کسی کافر اور مشرک کو یہ حق نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش کے کسی جان یا مال کو پناہ دے سکے یا قریش اور مسلمانوں کے مابین حائل ہو۔

(۸) بوقت جنگ یہود کو جان و مال سے مسلمانوں کا ساتھ دینا ہوگا۔ مسلمانوں کے خلاف مدد کی اجازت نہ ہوگی۔

(۹) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دشمن اگر مدینہ پر حملہ کرے تو یہود پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد لازم ہوگی۔

(۱۰) جو قبائل اس عہد اور حلف میں شریک ہیں اگر ان میں سے کوئی قبیلہ اس حلف اور عہد سے علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے علیحدگی اختیار کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

(۱۱) کسی فتنہ پرداز کی مدد یا اُس کو ٹھکانہ دینے کی اجازت نہ ہوگی اور جو شخص کسی بدعتی کی مدد کرے گا یا اُس کو اپنے پاس ٹھکانہ دے گا تو اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہے قیامت تک اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا۔

(۱۲) مسلمان اگر کسی سے صلح کرنا چاہیں گے تو یہود کو بھی اس صلح میں شریک ہونا ضروری ہوگا۔

(۱۳) جو کسی مسلمان کو قتل کرے اور شہادت موجود ہو تو اس کا قصاص لیا جائے گا الا یہ کہ ولی مقتول دیت وغیرہ پر راضی ہو جائے۔

(۱۴) جب کبھی کوئی جھگڑا یا کوئی باہمی اختلاف پیش آئے تو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ (البدایۃ والنہایۃ ص۲۲۴ ج ۳)

جن قبائل[۱] سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاہدہ کیا ان میں یہود کے تین بڑے قبیلے شامل تھے جو مدینہ اور اطراف مدینہ میں رہتے تھے۔ (۱) بنی قینقاع۔ (۲)۔ بنی نضیر۔ (۳) بنی قریظہ۔ ان قبائل نے چونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے گریز کیا۔ اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے یہ عہد نامہ لکھوایا تا کہ فتنہ اور فساد نہ پھیلا سکیں مگر تینوں قبیلوں نے یکے بعد دیگرے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور اسلام کی دشمنی اور اس کے خلاف سازشوں میں پورا پورا حصّہ لیا اور اپنے کیے کی سزا بھگتی جیسا کہ آئندہ غزوات کے بیان میں آئے گا۔

---

[۱] ذکر ابن اسحٰق ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وادع الیہود لما قدم المدینۃ وامتنعوا من اتباعہ فکتب بینہم کتابا وکانوا ثلاث قبائل قینقاع والنضیر وقریظہ۔ فنقض الثلاثۃ العہد طائفۃ بعد طائفۃ فمن علی بنی قینقاع واجلی بنی النضیر واستاصل بنی قریظۃ وسیاتی بیان ذلک کلہ مفصلا انشاء اللہ تعالیٰ۔ فتح الباری ص ۲۱۴ ج ۷

ابوعبید کتاب الاموال میں فرماتے کہ یہ عہدنامہ جزیہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے لکھا گیا اور اسلام اس وقت ضعیف تھا اور ابتداء میں یہ حکم تھا کہ اگر یہود مسلمانوں کے ساتھ کسی غزوہ میں شرکت کریں تو مالِ غنیمت میں سے اُن کو کچھ دے دیا جائے اسی وجہ سے اس عہدنامہ میں یہود پر یہ شرط عائد کی گئی کہ جنگی اخراجات میں اُن کو بھی حصہ لینا پڑیگا[۱]

تنبیہ: معاہدہ کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ معاہدہ مسلمانوں اور یہود کے درمیان اس طور پر ہوا کہ مسلمان متبوع ہوں گے اور یہود ان کے تابع ہوں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فریقین کے مسلّمہ حاکم ہیں اور جب کوئی اختلاف پیش آئے گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور جو آپ فیصلہ فرمائیں گے اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

یہ معاہدہ اس نوع کا ہے جیسے اہل اسلام اور ذمیین کے درمیان ہوتا ہے مگر بالکل اُس جیسا نہیں اس لیے کہ ہجرت کے بعد کا وقت اسلام کے اقتدار اور ریاست کا بالکل آغاز ہے صلح حدیبیہ اور فتح مکہ سے اسلامی حکومت کا دور شروع ہوتا ہے۔

بعض مسلمان جو کانگریس کے ساتھ اتحاد کے قائل ہُوئے اس اتحاد کے لیے جب اُن کو کتاب وسُنّت میں کوئی گنجائش نہ ملی تو اس معاہدہ سے استدلال شروع کیا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس لیے کہ اس معاہدہ کی تمام دفعات از اوّل تا آخر اس امر کی شاہد ہیں[۲] کہ اسلام کا حکم غالب رہے گا اور غیر مسلم قوم حکم اسلام کے تابع رہے گی۔ جیسا کہ سیر کبیر وغیرہ میں یہ شرط مصرح ہے ہندو مسلم اتحاد کے حامیوں کی یہ ایک نئی ایجاد ہے اور نیا اجتہاد ہے جس کی دین میں کوئی بنیاد نہیں۔

واقعات متفرقہ ۱ھ

(۱) قباء سے مدینہ منورہ آنے کے بعد کلثوم بن ہدم جن کے مکان پر قباء کے زمانۂ قیام میں آپ فروکش رہے انتقال کر گئے[۳]

(۲) مسجد نبوی کی تعمیر سے آپ ہنوز فارغ نہ ہُوئے تھے کہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ

---

[۱] روض الانف۔ ج:۲ ص:۱۷ [۲] روض الانف ج ۲ ص ۱۷۔ [۳] ایضاً

تعالیٰ عنہ نقیب بنی النجار انتقال کر گئے بنو النجار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ ان کی بجائے کسی اور کو نقیب مقرر فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم میرے ماموں ہو میں تم سے ہوں اور میں تمہارا نقیب ہوں۔

آپ کا بنی النجار کی نقابت قبول فرمانا یہ بنی النجار کے مناقب میں سے ہے جس پر وہ لوگ فخر کرتے تھے[۱]

(۳) اور اسی سال مشرکین مکہ کے دو سرداروں نے انتقال کیا۔ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل یعنی عمرو بن العاص فاتح مصر کے والد نے انتقال کیا[۲]

(۴) اور اسی سال مدینہ پہونچنے کے آٹھ ماہ بعد ماہ شوال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عروسی فرمائی جن سے ہجرت سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ عقد کر چکے تھے۔

عقد کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ یا سات سال تھی اور رخصت کے وقت نو سال کی تھی۔ بعض کا قول یہ ہے کہ ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد ۲ھ میں حضرت عائشہ سے خلوت فرمائی[۳]

(۵) ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینہ منورہ آئے تو مدینہ کے تمام کنویں کھاری تھے صرف ایک بیر رومہ کا پانی شیریں تھا جس کا مالک ایک یہودی تھا جو بغیر قیمت کے پانی نہ دیتا تھا۔ فقراء مسلمین کو دشواری پیش آئی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بیر رومہ کو خرید کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر جنت کے ایک چشمہ کے معاوضہ میں فروخت کیا اور مسلمانوں کے لیے وقف فرمایا کہ جس کا جی چاہے اس سے پانی بھرے۔ اس حدیث کو ترمذی نے حسن فرمایا ہے۔

یہ حدیث نہایت مشہور ہے۔ ترمذی کے علاوہ اور بھی ائمہ حدیث نے اس کی تخریج کی ہے۔ تفصیل کے لیے کنز العمال کی مراجعت کریں[۴]

---

۱ تاریخ طبری ج:۲ص:۲۵۷ ۲ اور ۳ تاریخ طبری ج:۲ص:۲۵۷۔ ۴ تاریخ طبری: ج ۶ص:۳۷۲

حضرت عثمان غنیؓ کے اس واقعہ کو امام بخاریؒ نے اجمالاً کتاب المساقات اور کتاب الوقف میں ذکر فرمایا ہے۔

اسلام صرمۃ بن ابی انس رضی اللہ عنہ

صرمۃ بن ابی انس انصاری بخاری رضی اللہ عنہ ابتداء ہی سے توحید کے دلدادہ اور کفر وشرک سے متنفر اور بیزار تھے ایک مرتبہ دین مسیحی میں داخل ہونے کا ارادہ بھی کیا لیکن (غالباً نصاریٰ کے مشرکانہ عقائد کی بنا پر) ارادہ فسخ کر دیا۔

بڑے عابد وزاہد تھے۔ راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے کبھی باریک کپڑا نہ پہنتے تھے ہمیشہ موٹے کپڑوں کا استعمال کرتے تھے۔

عبادت کے لیے ایک خاص کوٹھڑی بنا رکھی تھی جس میں حائضہ اور جنب کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی اور یہ کہا کرتے تھے ''اَعْبُدُ رَبَّ ابراہیم'' ابراہیم علیہ السلام کے رب کی عبادت کرتا ہوں۔

اپنے زمانہ کے بڑے شاعر تھے۔ اشعار تمام تر حکیمانہ وعظ اور نصیحت سے بھرے ہوئے تھے[1]۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو صرمہ بہت معمر اور بوڑھے ہو چکے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے اور یہ اشعار کہے۔

ثوی فی قریش بضع عشرة حجة　　　یذکر لو یلقی صدیقا مواتیا

حضور نے مکہ مکرمہ میں دس سال سے زیادہ قیام کیا لوگوں کو وعظ ونصیحت فرماتے تھے اور اس کے متمنی تھے کہ کوئی دوست اور مددگار مل جائے۔

ویعرض فی اهل المواسم نفسه　　　فلم یر من یؤوی ولم یر داعیا

---

[1] علامہ ابن ہشام نے اپنی سیرۃ میں دو قصیدے بیان کئے ہیں حضرات اہل علم سیرۃ ابن ہشام ص ۱۸۲ ج ۱ کی مراجعت کریں۔

اور اہل موسم پر اپنے نفس کو پیش فرماتے ہیں کہ مجھ کو اپنے یہاں لے جائے اور ٹھکانہ دے مگر کوئی ٹھکانہ دینے والا اور دعوت دینے والا نہ ملا۔

فلما اتانا اظهر اللّٰه دينه   فاصبح مسرورا بطيبة راضيا

پس جب آپ ہمارے پاس تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو غلبہ عطا کیا اور مدینہ سے مسرور اور راضی ہوئے۔

والفى صديقا واطمأنت به النوى   وكان له عونا من اللّٰه باديا

اور یہاں آکر دوست بھی ملے اور فرقت وطن کے غم سے بھی اطمینان ہوا اور وہ دوست من جانب اللہ آپ کے لیے کھلا معین اور مددگار رہا۔

يقص لنا ماقال نوح لقومه   وما قال موسىٰ اذاجاب المناديا

آپ ہمارے لیے وہ باتیں بیان کرتے ہیں کہ نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے بیان کیں۔

فاصبح لايخشى من الناس واحدا   قريبا ولا يخشى من الناس نائيا

اور یہاں آکر ایسے مطمئن ہوئے کہ کسی کا ڈر نہ رہا نہ قریب کا نہ بعید والے کا۔

بذلنا له الاموال من جل مالنا   وانفسنا عندالوغى والتآسيا

ہم نے تمام مال آپ کے لیے نثار کر دیا اور لڑائی کے وقت اپنی جانیں آپ کے لیے قربان کر دیں۔

ونعلم ان اللّٰه لاشئ غيره   ونعلم ان اللّٰه افضل هاديا

اور ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا حقیقۃً کوئی شے موجود ہی نہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ ہی سب سے بہتر ہدایت کرنے والا ہے اور توفیق دینے والا ہے۔

نعادى الذى عادىٰ من الناس كلهم   جميعا وان كان الحبيب المصافيا

ہم اس شخص کے دشمن ہیں کہ جو آپ کا دشمن ہو اگرچہ وہ ہمارا کتنا ہی محب مخلص کیوں نہ ہو۔

سـ۲ہجری

تحویل قبلہ: جب تک آں حضرت ﷺ مکہ میں رہے۔ اس وقت تک بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے مگر اس طرح کہ بیت اللہ بھی سامنے رہے جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ صورت نہ ہو سکی کہ دونوں قبلوں کو جمع فرما سکیں۔ اس لیے بحکم الٰہی سولہ یا سترہ مہینہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔

قبل اس کے کہ تحویل قبلہ کا حکم نازل فرمائیں آپ کے دل میں کعبۃ اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا شوق اور داعیہ پیدا فرمادیا۔ چنانچہ آپ بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا اٹھا کر دیکھتے تھے کہ کب کعبۃ اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم نازل ہو۔

چنانچہ نصف ماہ شعبان سـ۲ہجری میں یہ حکم نازل ہوا۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	پس آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیرلیں۔

حق جل وعلا نے پارۂ دوم کے ابتداء ہی میں تحویل قبلہ کے حکم اور اس کے اسرار وحکم کو تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ ناظرین کتب تفسیر کی مراجعت کریں۔

صُفَّہ اور اصحابِ صُفَّہ

تحویل قبلہ کے بعد جب مسجد نبوی کا رُخ بیت اللہ کی طرف ہو گیا تو قبلۂ اوّل کی طرف دیوار اور اس کے متصل جو جگہ تھی وہ اُن فقراء وغرباء کے ٹھہرنے کے لیے بدستور چھوڑ دی گئی کہ جن کے لیے کوئی ٹھکانہ اور گھر بار نہ تھا۔ یہ جگہ صُفّہ کے نام سے مشہور تھی۔

صُفّہ اصل میں سائبان اور سایہ دار جگہ کو کہتے ہیں۔ وہ ضعفاء مُسلمین اور فقراء شاکرین جو اپنے فقر پر فقط صابر ہی نہ تھے بلکہ امراء اور اغنیاء سے زیادہ شاکر اور مسرور تھے۔ جب احادیث قدسیہ اور کلمات نبویہ سننے کی غرض سے بارگاہ نبوت ورسالت میں

حاضر ہوتے تو یہاں ہی پڑے رہتے تھے۔ لوگ ان حضرات کو اصحاب صفہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ گویا یہ اس بشیر ونذیر اور نبی فقیر [1] کی خانقاہ تھی جس نے بہ ہزار رضاء ورغبت فقر کو دنیا کی سلطنت پر ترجیح دی۔

اور اصحاب صفہ ارباب توکل اور اصحاب تبتّل کی ایک جماعت تھی جو لیل ونہار تزکیۂ نفس اور کتاب وحکمت کی تعلیم پانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر رہتی تھی نہ ان کو تجارت سے کوئی مطلب تھا اور نہ زراعت سے کوئی سروکار تھا۔

یہ حضرات اپنی آنکھوں کو آپ کے دیدار پُر انوار کے لیے اور کانوں کو آپ کے کلمات قدسیہ کے سننے کے لیے اور جسم کو آپ کی صحبت اور معیت کے لیے وقف کر چکے تھے۔

وان حدثوا عنها فكلى مسامع وكُلّى اذا حدثتهم السن تتلو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے ستّر اصحاب صُفّہ کو دیکھا کہ ان کے پاس چادر تک نہ تھی فقط تہ بند تھا یا کمبل جس کو اپنی گردنوں میں باندھ لیتے تھے اور کمبل بھی اس قدر چھوٹا تھا کہ کسی کے آدھی پنڈلیوں تک پہنچتا اور کسی کے ٹخنوں تک اور ہاتھ سے اس کو تھامتے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے۔ (بخاری شریف ص ۶۳ ج ۱ باب نوم الرجال فی المسجد۔)

واثلۃ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اصحاب صفہ میں تھا ہم میں سے کسی کے پاس ایک کپڑا بھی پورا نہ تھا۔ پسینہ کی وجہ سے بدن پر میل کچیل جمارہتا تھا (حلیۃ الاولیا کی ص ۳۴۱ ج ۱) جو بارگاہ خداوندی میں ہزار نظافتوں سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ تھا۔ یہ حضرات وہی اشعث واغبر (پراگندسر اور گردآلود) تھے کہ اگر خدا پر قسم کھا بیٹھتے تھے تو خدا ان کی قسم کو پورا کرتا تھا۔

---

[1] حافظ ابن تیمیہ قدس سرہٗ نے الجواب الصحیح میں کسی مقام پر نبی اکرم ﷺ کی انبیاء سابقین پر افضلیت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ حضرت سلیمان علیہ السلام سے اس لیے افضل تھے کہ سلیمان علیہ السلام نبی بادشاہ تھے اور آپ نبی فقیر تھے۔ کما قال موسیٰ علیہ السلام رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر ۱۲

مجاہد فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ کہا کرتے تھے کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں کہ میں بسا اوقات بھوک کی وجہ سے اپنا شکم اور سینہ زمین پر لگا دیتا (تاکہ زمین کی نمی اور برودت سے بُھوک کی حرارت میں کچھ خفت آجائے) اور بسا اوقات پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا تاکہ سیدھا کھڑا ہو سکوں۔

ایک روز سر راہ جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ابوبکر صدیقؓ ادھر سے گذرے میں نے ان سے ایک آیت قرآنی کا مطلب دریافت کیا اور غرض یہ تھی کہ وہ میری صورت اور ہیئت کو دیکھ کر کھانا کھانے کے لیے اپنے ہمراہ لے جائیں لیکن ابوبکرؓ چلے گئے (غرض کو سمجھے نہیں)۔

اسی طرح پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گذرے ان سے بھی اسی طرح آیت قرآنی کا مطلب دریافت کیا مگر وہ بھی گذرے چلے گئے۔

کچھ دیر بعد ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم (جن کو خداوند ذوالجلال نے خیرات و برکات کا قاسم تقسیم کرنے والا ہی بنا کر بھیجا تھا) ادھر سے گذرے دیکھتے ہی پہچان گئے اور مسکرائے اور فرمایا اے ابوہر (یعنی اے ابوہریرہؓ)۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں آپ نے فرمایا میرے ساتھ چلے آؤ میں آپ کے ساتھ ہولیا۔ آپ گھر پہونچے۔ دیکھا تو ایک پیالہ دودھ رکھا ہے دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا۔ گھر والوں نے کہا فلاں نے آپ کو یہ ہدیہ بھیجا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اے ابوہریرہؓ اصحاب صُفّہ کو بلا لاؤ۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب صُفّہ اسلام کے مہمان تھے نہ ان کا گھرانہ اور نہ ان کے پاس کچھ مال تھا غرض یہ کہ ان کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ آپ کے پاس جب کہیں سے صدقہ آتا تو اصحاب صُفّہ کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں کچھ نہ لیتے (اسلئے کہ صدقہ آپ پر حرام تھا) اور اگر ہدیہ آتا تو خود بھی اس میں سے کچھ تناول فرماتے اور اصحاب صفہ کو بھی اس میں شریک کرتے اس وقت آپ کا یہ حکم دینا کہ اصحاب صُفّہ کو بلا لاؤ۔ میرے نفس کو کچھ شاق گذرا۔ اور اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک پیالہ دودھ کا اصحاب

صُفّہ کے لیے کافی ہوگا۔ اس دودھ کا تو سب سے زیادہ حقدار میں تھا کہ کچھ پی کر طاقت اور توانائی حاصل کرتا پھر یہ کہ اصحاب صفہ کے آنے کے بعد مجھ ہی کو اس کی تقسیم کا حکم دیں گے اور تقسیم کے بعد یہ امید نہیں کہ میرے لیے اس میں سے کچھ بچ جائے۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے چارہ نہ تھا۔

چنانچہ اصحاب صُفّہ کو بلا کر لایا اور آپ کے حکم سے ایک ایک کو پلانا شروع کیا سب سیراب ہوگئے تو میری طرف دیکھ کر آپ مسکرائے اور فرمایا کہ صرف میں اور تو باقی رہ گئے۔ میں نے عرض کیا درست ہے۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور پینا شروع کرو۔ میں نے پینا شروع کیا اور آپ برابر یہ فرماتے رہے۔

اور پیو اور پیو یہاں تک کہ میں بول اٹھا قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ اب بالکل گنجائش نہیں۔ آپ نے پیالہ میرے ہاتھ سے لے لیا اور اللہ کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھ کر جو باقی تھا اس کو پی لیا۔

(بخاری شریف کتاب الرقاق باب کیف کان عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ وتخلیھم من الدنیا)

عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ[1] فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ فقیر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو صحابہ پر تقسیم فرما دیتے کہ جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ ایک کو اور جس کے پاس تین کا ہو وہ چوتھے کو اپنے ہمراہ لے جائے اور علیٰ ہذہ (بخاری شریف)

محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ جب شام ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ کو لوگوں پر تقسیم فرما دیتے کوئی دو کو لے جاتا اور کوئی تین کو اور علیٰ ہذا اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اسّی اسّی آدمی اپنے ہمراہ لے جاتے اور ان کو کھانا کھلاتے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اہل صفہ میں تھا۔ جب شام ہوتی تو ہم

---

[1] عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی اس حدیث کو امام بخاریؒ نے جامع الصحیح میں متعدد مواضع میں ذکر فرمایا ہے کہ مثلاً باب السمر مع الاہل والضیف ص ۸۴ ج ۱ اور باب علامات النبوۃ فی الاسلام ص ۵۰۶ ج ۱۔

سب آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ آپ ایک ایک دو دو کو اغنیاء صحابہ کے سپرد فرما دیتے اور جو باقی رہ جاتے ان کو اپنے ساتھ شریک طعام فرماتے۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہم لوگ شب کو مسجد میں سو جاتے (فتح الباری باب کیف کان عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ وتخلیھم من الدنیا)۔

مسجد نبوی کے دو ستونوں میں ایک رسّی بندھی رہتی تھی جس پر انصار اپنے باغات سے خوشے لا لا کر اصحابِ صفّہ کے لیے لٹکا دیتے تھے۔ اصحاب صفہ ان کو لکڑیوں سے جھاڑ کر کھاتے۔ معاذ بن جبل ان کے منتظم اور نگران تھے۔ (وفاء الوفاء ص ۳۲۴ ج ا۔)

عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور دستِ مبارک میں عصا تھا دیکھا کہ ایک خراب خوشہ لٹکا ہوا ہے۔ آپ نے اس خراب خوشہ پر عصا لگا کر فرمایا کہ اگر یہ صدقے والا چاہتا تو اس سے بہتر خوشہ صدقہ میں لا سکتا تھا۔

اس حدیث کو نسائی نے روایت کیا ہے سند اس کی قوی ہے۔[1]

ایک دُوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے حکم دیا تھا ہر باغ والا ایک ایک خوشہ لا کر مساکین کے لیے مسجد میں لٹکائے۔ (فتح الباری ص ۴۳۱ ج ا باب القسمۃ وتعلیق القنو فی المسجد۔)

اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔

فی کل عشرة اقناء قنو يوضع فی المسجد للمساكين . (طحاوی باب العرایا ص ۳۱۳ ج ۲)	ہر دس خوشوں میں سے ایک خوشہ لا کر مسجد میں مساکین کے لیے رکھا جانا ضروری ہے۔

سند اس حدیث کی قوی ہے اور راوی تمام ثقہ ہیں۔

---

[1] حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ سند اس میں اگر چہ قوی ہے مگر بخاری کی شرط پر نہیں اس لیے امام بخاری نے اس کی تخریج نہیں فرمائی لیکن ترجمۃ الباب (باب القسمۃ وتعلیق القنو فی المسجد) میں اسی حدیث کی طرف اشارہ فرمایا جیسا کہ امام ہمام کی عادت ہے ۱۲۔

مسئلہ: بھوکوں اور پیاسوں کے لیے مسجد میں پانی اور اشیاء خوردنی کا لا کر رکھنا نہایت پسندیدہ اور مستحسن ہے۔

عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں ایک سال ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا ایک دن فرمانے لگے کاش تو ہمارا وہ زمانہ بھی دیکھتا کہ جب کئی کئی دن ہم پر ایسے گذرتے تھے کہ اتنا کھانا بھی میسر نہ آتا تھا جس سے ہم کمر ہی سیدھی کر لیں۔ یہاں تک کہ مجبور ہو کر پیٹ سے پتھر باندھتے کہ کمر سیدھی ہو سکے (اخرجہ احمد۔ فتح الباری ص ۲۴۲ ج ۱۱۔)

فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بسا اوقات اصحاب صفہ بھوک کی شدّت کی وجہ سے عین حالت نماز میں بیہوش ہو کر گر جاتے باہر سے اگر کوئی اعرابی اور بدوی آتا تو ان کو دیوانہ اور مجنون سمجھتا۔

رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آتے اور ان الفاظ میں ان کو دلاسا اور تسلّی فرماتے۔

لـو تعلمونَ مالكم عندالله لا حبَبتُم أن تـزدادوا فقـراو حـاجة (وفاء الوفاء ص ۳۲۲ ج ۱ واخرجه ابو نعیم فی الحلیة مختصرا ص ۳۳۹ ج ۱)

اگر تم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اللہ کے یہاں تمہارے لیے کیا تیار ہے تو البتہ تمنا کرتے کہ ہمارا یہ فقر اور فاقہ اور بڑھ جائے۔

صفاتِ اصحاب صُفّہ رضی اللہ عنہم

عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری اُمت کے چیدہ اور پسندیدہ اور رفیع المرتبت افراد وہ ہیں کہ جن کے متعلق مجھ کو ملاءِ اعلیٰ (ملائکہ مقربین) نے یہ خبر دی ہے کہ وہ لوگ ظاہر میں خدائے عزوجل کی رحمت واسعہ کا خیال کر کے ہنستے ہیں اور دل ہی دل میں خداوند ذوالجلال کے عذاب وعقاب کی شدت کے خوف سے روتے رہتے ہیں۔ صبح وشام خدا کے پاکیزہ اور پاک گھروں یعنی مسجدوں میں خدا کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

زبانوں سے خدا کو رغبت اور رہبت (امید اور خوف) کے ساتھ پکارتے رہتے ہیں اور دلوں سے اس کی لقاء کے مشتاق ہیں۔ لوگوں پر ان کا بار نہایت ہلکا اور خود ان کے نفوس پر وہ نہایت بھاری اور گراں۔ زمین پر پا پیادہ نہایت آہستگی اور سکون کے ساتھ چلتے ہیں اکڑتے اور اتراتے ہوئے نہیں چلتے چیونٹی کی چال چلتے ہیں یعنی ان کی رفتار سے تواضع اور مسکنت ٹپکتی ہوئی ہوتی ہے۔

قرآن کی تلاوت کرتے ہیں پرانے اور بوسیدہ کپڑے پہنتے ہیں۔ ہر وقت خداوند ذوالجلال کے زیر نگاہ رہتے ہیں۔ خدا کی آنکھ ہر وقت ان کی حفاظت کرتی ہے روحیں ان کی دنیا میں ہیں اور دل ان کے آخرت میں۔ آخرت کے سوا ان کو کہیں کا فکر نہیں ہر وقت آخرت اور قبر کی تیاری میں ہیں۔

از دروں شو آشنا واز بروں بیگانہ باش　　　ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

بعد ازاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِىْ وَخَافَ وَعِيْدِ

یہ (وعدہ) اس شخص کے لیے ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری دھمکی سے ڈرے[1]

اسماء اصحابِ صُفّہ

اصحابِ صُفّہ کی تعداد کم وبیش ہوتی رہتی تھی۔ عارف سہروردیؒ نے عوارف میں لکھا ہے کہ اصحابِ صُفّہ کی تعداد چار سو تک بھی پہنچی ہے۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی اور ابن اعرابی اور حاکم نے ان کے اسماء واحوال جمع کرنے کا اہتمام کیا۔ حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء[2] میں سب کو جمع کر دیا اور زہاد صحابہ اور اصحابِ صُفّہ کا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔

---

[1] حلیۃ الاولیاء۔ ج:۱،ص:۱۶　　[2] حلیۃ الاولیاء مصر سے شائع ہوگئی ہے (م،م،ص)

دیکھو فتح الباری ص ۲۴۵ ج ۱۱۔ باب کیف کان عیش النبی ﷺ واصحابہ وتخلیھم عن الدنیا۔

جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ابوعبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ
۲۔عمار بن یاسر ابوالیقظان رضی اللہ عنہ
۳۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
۴۔مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ
۵۔خباب ابن ارت رضی اللہ عنہ
۶۔بلال بن رباح رضی اللہ عنہ
۷۔صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ
۸۔ زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ یعنی حضرت عمر بن الخطاب کے بھائی۔
۹۔ابومرثد کناز بن حصین عدوی رضی اللہ عنہ
۱۰۔ابوکبشہ مولی رسول اللہ ﷺ رضی اللہ عنہ
۱۱۔صفوان بن بیضا رضی اللہ عنہ
۱۲۔ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہ
۱۳۔سالم مولی ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ
۱۴۔مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ
۱۵۔عکاشتہ بن محصن رضی اللہ عنہ
۱۶۔مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ
۱۷۔عمیر بن عوف رضی اللہ عنہ
۱۸۔عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ
۱۹۔ابولبابہ رضی اللہ عنہ
۲۰۔سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ
۲۱۔ابوبشر کعب بن عمرو رضی اللہ
۲۲۔خبیب بن سیاف رضی اللہ عنہ
۲۳۔عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ
۲۴۔جندب بن جنادہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
۲۵۔عتبۃ بن مسعود ہذلی رضی اللہ عنہ
۲۶۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نکاح سے پہلے ابن عمر اہلِ صفہ کے ساتھ رہتے تھے اور انہی کے ساتھ مسجد میں شب گذارتے تھے۔
۲۷۔سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
۲۸۔حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ
۲۹۔ابوالدرداء عویمر بن عامر رضی اللہ عنہ
۳۰۔عبداللہ بن زید جہنی رضی اللہ عنہ
۳۱۔حجاج بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ
۳۲۔ابوہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ

۳۳۔ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ ۳۴۔معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ
۳۵۔سائب بن خلاّ د رضی اللہ عنہ ۳۶۔ثابت ودیعہ رضی اللہ عنہ (مستدرک ص ۱۸ ج ۳)

صوم رمضان

اسی سال شعبان کے اخیر عشرہ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ط فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ[1]

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور عبداللہ بن عمر و رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو صوم عاشوراء یعنی دسویں محرم کے روزہ رکھنے کا حکم دیا جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ اب صوم عاشوراء کے متعلق اختیار ہے چاہے روزہ رکھے اور چاہے افطار کرے (بخاری شریف)

سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن ایک شخص کو یہ حکم دیا کہ لوگوں میں منادی کرائے کہ جس شخص نے نہ کھایا ہو وہ روزہ رکھ لے اور جس نے کھالیا وہ بھی شام تک روزہ داروں کی طرح نہ کھائے (بخاری شریف باب اذا نوی بالنہار صوما) تفصیل کے لیے فتح الباری اور طحاوی کی مراجعت کریں۔

زکوٰۃ الفطر اور نماز عید

مارہ رمضان کے ختم ہونے میں دو دن باقی تھے کہ صدقۃ الفطر اور صلاۃ العید کا حکم نازل ہوا۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ (الاعلیٰ، ۱۴)	تحقیق فلاح پائی اس شخص نے کہ جو باطنی نجاستوں اور کدورتوں سے پاک ہوا اور اللہ کا نام لیا اور عید کی نماز پڑھی۔

[1] البقرہ، آیۃ: ۱۸۵

عمر بن عبدالعزیز اور ابوالعالیہ اس آیت کی اس طرح تفسیر فرماتے تھے۔ فلاح پائی اس شخص نے جس نے زکوٰۃ فطر ادا کی اور عید کی نماز ادا کی[۱]

صلاۃ الاضحیٰ اور قربانی

اور اسی سال بقرعید کی نماز اور قربانی کا حکم ہوا۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔	اللہ کے لیے عید کی نماز ادا کیجیے اور قربانی کیجیے۔

حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں صلاۃ الاضحیٰ (بقرعید کی نماز) اور قربانی مراد ہے۔ (احکام القرآن للجصاص ص ۴۷۵ ج ۳)

دُرود شریف

ابوذر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم بھی ۲ھ میں نازل ہُوا اور بعض کہتے ہیں شب معراج میں یہ حکم ہوا (فتح الباری تفسیر سورۃ الاحزاب ص ۴۱۱ ج ۸)

زکوٰۃ المال

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مال کی سالانہ زکوٰۃ کب فرض ہوئی۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ بعد ہجرت کے فرض ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ ۱ھ میں اور بعض کہتے ہیں کہ ۲ھ میں صوم رمضان کی فرضیت کے بعد فرض ہوئی۔

مسند احمد اور صحیح ابن خزیمہ اور نسائی اور ابن ماجہ میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے باسناد صحیح مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پیشتر ہم کو صدقۃ الفطر دینے کا حکم فرمایا۔ امام ابنِ خزیمہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ مال ہجرت سے پہلے فرض ہوئی

---

[۱] احکام القرآن۔ للجصاص۔ ج:۳، ص:۴۷۳

جیسا کہ ہجرت حبشہ کے واقعہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ تمہارے نبی تم کو کس چیز کا حکم کرتے ہیں تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب دیا۔

انه يامرنا بالصلاة والزكوٰة۔	تحقیق وہ نبی ہم کو نماز اور زکوٰۃ اور روزہ کا حکم دیتا ہے۔

حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وفيه فرض الصوم والزكاة　　للفطر والعيدين بالصلاة
بخطبتين بعد والاضحيّه　　كذازكوٰة مالهم والقبله

اور اسی دوسرے سال میں رمضان کے روزے اور زکوٰۃ الفطر یعنی صدقۃ الفطر اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز شروع ہوئی اور عید کی نماز کے بعد دو خطبے اور قربانی اور زکوٰۃ مال بھی اسی سال شروع ہوئی اور اسی سال تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔

للمسجد الحرام والبناء　　بعائش كذلك الزهراءُ

اور اسی سال عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عروسی کی اور اسی سال حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح فرمایا۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔